یکے از مطبوعاتِ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

دولتِ اقوام

جلد سوم

از

آدم سمتھ

مترجمہ

ایچ - اے - فخری

زیرِ نگرانی

شیخ عطاء اللہ

مجلسِ ترقیِ ادب ۲ - نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ - لاہور

ناشر
کریم احمد خان معتمد مجلس ترقی ادب لاہور
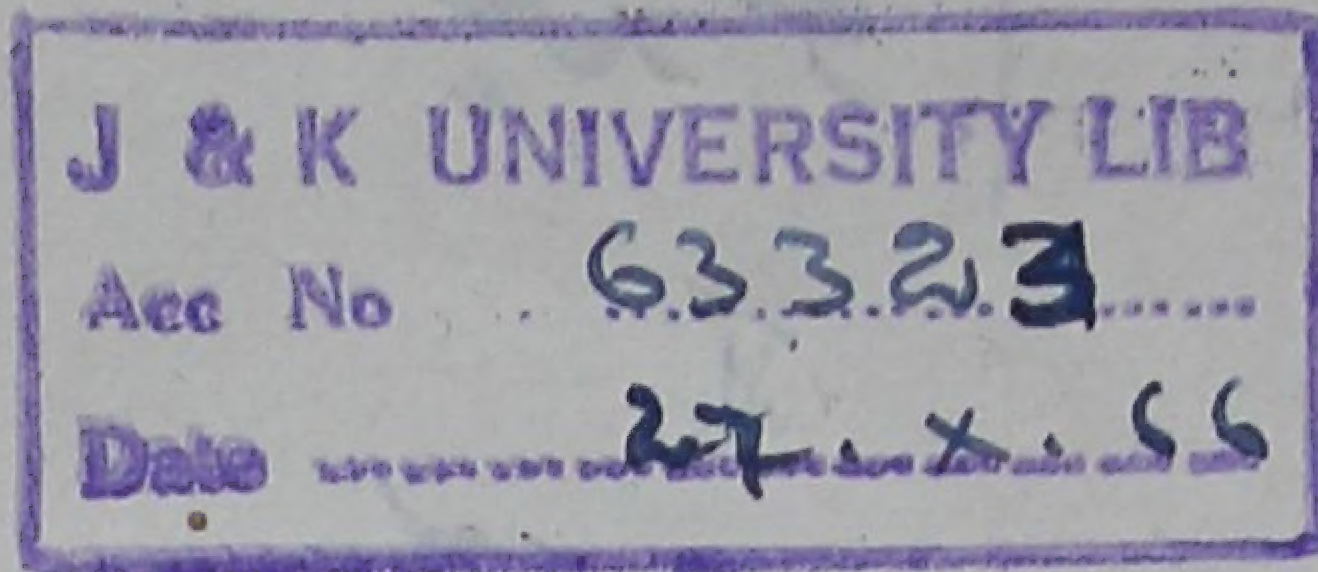
مطبع
رپن پرنٹنگ پریس ، بل روڈ ، لاہور
زیر اہتمام میرزا محمد صادق

بہ اجازت و شکریہ میتھیون اینڈ کمپنی لمیٹڈ لنڈن

۱۹۵۷ء

فہرس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱-	دفتر چہارم -	
	باب ہشتم - نظام تجارت کا نتیجہ	۱
	باب نہم - نظام زراعت یہ نظام علم المعیشت کا وہ جزو ہے جس میں پیداوار اراضی سے بحث کی جاتی ہے - یہ نظام ہر ملک کے محاصل کا جزو اعظم ہوتا ہے اور بعض بعض ملکوں کے مداخل کا ذریعہ تو صرف یہی نظام زراعت ہوتا ہے	۵۴
۲-	دفتر پنجم -	
	محاصل تاجداران وقت یا مداخل دولت مشترکہ	۱۱۶
	باب اول - محاصل تاجداران وقت یا مداخل دولت مشترکہ	۱۱۶
	حصہ اول - مصارف دفاع	۱۱۶
	حصہ دوم - مصارف عدالت	۱۶۲
	حصہ سوم - تعمیرات عامہ کے مصارف - ادارات عامہ کے اخراجات	۱۹۷
	مد اول — تعمیرات و ادارات عامہ - برائے سہولت تجارت	۱۹۸
	(۱) تعمیرات و ادارات عامہ - برائے سہولت تجارت عامہ	۱۹۸
	(۲) عمارات و ادارات عامہ - جو کاروبار کی خاص خاص شاخوں میں سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہیں ...	۲۱۹
	مد دوم — مصارف تعلیم یعنی ان ادارات کے اخراجات جو نوجوانوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں	۲۸۷

عنوان	صفحہ

مد سوم — ہر سن و سال کے اشخاص کی تعلیم - اس تعلیم کے ادارات کے اخراجات ۳۳۹

حصہ چہارم - مصارف وقار سلطانی ۳۱۷

نتیجہ ۳۱۸

باب دوم - قوم کے محاصل عامہ کے ذرائع ۳۲۳

حصہ اول - ذرائع محاصل منسوب بہ تاجدار و دولت مشترکہ ۳۲۳

حصہ دوم - محصولات ۳۳۲

مد اول — محصول لگان اراضی ۳۵۰

وہ محصول جو پیداوار سے متناسب ہیں اور لگان سے متناسب نہیں ہیں ۳۶۱

کرایہ مکانات پر محصول ۳۸۰

مد دوم — محصولات منافع یعنی ان محاصل پر محصول جو سرمائے سے حاصل ہوتے ہیں ۳۹۷

خاص خاص پیشوں کے منافع پر محصولات ۵۰۹

ضمیمہ مدات اول و دوم — اراضیات ، مکانات اور سرمائے کی مالیت پر محصول ۵۲۵

مد سوم — محصولات اجرت ۵۳۱

مد چہارم — غیر امتیازی محصولات یعنی وہ محصولات جن کا بار مختلف انواع مداخل پر بلا رعایت پڑنا چاہئے ۵۳۹

جزیہ یا محصولات فی راس ۵۳۹

اشیائے قابل صرف پر محصولات ۵۵۶

قابل صرف اشیا کی دو قسمیں ہیں : (۱) ضروریات (۲) تعیشات ۵۵۷

باب سوم - قرضہ جات عامہ ۶۵۳

دفتر چہارم

باب ہشتم

نظام تجارت کا نتیجہ[1]

نظام تجارت سامان صنعت اور آلات تجارت کی برآمد کی ہمت شکنی کرتا ہے -

نظام تجارت ہر ملک کو دولت و ثروت سے بہرہ ور کرنا چاہتا ہے - اس مقصد کے حصول کے لئے دو زبردست پرزے ہیں - ان میں سے ایک پرزہ تو یہ ہے کہ برآمد کی حوصلہ افزائی کی جائے اور دوسرا یہ ہے کہ درآمد کی ہمت توڑ دی جائے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خاص خاص اشیاء ایسی بھی ہیں جن کے متعلق نظام تجارت کا رویہ اس کے برعکس ہے - اس صورت میں نظام تجارت برآمد کی عزم شکنی کرتا ہے اور لوگوں کو درآمد کی ترغیب دیتا ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ بالآخر نظام تجارت کا مقصد ایک ہوتا ہے اور صرف ایک اور وہ یہ کہ موزوں اور موافق توازن تجارت کے طفیل ملک کو دولت و ثروت سے مالا مال کر دیا جائے - نظام تجارت سامان مصنوعات کی برآمد کی ہمت شکنی کرتا ہے اور آلات تجارت کو باہر

یہ نظام سامان صنعت کی درآمد کی ہمت افزائی کرتا ہے مگر آلات تجارت کی درآمد کی ہمت افزائی نہیں کرتا -

---

[1] یہ باب سب سے پہلے ایزادت و تصحیحات کے ماتحت طبع سوم میں شامل کیا گیا -

نہیں جانے دیتا تا کہ ہمارے ملک کے اجیروں اور کاریگروں کے لئے فائدے کا باعث ہو اور ان اجیروں اور کاریگروں کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اپنا مال غیر ملکی بازاروں میں اوروں سے ارزاں تر بیچ سکیں اور اس طریق سے چند اشیاء کی برآمد کی مزاحمت کرتا ہے جو زیادہ گراں قیمت نہیں ہوتیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت زیادہ اور بہت قیمتی اشیاء کی برآمد کے لئے رستہ صاف ہو جاتا ہے۔ یہ نظام تجارت اپنے اہل ملک کو اس امر کی ترغیب اور تحریص دلاتا ہے کہ سامان صنعت کی درآمد کریں تاکہ ہمارے ملک کے اجیر اور کاریگر اس قابل ہو جائیں کہ مال سستا بنا سکیں اور اس طریق سے کثیرالمقدار اور قیمتی مال کی درآمد کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ کہیں سے اس امر کا پتا نہیں لگتا کہ آلات تجارت کی درآمد کے لئے کس قسم کی تحریص و ترغیب دی گئی ہے۔ کم از کم کتاب الآئین تو اس باب میں بالکل ساکت و صامت ہے۔ جب مصنوعات ایک بلندی تک ترقی کر جاتی ہیں تو آلات تجارت کی ساخت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور یہ صنعت اکثرَ اہم اور مقتدر صناعات کا مقصد قرار پا جاتی ہے۔ جب اس قبیل کے آلات کی درآمد کی ہمت افزائی کی جاتی ہے تو ان مصنوعات کے مفاد میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کا موجب ثابت ہوتی ہے اسلئے اس قبیل کی درآمد کی کبھی ہمت افزائی نہیں کی گئی بلکہ اسکے بر خلاف اکثر اسکو ممنوع قرار دیدیا گیا۔ اس طرح از روۓ قانون نمبر۳ مجریہ ایڈورڈ چہارم[1] اون کی

---

[1] قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۴۔

درآمد کی ممانعت کر دی گئی لیکن وہ اون اس سے مستثنیٰ تھی جو آئرستان سے منگائی جاتی تھی یا جو تباہ شدہ جہازوں سے نکالی جاتی تھی یا مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آتی تھی - اسی ممانعت کی تحدید قانون نمبر ۳۹ - مجریہ الزبتھ[1] کی رو سے کی گئی تھی اور اسکے بعد ہمیشہ جاری رکھی گئی تھی اور قوانین مابعد[2] کی رو سے دائمی اور مستقل کر دی گئی تھی -

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مصنوعات کے سامان کی درآمد پر محصول نہیں لگایا جاتا - اس سے اہل ملک کو اس سامان کی درآمد کی ترغیب ہوتی ہے حالانکہ اور قسم کے مال پر یہ محصول لگایا جاتا ہے اور کبھی کبھی مالی امداد کے ذریعے سے اس درآمد کی ہمت افزائی کی جاتی ہے -

اکثر سامان خام محصول سے مستثنیٰ ہوتا ہے -

بھیڑ کی اون اکثر ملکوں سے درآمد کی جاتی ہے اور اس پر کسی قسم کا محصول نہیں لگایا جاتا اور اس طرح درآمد کا دل بڑھایا جاتا ہے[3] - اسی طرح اور تمام ملکوں سے خام اون[4] درآمد کی جاتی ہے - اس

---

۱ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۴ -

۲ یعنی قانون نمبر ۳ مجریہ چارلس اول قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴ اور قانون نمبر ۱۴ مجریہ چارلس دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۹ -

۳ مثلاً آئرستان سے بذریعہ قانون نمبر ۱۲ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۱ اور بذریعہ قانون نمبر ۲۶ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۸ برآمد کی جاتی ہے اور ہسپانی اور پارچہ بافی اور نمدہ سازی کے لئے درآمد ہوتی ہے - ملاحظہ ہو برطانی محصولات مصنفہ سیکسن لی صفحہ ۲۶۳ -

۴ بذریعہ قانون نمبر ۶ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۵۲ پارہ ۲۰ -

انداز سے غیر تیار شدہ سن۱ باہر سے منگایا جاتا ہے - اسی طریق سے رنگائی کے مصالح۲ منگائے جاتے ہیں - اسی طرح بن بنی کھالوں اور بن بنے چمڑوں کا کثیر حصہ آئرستان اور برطانی نوآبادیات۳ سے درآمد کیا جاتا اور برطانی گرین لینڈ کی ماہی گاہوں سے دریائی گائے کے چمڑے۴ درآمد کئے جاتے ہیں اور برطانی نوآبادیات سے لوہے کے ڈھیلے اور لوہے کی سلاخیں۵ درآمد کی جاتی ہیں - ان کے علاوہ مصنوعات کا اور بہت کچھ سامان ہے کہ بلا محصول منگایا جاتا ہے اور درآمد کاروں کا حوصلہ بڑھایا جاتا ہے - لیکن شرط یہ ہے کہ محصول خانوں میں ان کا اندراج باضابطہ ہونا چاہئے - ان چیزوں سے ہمارے تاجروں اور صناعوں کے ذاتی اغراض و مفاد وابستہ تھے - یہی باعث ہے کہ انہوں نے ارکان مجالس مقننہ سے جبراً یہ مراعات حاصل کی ہیں - ان کے علاوہ دیگر آئین و ضوابط کا بیشتر حصہ بھی اسی صنف میں آتا ہے لیکن یہ بالکل

---

۱ بذریعہ قانون نمبر۴ مجریہ جارج دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۷ -

۲ بذریعہ قانون نمبر مجریہ جارج اول - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۵ - پارہ نمبر۱۰ - ملاحظہ ہو دفتر چہارم کا آٹھواں باب -

۳ بذریعہ قانون نمبر۹ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۳۹ پارہ اول - یہ سلسلہ قانون نمبر۱۴ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۸۶ - پارہ نمبر۱۱ اور بذریعہ قانون نمبر۲۱ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۹ - پارہ نمبر۳ -

۴ بذریعہ قانون نمبر۱۵ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ نمبر۳۱ - پارہ نمبر۱۰ -

۵ ملاحظہ ہو دفتر چہارم کا ساتواں باب -

موزوں اور مناسب ھیں اور اگر ریاست کے مصالح و مفاد کا لحاظ رکھا جائے اور ان مراعات کو مصنوعات کے اور سامان تک بھی وسیع کر دیا جائے پبلک کو اس سے یقیناً فائدہ پہنچے گا۔

سوت محصولات سے مستثنیٰ ہے حالانکہ مصنوعات کی ذیل میں آتا ہے۔

ھمارے بڑے بڑے صناعوں کی حرص وطمع اس حد تک ترقی کر گئی ھے کہ کبھی کبھی وہ ان مستثنیات کو حدجائز سے زیادہ وسیع کردیتے تھے اور ان میں وہ سامان بھی شامل کر لیتے تھے جسکو کسی طرح ان کی مصنوعات کے لئے سامان خام تصور نہیں کیا جاسکتا۔ قانون نمبر ۲۴۔ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴۶ کی رو سے غیر ملکی سوت کی درآمد پر صرف ایک پینی فی پونڈ کے حساب سے محصول لگایا گیا تھا۔ یہ محصول کچھ زیادہ نہ تھا اس سے پہلے اس قسم کے سوت کی درآمد پر بہت زیادہ محصول لگا دیا جاتا تھا یعنی بادبانی سوت پر چھ پنس فی پونڈ لیا جاتا تھا اور فرانسیسی اور ھالستانی سوت پر ایک شلنگ فی پونڈ محصول لگایا جاتا تھا اور ھر قسم کے مسکوئی یا روسی سوت[۱] کی برآمد پر دو پونڈ تیرہ شلنگ اور چار پنس فی ھنڈرڈویٹ کے حساب سے محصول لیا جاتاتھا۔ لیکن ھمارے صناع عرصۂ درازتک اس تخفیف سے مطمئن

---

۱ ڈاکٹر آدم اسمتھ اس مقام پر نادانستہ طور پر وہ شرح بیان کر گئے ھیں جو کتاب اشروح میں درج ھے اور جن کی رو سے اشیا کی قدر و قیمت کا تعین کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ھو قانون نمبر۱۲ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۴۔ مصنف موصوف نے یہ شرح ان محصولات کی جگہ بیان کر دی ھے۔ محصولات ان شروح پر ۲۰ فیصدی کے حساب سے عاید ھونے چاھئیں۔ ملاحظہ ھو دفتر پنجم کا دوسرا باب۔

نہ ہوئے قانون نمبر ۲۹ - مجریہ جارج دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۰ کی رو سے بادامی سوت پر سے یہ قلیل محصول بھی ہٹا لیا گیا تھا - حالانکہ اسی قانون کی رو سے اس برطانی اور آئرستانی کپڑے کی درآمد پر مالی امداد دی جاتی تھی جسکی قیمت اٹھارہ پنس فی گز سے زیادہ نہ ہوتی تھی - پارچہ بافی کے لئے سوت تیار کرنے میں گوناگوں عمل کرنے پڑتے ہیں - ان میں اس سے زیادہ محنت و صنعت کی ضرورت پیش آتی ہے جتنی بعد میں سوت سے کپڑا بنانے میں پیش آتی ہے اور ان لوگوں کی محنت اور صنعت کا تو کچھ کہنا ہی نہیں جو سن بوتے اور سن کو سلجھا کر تیار کرتے ہیں - ایک جولاہے کو متواتر مصروف کار رکھنے کیلئے کم از کم تین چار کاتنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے اور سوتی کپڑے کی تیاری کے واسطے جس قدر مقدار محنت مطلوب ہوتی ہے اس کا اسی فیصدی بلکہ زیادہ حصہ صرف سوت کی تیاری میں صرف ہوجاتا ہے لیکن ہمارے ہاں کے کاتنے والے غریب اور نادار ہوتے ہیں - عموماً یہ کام مفلس عورتیں کرتی ہیں - یہ لوگ اقصائے ملک میں پھیلے پڑے ہیں نہ انکے لئے کوئی سہارا ہے نہ ٹھکانا نہ ان کو امن و عافیت میسر ہے نہ انکے لئے کوئی جائے پناہ ہے - ہمارے بڑے بڑے صناع اور کارخانہ دار لوگ جو کچھ کماتے ہیں وہ کاتنے والوں کا ساختہ مال بیچ کر نہیں کماتے بلکہ تیار شدہ تھان بیچ کر کماتے ہیں - ان لوگوں کا فائدہ اس میں ہے کہ تیار شدہ تھان گراں ترین قیمت پر فروخت کریں اور اسکی تیاری کے لئے جس خام

کاتنے والے نادار و بے یار و مددگار ہیں - کارخانہ دار نسّاج مالدار اور ذی اقتدار ہیں -

سامان کی ضرورت ہے وہ ارزاں ترین خریدیں۔ اس لئے وہ ارکان مجالس مقننہ کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کے تیار شدہ مال کی برآمد پر مالی امداد عطا کریں اور غیر ملکی کپڑے کی درآمد پر سخت محصول لگائیں اور فرانس کی ساخت[۱] کے بعض بعض کپڑوں کی فروخت کو اپنے ملک کے بازاروں میں بالکل ممنوع قرار دیں۔ ان ترکیبوں سے یہ صناع اور کارخانہ دار لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی ساختہ اشیاء گراں سے گراں قیمت پر بیچیں۔ یہ غیر ملکی سوت کی درآمد کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔ اس طرح اس غیر ملکی سوت میں اور ہمارے ہاں کے کاتنے والوں کے تیار کردہ سوت میں مقابلہ ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ غریب اور نادار کاتنے والوں سے ان کا بنا ہوا مال سستے سے سستے داموں خریدیں۔ یہ کارخانہ دار لوگ اس امر پر آمادہ ہوتے ہیں کہ اپنے جلاہوں کو اس قدر کم اجرت دیں جو نادار کاتنے والوں کی مزدوری سے زیادہ نہ ہو۔ ان کا یہ فعل اجیروں اور کاریگروں کے لئے مفید نہیں ہوتا ان کا میلان تو اس طرف ہوتا ہے کہ تیار شدہ مال کی قیمت کو بڑھائیں اور سامان خام کی قیمت کو گھٹائیں۔ ہمارا تجارتی نظام جس صنعت و حرفت کی خاص طور پر تائید و حمایت کرتا ہے، اس کی غایت یہ ہے کہ مالداروں اور زبردست لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے اور جس صنعت سے غریبوں اور ناداروں کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہوتی ہے اس کی طرف سے یا تو غفلت برتی جاتی ہے یا اس کو کچل ڈالا جاتا ہے۔

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر چہارم کا تیسرا باب۔

کپڑے کی بر آمد پر مالی امداد دی جاتی ھے اور غیر ملکی سوت کی درآمد کو محصول سے مستثنٰی کردیا جاتا ھے ۔ یہ دونوں ایک عارضی قانون پر مبنی ھیں۔

کپڑے کی برآمد پر برآمدکاروں کو مالی امداد دی گئی تھی اور غیر ملکی سوت کی در آمد کو محصول درآمد سے مستثنٰی قرار دے دیا گیا تھا۔ ابتداً یہ دونوں قانون صرف پندرہ سال کے لئے منظور کئے گئے تھے مگر اس۱ کی روسے اس میں دو دفعہ توسیع کی گئی اور یہ ۱۷۸۶ء تک نافذ رھے اور پارلیمنٹ کے اس اجلاس کے ساتھ ختم ھوگئے جو ۲۳ جون ۱۷۸۶ء کے بعد شروع ھوگا۔

مصنوعات کے سامان خام کی درآمد کیلئے مالی امداد دی جاتی تھی اور اس طرح درآمد کاروں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی مگر یہ مالی امداد اور یہ حوصلہ افزائی صرف اس سامان کی درآمد تک محدود تھی جو محض برطانی نخلبندیوں سے منگایا جاتا تھا۔

سامان در آمدہ پر مالی امداد دی جاتی تھی مگر یہ امداد صرف امریکن پیداوار تک محدود تھی۔ مثلاً بحری ذخائر۔

اسی قبیل کی مالی امدادیں وہ تھیں کہ موجودہ صدی کے اوائل میں منظور کی گئی تھیں۔ یہ امدادیں ان بحری ذخیروں پر دی جاتی تھیں جو امریکہ سے در آمد کئے جاتے تھے۔ ۲ اس ذیل میں وہ لکڑی آتی تھی جس سے مستول بنتے تھے یا جس میں تختے یا ڈنڈے نکل سکتے تھے اس کے علاوہ اسی ذیل میں پٹ سن، رال، گندہ بیروزہ اور قیر بھی شامل ھیں۔ تارپین بھی اسی صنف میں

---

۱ قانون نمبر ۱۰ ۔ مجریہ جارج سوم ۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۸ ۔ اور قانون نمبر ۱۹ مجریہ جارج سوم ۔ قانون موضوعہ نمبر ۲۷ ۔

۲ ملاحظہ ھوں قوانین نمبر ۳ اور نمبر ۴ مجریہ ملکہ این ۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۰ ۔ کتاب تجارت ۔ مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۰۳ء ۔

آتا ہے مستول ساز لکڑی کی بر آمد پر ایک پونڈ فی ٹن کے حساب سے مالی امداد عطا کی جاتی تھی اور پٹ سن پر چھ پونڈ فی ٹن کے حساب سے دی جاتی تھی۔ ان دونوں قسم کی امدادوں میں توسیع کر دی گئی اور اس در آمد کو اس کے تحت میں لا ڈالا جو اسکاچستان سے انگلستان میں کی جاتی تھی ۱۔ مالی امداد کی یہ دونوں قسمیں بلا تغیر و تبدل اسی شرح سے جاری رہیں یہاں تک کہ وہ علیحدہ علیحدہ بطور خود ختم ہو گئیں۔ پٹ سن کی بر آمد کے لئے جو مالی امداد عطا کی جاتی تھی اس کا خاتمہ یکم جنوری ۱۷۸۱ء کو ہؤا اور مستول ساز لکڑی پر جو امداد دی جاتی تھی وہ پارلیمنٹ کے اس اجلاس کے خاتمے پر انجام پذیر ہوئی جو ۲۴ جون ۱۷۸۱ء کے فوراً بعد منعقد کیا گیا تھا۔

رال، قیر اور تارپین کی در آمد پر مالی امداد عطا کی جاتی تھی۔ جب تک یہ امداد جاری رہی اس میں گوناگوں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ابتداً رال قطراں پر چار پونڈ فی ٹن کے حساب سے مالی امداد

---

۱ مستول ساز لکڑی پر اور (رال قیر اور گندہ بیروزہ اور دھوپ پر) از روئے قانون نمبر ۱۲۔ مجریہ ملکہ این۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۹ اور صرف مستول ساز لکڑی پر از روئے قانون نمبر ۲ مجریہ جارج دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۰۔ پارہ نمبر ۱۲۔ مالی امداد دی جاتی تھی۔ اسی طرح اسکاچستان میں پٹ سن کی پیداوار کے لئے امداد دے کر کاشتکاروں کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ اس کا ذکر قانون نمبر ۸ مجریہ جارج اول۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۲ کے دیباچے میں کیا گیا ہے اور غالباً منشائے قانون یہ ہے کہ اس کو بھی اسی قانون کے سلسلے میں پڑھا جائے۔

عطا کی جاتی تھی اور اسی شرح سے قیر پر دی جاتی تھی لیکن تارپین پر، یہ شرح تین پونڈ فی ٹن تھی۔ بعد میں یہ چار پونڈ فی ٹن کی مالی امداد ایسے مال تک محدود کر دی گئی جو کسی خاص انداز سے تباہ کیا جاتا تھا اور دیگر اقسام قطران (رال) پر یہ امداد گھٹا کر دو پونڈ چار شلنگ فی ٹن کر دی گئی تھی حالانکہ یہ اقسام بھی عمدہ صاف اور قابل بیع و شرئ ہوتی تھیں۔ اسی طرح قیر پر بھی مالی امداد گھٹا کر ایک پوند فی ٹن کر دی گئی تھی اور تارپین پر یہ شرح ایک پونڈ دس شلنگ رہ گئی تھی[۱]۔

نو آبادیاتی تیل۔

دوسری مالی امداد وہ تھی جو قانون نمبر ۲۱ مجریہ جارج دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۰ کی رو سے اس نیل کی بر آمد پر عطا کی جاتی تھی جو برطانی نخلبندیوں سے در آمد کیا جاتا تھا۔ ترتیب وقت کے اعتبار سے یہ دوسری مالی امداد تھی کہ مصنوعات کے سامان خام کی در آمد پر عطا کی جاتی تھی۔ جب نخلبندیوں کا نیل قیمت میں فرانس کے نیل کے تین چوتھائی کے برابر ہوتا تھا تو اس قانون کی رو سے چھ پنس فی پونڈ کے حساب سے مالی امداد کا مستحق ہو جاتا تھا۔ یہ امداد محض ایک محدود وقت کے لئے عطا کی گئی تھی۔ اس باب میں اس میں اور اکثر دیگر امدادوں میں کچھ فرق نہ تھا۔ مگر اس میں بعد میں کئی بار توسیع کر دی گئی اور اس کو قائم رکھا گیا

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۸ مجریہ جارج اول۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۲ اور قانون نمبر ۲۔ مجریہ جارج دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۵ پارہ نمبر ۳ اور پارہ نمبر ۱۱۔

لیکن بالآخر اس کو گھٹا چار پنس فی پونڈ کر دیا گیا - جب اس پارلیمنٹ کے اجلاس کا خاتمہ ہوا جو ۲۵ مارچ ۱۷۸۱ء کے بعد انعقاد پذیر ہوا تھا تو اس کا بھی خاتمہ ہو گیا -

نو آبادیاتی سن یا بن سلجھا سن -

اس قبیل کی مالی امداد میں تیسرا نمبر اس امداد کا تھا جو قانون نمبر ۴ مجریہ جارج سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۶ کی رو سے نو آبادیاتی سن یا بن سلجھے سن کی در آمد پر عطا کی جاتی تھی (یہ اس وقت کے قریب کا واقعہ ہے جب ہم کبھی تو امریکن نوآبادیات کی نازبرداری کرتے تھے اور کبھی اس سے جھگڑا خریدنے پر تل کھڑے ہوتے تھے) یہ مالی امداد (۲۴ جون ۱۷۶۴ء سے ۲۴ جون ۱۷۸۰ء تک) اکتیس سال کے لئے عطا کی گئی تھی - پہلے سات سال تک اس کی شرح آٹھ پونڈ فی ٹن قرار پائی تھی اور دوسرے سات سال میں چھ پونڈ فی ٹن کر دی گئی تھی اور اخیر میں سات سال میں صرف چار پونڈ فی ٹن رہ گئی تھی - اس کا احاطۂ عمل اسکاچستان تک وسیع نہ کیا گیا تھا اس لئے کہ وہاں کی آب و ہوا سن کی کاشت کے لئے سازگار نہ تھی (اگرچہ سن ملک میں پیدا ہوتا ہے مگر مقدار میں کم اور وصف میں ادنیٰ ہوتا ہے) اگر اس سن کی در آمد پر اس قسم کی مالی امداد دی جاتی جو اسکاچستان سے انگلستان منگایا جاتا

---

۱ از روئے قانون نمبر ۳ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۵ -

ہے، تو اس سے سلطنت متحدہ کے جنوبی حصوں کی پیداوار کی بہت زیادہ ہمت شکنی ہوتی۔

امریکن لکڑی۔

اس قسم کی مالی امداد میں چوتھا درجہ اس امداد کو حاصل ہے جو قانون نمبر ۵ مجریہ جارج سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۵۰ کی رو سے اس لکڑی کی در آمد پر دی گئی تھی جو امریکہ سے منگائی گئی تھی۔ یہ امداد (یکم جنوری ۱۷۶۶ء سے یکم جنوری ۱۷۷۵ء تک) نو سال کے لئے منظور کی گئی تھی۔ پہلے تین سال کے عرصے کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ یہ امداد عمدہ قسم کے ایک سو بیس تختوں کی در آمد پر ایک پونڈ مالی امداد دی جائے اور ایسے بار پر بارہ شلنگ امداد عطا کی جائے، اور قسم کی مربع لکڑی کے پچاس مکعب فٹ ہوں دوسرے سہ سالہ عرصے کے لئے یہ طے پایا تھا کہ تختوں کی در آمد پر پندرہ شلنگ اور مربع لکڑی کی دیگر اقسام کی درآمد پر آٹھ شلنگ کے حساب سے مالی امداد دی جائے اور تیسرے سہ سالہ عرصے کے لئے یہ طے ہؤا تھا کہ تختوں پر دس شلنگ اور مربع لکڑی کے دیگر اقسام پر پانچ شلنگ دئے جائیں۔

نو آبادیاتی خام ریشم۔

اس قسم کی پانچویں مالی امداد وہ تھی کہ قانون نمبر ۹۔ مجریہ جارج سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۸ کی رو سے اس خام ریشم کی در آمد پر دی گئی تھی جو برطانی نخلبندیوں سے منگایا جاتا تھا۔ یہ امداد یکم جنوری ۱۷۷۰ء سے یکم جنوری ۱۷۹۱ء تک اکیس سال کے لئے منظور کی گئی تھی۔ اس کی رو سے پہلے ہفت سالہ عرصے کے

لئے قرار پایا تھا کہ سو پونڈ مالیت کے خام ریشم پر تیس پونڈ مالی امداد دی جائے اور دوسرے ہفت سالہ عرصے میں بیس پونڈ اور تیسرے ہفت سالہ عرصے میں پندرہ پونڈ کے حساب سے یہ مالی امداد عطا کی جائے۔ ریشم کے کیڑوں کے رکھ رکھاؤ اور ریشم کی تیاری پر بہت محنت اور چابک دستی کی ضرورت ہے اور محنت امریکہ میں بہت گراں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس مالی امداد کے باوجود بھی کوئی معتدبہ اثر پیدا نہ ہو سکا۔

نو آبادیاتی پیپوں کی چوبیں۔

اس قبیل کی مالی امداد کی چھٹی قسم وہ تھی جو قانون نمبر ۱۱ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۵۰ کی رو سے عطا کی گئی تھی۔ یہ امداد ان پیپوں، خوکسروں یعنی پنجمنے پیپوں، پیپوں کی چوبوں اور پیپوں کے سروں کی در آمد کے لئے دی گئی تھی جو برطانی نخلبندیوں سے منگائے جاتے تھے۔ یہ امداد یکم جنوری ۱۷۷۲ء سے یکم جنوری ۱۷۸۱ء تک نو سال کے لئے منظور کی گئی تھی۔ پہلے سہ سالہ عرصے کے لئے قرار پایا تھا کہ یہ امداد ایک خاص مقدار پر بحساب چھ پونڈ دی جائے اور دوسرے سہ سالہ عرصے میں بحساب چار پونڈ اور تیسرے میں بحساب دو پونڈ عطا کی جائے۔

آئرستانی سن -

اس قسم کی ساتویں مالی امداد وہ امداد تھی کہ قانون نمبر ۱۹ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۷ منظور کی گئی تھی۔ یہ امداد اس سن کی در آمد کے واسطے دی جاتی تھی جو آئرستان سے منگایا جاتا تھا۔ یہ اپنی قسم کی اخیر امداد تھی۔

اس امداد کے عطا کرنے کا طریقہ وہی تھا جو امریکہ کے سن یا بن سلجھے کتان کی درآمد کے باب میں ملحوظ رکھا جاتا تھا[۱] یہ امداد ۲۴ جون ۱۷۷۹ء سے ۲۴ جون ۱۸۰۰ء تک اکیس سال کے لئے منظور کی گئی تھی۔ حسب سابق یہ میعاد بھی سات سات سالہ تین مدتوں میں منقسم ہے اور اس میعاد کی ہر ہفت سالہ مدت میں آئرستانی مالی امداد کی وہی شرح ہے جو امریکن مالی امداد کی ہے لیکن امریکن امداد کا احاطۂ عمل بن سلجھے کتان تک وسیع ہوتا ہے اور آئرستانی مالی امداد میں اس کی درآمد کو شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ امر ان فلاحوں اور کاشت کاروں کی ہمت شکنی کا باعث ہوتا جو برطانیہ میں اس پودے کی کاشت کرتے ہیں۔ جب یہ اخیر مالی امداد منظور کی گئی تھی اس وقت برطانی اور آئرستانی قانون ساز لوگوں کے تعلقات کبیدہ تھے۔ یہ تعلقات اس سے کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھے جیسے پہلے امریکہ اور برطانیہ کے تھے۔ لیکن امداد آئرستان کے حق میں ایک گونہ نعمت تھی۔ یہ امداد کچھ ایسے مساعد اور سازگار حالات میں عطا کی گئی تھی جو اس امداد سے زیادہ مبارک ثابت ہوئی جو امریکہ کو دی گئی تھی۔

ان اشیا پر محصول لگتا تھا جب باہر سے منگائی جاتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مادر وطن اور نو آبادیات کے مفاد یکساں تھے۔	یہی اشیا ہیں کہ امریکہ سے منگائی جاتی ہیں تو ان پر مالی امداد دی جاتی ہے اور یہی ہیں کہ ان پر محصول لگایا جاتا ہے جب یہ اشیا

کسی اور ملک سے درآمد کی جاتی ہیں۔ بیان کیا جاتا تھا

۱ ملاحظہ ہو مالی امداد نمبر ۳۔

کہ مادر وطن کا اور امریکن نو آبادیات کا مفاد یکساں ہے۔ ان کی دولت ہماری دولت خیال کی جاتی تھی۔ بیان کیا جاتا تھا کہ جو زرنقد ان کے ہاں بھیجا جاتا ہے وہ دوران تجارت کے ذریعے ہمارے ہاں واپس آ جاتا ہے اور ہمیں کبھی ایک پائی کا بھی خسارہ نہیں رہتا خواہ ہم ان پر کتنا ہی خرچ کیوں نہ کریں۔ بالآخر وہ نو آبادیات ہماری ہیں اور ان پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ خود اپنی جائداد کی اصلاح و درستی پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس سے خود ہمارے ہی اجیر مفید اور کار آمد امور میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ نظام حماقت و نادانی پر مبنی ہے۔ میرے نزدیک اس وقت اس کے متعلق کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ تجربے نے پوری طرح اس کی قلعی کھول دی ہے۔ اگر امریکن نو آبادیات اصلی اور حقیقی معنی میں برطانیہ کا کوئی جزو ہوتیں تو مالی امداد پیداوار پر امداد متصور ہوتی۔ اس صورت میں اس پر صرف وہی اعتراضات وارد ہو سکتے جو مالی امداد پر ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور اعتراضات وارد نہ ہو سکتے۔

اون اور بھیڑوں کی برآمد ممنوع قرار دی جاتی ہے اور خلاف ورزی کے لئے سخت سزا تجویز کی جاتی ہے۔

سامان مصنوعات کی بر آمد کی ہمت شکنی کی جاتی ہے۔ کبھی تو اس کو بالکل ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے اور کبھی اس پر بہت زیادہ محصول لگا دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کے صوف باف اور صناعان صوف جس قدر کامیاب اور نائزالمرام ہیں۔ اس قدر اور اجیر اور کاریگر نہیں ہیں۔ یہ لوگ قانون ساز بزرگوں کے دماغ پر اس امر کو نقش کرنے مین کامیاب ہو گئے ہیں کہ قوم کی فلاح و بہبود کا

انحصار اون کے کاروبار کی توسیع و ترقی پر ہے۔ ان لوگوں نے صارفوں کے خلاف ایک گونہ اجارہ داری حاصل کر لی ہے اس لئے کہ انہوں نے بیرونی ملکوں سے اونی کپڑے کی در آمد قطعاً ممانعت کرا دی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بھیڑیں پالنے والوں اور اون تیار کرنے والوں کے خلاف بھی ایک گونہ اجارہ داری حاصل کر لی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اون اور بھیڑوں کی بر آمد کو بھی قطعاً ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس قسم کے اکثر قانون نہایت سخت ہیں جو محاصل و مداخل کے تحفظ کے خیال سے وضع کئے گئے ہیں۔ ان کی رو سے ان امور کے ارتکاب کے لئے بھی سخت سزا مقرر کی گئی ہے جو ان قوانین کے نفاذ سے پہلے وقوع پذیر ہوچکے تھے جو اس قسم کے امور کو جرائم قرار دیتے ہیں۔ اکثر لوگوں نے ان کی شکایت کی ہے اور یہ لوگ اس قسم کی شکایتوں میں حق بجانب بھی ہیں اس لئے کہ ان قوانین کے نفاذ سے پہلے یہ امور بالکل معصومانہ متصور ہوتے تھے اگرچہ ہمارے محاصلی قوانین نہایت ظالمانہ ہیں مگر میں کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ ان میں سخت سے سخت قانون بھی ان قوانین کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو ہمارے تاجروں اور صناعوں کی چیخ پکار کی وجہ سے ہمارے قانون ساز بزرگ وضع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں یہ قانون نہایت معتدل اور منصفانہ معلوم ہوتے کہ ان قوانین سے ان لوگوں کو لغو و لا یعنی اجارہ داری کی تائید اور ان کے جابرانہ منافع کی حمایت ہوتی ہے۔ اپنی سفاکی اور بے باکی میں یہ قوانین ''ڈراکو'' کے قوانین سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی نسبت بھی کہ سکتے ہیں کہ یہ خون سے لکھے گئے تھے۔

ایک زمانہ تھا کہ اعضا تراشی اور موت سزا تھی۔

قانون نمبر ۸ مجریہ الزبیتھ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳ کی رو سے جو شخص بھیڑیں، بھیڑ کے بچے یا مینڈھے ان کے ملک سے باہر بھیجتا تھا تو پہلے جرم کی پاداش میں اس کا تمام مال و منال ہمیشہ کے لئے ضبط کر لیا جاتا تھا۔ ایک سال تک قید کی سزا بھگتتا تھا۔ اس کے بعد پینٹھ کے دن بھرے بازار میں اس کا بایاں ھاتھ کاٹ ڈالا جاتا تھا اور وھاں اس میں میخیں جڑ دی جاتی تھیں اور اس کو کسی بلند جگہ لٹکا دیا جاتا تھا اور دوسرے جرم کی پاداش میں اس کو مہاپاپی یا مجرم اعظم قرار دیدیا جاتا تھا اور اس جرم عظیم کی پاداش میں اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ معلوم ھوتا ھے کہ اس قانون کا منشا یہ تھا کہ برطانی بھیڑوں کی نسل اور ملکوں میں نہ پھیلے۔ اسی طرح قانون نمبر ۱۳ اور قانون نمبر ۱۴ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸ کی روسے اون کی برآمد بھی جرم عظیم ٹھہرا دی گئی تھی اور اس جرم کے مرتکب کو وھی سزائیں دی جاتی تھیں جو مجرمان عظیم کو ملنی چاھئیں یعنی ان کا مال و متاع ضبط کر لیا جاتا تھا اور ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔

لیکن اب بھیڑ ضبط کر لی جاتی ھے اور فی بھیڑ بیس شلنگ جرمانہ لیا جاتا ھے اور جہاز میں مالک کا جو حصہ ھوتا ھے ضبط کر لیا جاتا ھے۔

لیکن خیال یہ ھے کہ ان آئین و قوانین پر کبھی عمل درآمد نہیں کیا گیا اور اسی میں برطانیہ کی انسانیت کا راز مضمر ھے۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کو دخل ھے۔ ان میں سے پہلا قانون کبھی منسوخ نہیں کیا گیا اور جہاں تک

سارجینٹ ہاکنس کے خیالات کا تعلق ہے وہ اس کو اب تک بھی نافذ سمجھتا ہے[1] لیکن عملی طور پر یہ قانون۔ قانون نمبر ۱۲۔ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۲۔ دفعہ نمبر ۳ کی رو سے منسوخ متصور ہوتا ہے۔ اس آئین کی رو سے نئی سزا عاید کی گئی ہے یعنی ہر بھیڑ کی برآمد پر بیس شلنگ جرمانہ کیا جاتا ہے اور اس بھیڑ کو بھی ضبط کر لیا جاتا ہے جس کی برآمد کی کوشش کی جاتی ہے اور جہاز میں مالک کا جو حصہ ہوتا ہے وہ بھی ضبط کر لیا جاتا ہے۔ لیکن ان سزاؤں کی کبھی تنسیخ نہیں کی گئی جو سابقہ آئین و قوانین[2] کی رو سے تجویز کی گئی ہیں۔ ان آئین و قوانین میں سے دوسرے کی تنسیخ صریح طور پر قانون نمبر ۷ اور قانون نمبر ۸۔ مجریہ ولیم سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۸ دفعہ نمبر ۴ کی رو سے ہوچکی ہے اس کی رو سے یہ اعلان ہوچکا ہے کہ آئین نمبر ۱۳ اور آئین نمبر ۱۴ مجریہ چارلس دوم۔ اون کی برآمد کے خلاف وضع کئے گئے تھے۔ منجملہ دیگر امور یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ اون کی درآمد کو جرم عظیم تصور کیا جائے لیکن یہ سزا سنگین تھی اس لئے مجرموں کو قرار واقعی سزا کبھی نہیں دی گئی۔ لہذا آئین سابقہ کی رو سے یہ قرار دیدیا جاتا ہے کہ آئین مذکور کا وہ حصہ منسوخ کر دیا جائے جو اون کی برآمد کو جرم عظیم قرار دیتا ہے۔

---

۱ ملاحظہ ہو رسالہ مقدمات سلطانی۔ طبع چہارم۔ مطبوعہ ۱۷۶۲ء دفتر اول۔ باب ۵۲۔ مصنفہ ولیم۔ ہاکنس۔

۲ یہ قانون قوانین ماسبق کی عائد کردہ سزاؤں کی تنسیخ نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس یہ تجویز کرسکتا ہے کہ وہ تمام سنگین سزا قائم رہیگی جو آئین ماسبق کی رو سے مقرر ہو چکی ہیں۔

ایک پونڈ اون کی برآمد پر تین شلنگ جرمانہ کیا جائے دیگر تمام سزائیں برقرار رکھی جائیں -

یہ آئین دیگر آئین کی نسبت زیادہ نرم اور معتدل ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ سزائیں کافی سخت ہیں جو اس کی رو سے تجویز کی گئی ہیں اور وہ سزائیں تو واقعی بہت سنگین ہیں جو سابقہ آئین کی رو سے عائد کی گئی ہیں اور جو اس کی رو سے منسوخ نہیں کی گئی ہیں - جو شخص اون کی برآمد کا ارتکاب کرتا ہے اپنے آپ کو مال و متاع کی ضبطی کا مستوجب قرار دیتا ہے - اس کے علاوہ اسپر تین شلنگ فی پونڈ کے حساب سے جرمانہ کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اون کی برآمد کی کوشش کرے خواہ اس میں کامیاب ہو یا نہ ہو اور یہ جرمانہ اون کی مالیت سے چار پانچ گنا ہوتا ہے جو شخص تاجر یا غیر تاجر ہے اس جرم کی پاداش میں سزا پاتا تھا - وہ از روئے قانون نمبر ۱۲ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۲ - اس قابل نہیں رہتا تھا کہ وہ اپنے کسی کارندے یا کسی اور شخص سے اپنا قرض مانگ سکے یا حساب فہمی کا مطالبہ کر سکے اس قانون کا منشا یہ ہوتا تھا کہ اس شخص کو تباہ اور برباد کر ڈالے - خواہ اس کی حیثیت کتنی ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس جرمانے کے ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس قانون کو اس سے بحث نہ تھی لیکن یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کبھی اس قانون سے فائدہ اٹھایا گیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کی جماعت کثیرہ کے اخلاق و اطوار اسقدر تخریب پذیر نہ تھے جسقدر ان قانون ساز لوگوں کے تھے جنھوں نے اس قسم کے جابرانہ قانون

وضع کئے تھے اگر وہ شخص صدور حکم کے بعد تین مہینے
کے اندر اندر جرمانہ ادا کر دیتا تھا تو خیر، ورنہ اس
کو سات سال کے لئے جلا وطن کر دیا جاتا تھا۔ اگر وہ شخص اس
مدت کے اختتام سے پہلے واپس آجاتا تھا تو اپنے آپ کو اس
سزا کا مستوجب ٹھہرا لیتا تھا جو جرم عظیم کے لئے
تجویز کی گئی ہیں اور قانون نمبر۴ مجریہ جارج اول۔ قانون
موضوعہ پارلیمان نمبر۱۱۔ دفعہ نمبر۴ کی رو سے اپنے آپ کو
فائدہ کلسیا سے بھی محروم کر لیتا تھا یعنی اس کا مقدمہ
دستوری عدالت کے سامنے پیش ہو سکتا تھا جہاز کا مالک
اپنے آپ کو اس تمام مفاد سے محروم کر لیتا تھا جو اس کو
جہاز میں اور جہاز کے فرنیچر میں حاصل ہوتا تھا بشرطیکہ
وہ اس جرم کے ارتکاب سے باخبر ہو۔ مالک اور جہاز ران
اس امر کے مستوجب قرار پاتے تھے کہ اپنے تمام مال و منال
اور تمام مواشی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تین مہینے کی قید
کاٹیں لیکن شرط یہی تھی کہ وہ اس جرم کے ارتکاب سے آگاہ
ہوں۔ اس کے بعد ایک اور آئین وضع کیا گیا اس کی رو سے
یہ قرار پایا کہ مالک جہاز کو چھ مہینے کی سزا دی جائے[۱]

خفیہ برآمد کا سدباب کرنے کے لئے اون کی اندرونی تجارت ان ممانعات کے باعث بہت زیر بار ہے۔

اون کی خفیہ برآمد کا سدباب کرنے کی غرض
سے یہ اون کی ملکی تجارت پر بندشیں عائد
کر دی گئی ہیں اور اسپر گوناگوں بار
ڈال دئے گئے ہیں۔ اسکو برآمد کرنے

۱ غالباً اس میں قانون نمبر۱۰ اور قانون نمبر۱۱۔ مجریہ ولیم سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۰ دفعہ نمبر۱۸ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا اطلاق تو شاید جہاز کے اس کمانڈر پر ہوتا ہے جو دیدہ و دانستہ اس قسم کے جرم سے چشم پوشی کرے۔ اس کا اطلاق مالک جہاز پر نہیں ہوتا۔

کے لئے نہ تو صندوق اور ڈبے میں بند کر سکتے تھے اور
نہ پٹاروں اور پیپوں میں بھر سکتے تھے بلکہ اسکو چمڑے کے
یا بقچہ بند کپڑے کے کپڑوں میں لپیٹا جاتا تھا اور ان
پلندوں پر باہر کی طرف اون یا اونی تاگے کے الفاظ لکھے جاتے
تھے اور یہ لفظ بھی لمبائی میں تین انچ سے کم نہ ہونے
پاتے تھے اور اگر ان میں سے کسی قانون کی خلاف ورزی کی
جاتی تھی تو یہ اون اور یہ پلندے ضبط کر لئے جاتے اور
تین شلنگ فی پونڈ (رطل) کے حساب سے جرمانہ کیا جاتا
تھا اور یہ جرمانہ مالک کو یا پلندہ ساز کو دینا پڑتا تھا۔۱
یہ نہ گھوڑوں پر لادی جا سکتی تھی اور نہ گاڑیوں اور
چھکڑوں میں بار کی جا سکتی تھی اور خشکی پر کسی
سبیل سے بھی ساحل بحر سے پانچ میل کے اندر اندر نہ سہائی
جا سکتی تھی۔ اگر سہائی جا سکتی تھی تو روز روشن میں
طلوع وغروب کے درمیان کسی وقت پہنچائی جا سکتی تھی۔
اور اگر خلاف ورزی کی جاتی تھی تو اون کے گھوڑے اور گاڑیاں
ضبط کر لی جاتی تھیں۲۔ اس پانچ میل کے فاصلے کے بعد سو میل

---

۱ ملاحظہ ہو۔ قانون نمبر۱۲ مجریہ جارج دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۱۔ دفعہ نمبر۱۰۔

۲ قانون نمبر۱۳ اورقانون نمبر۱۴۔ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۸ دفعہ نمبر۹ کی رو سے یہ امر ممنوع تھا کہ آٹھ بجے شام اور چار بجے صبح کے درمیان اون ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف مارچ سے ستمبر تک منتقل کی جاسکے اور اکتوبر سے فروری تک پانچ بجے شام سے سات بجے صبح تک یہ نقل و حرکت ممنوع تھی۔ قوانین نمبر۷ اور نمبر۸۔ مجریہ ولیم سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۸ دفعہ نمبر۸ میں اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ اس میں صرف وہ قانون وضع کئے گئے جن

کا فاصلہ ہے کہ ساحل بحر سے ملحق ہے۔ اس میں سے اون لے جائی جاتی ہے یا برآمد کی جاتی ہے تو بیس پونڈ جرمانے کی مستوجب ہوتی ہے جب کہ اون کی مالیت دس پونڈ سے کم ہوتی ہے اور اگر اس کی مالیت دس پونڈ سے زیادہ ہوتی ہے تو سہ چند جرمانہ کی مستوجب ہوتی ہے اور اس پر خرچہ بھی سہ چند لگایا جاتا ہے اور اس کا دعویٰ ایک سال کے اندر اندر ہوسکتا ہے۔ یہ مقدمہ کوئی سے دو باشندوں کے خلاف دائر کر دیا جاتا ہے۔ ان کے نقصان کی تلافی سشن اسی طرح کرتا ہے کہ تمام دیگر باشندوں پر باچھ ڈالتا ہے اور اس تاوان کو تمام باشندوں پر اس طرح پھیلا دیتا ہے جس طرح ڈاکے کی واردات میں پھیلاتا ہے۔ یہ آئین تمام مملکت[۱] میں نفاذ پذیر ہیں۔

خصوصاً کینٹ اور سس سیکسن کے علاقوں میں

خصوصاً کینٹ اور سس سیکسن کے علاقوں میں یہ بندشیں بہت زیادہ سخت تھیں ساحل بحر سے دس دس میل کے اندر جو گڈریے رہتے تھے ان کو اپنی تمام بھیڑوں کا تحریری حساب دینا پڑتا تھا اور بھیڑیں مونڈنے کے تین دن بعد نزدیک ترین محصول خانے میں یہ رپوٹ درج

کا حوالہ متن میں دیا گیا ہے قانون نمبر ۱۳ اور قانون نمبر ۱۴ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸ کی رو سے جو کچھ قرار پایا تھا وہ قانون نمبر ۲۰ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۵۵ کی رو سے کالعدم کر دیا گیا تھا - جس میں قانون نمبر ۷ اور نمبر ۸ مجریہ ولیم سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۸ کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا -

۱ یہ احکام قانون نمبر ۷ اور نمبر ۸ - مجریہ ولیم سوم - قانون نمبر ۲۸ سے ماخوذ ہیں -

کرانی پڑتی تھی کہ اتنی بھیڑیں مونڈی گئی ھیں اور یہاں یہاں رکھی جاتی ھیں اور قبل اس کے کہ گڈریا ان میں سے کچھ بھیڑیں علیحدہ کرے اس کو ان کا تحریری حساب پیش کرنا اور یہ بتانا پڑتا تھا کہ کتنی بھیڑیں علیحدہ کی گئی ھیں اور کتنی اون سونڈی گئی ھے اور یہ بھیڑیں کس شخص کے ھاتھ فروخت کی گئی ھیں اور وہ شخص کہاں رھتا ھے اور ان کو کہاں لے جانا چاھتا ھے جو لوگ ان علاقوں میں ساحل بحر سے پندرہ پندرہ میل کے اندر رھتے تھے ان کے لئے یہ لازم تھا کہ اون خریدنے سے پہلے تاجدار وقت سے معاھدہ کریں کہ جو اون وہ اس وقت خرید رھے ھیں اس کا کوئی جز کسی وقت ساحل بحر سے پندرہ پندرہ میل کے اندر کسی شخص کے ھاتھ فروخت نہ کرینگے - اگر ان علاقوں میں اون ساحل بحر کی طرف جاتی دکھائی دیتی تھی تو ضبط کر لی جاتی تھی اور لے جانے والے پر تین شلنگ فی پونڈ (رطل) کے حساب سے جرمانہ کیا جاتا تھا صرف وہ حالت اس سے مستثنیٰ تھی کہ اس کا اندراج کرا دیا گیا ھو اور ضمانت بھی دیدی گئی ھو - اگر ان علاقوں میں کوئی شخص ساحل بحر سے پندرہ پندرہ میل کے اندر کسی قسم کی اون جمع کرتا تھا تو وہ اون پکڑی جاتی اور ضبط کر لی جاتی تھی - ایسا کرنے کے لئے پہلے سے اندراج کرانا ضروری ھوتا تھا اور اگر اس قسم کی گرفتاری کے بعد کوئی شخص اس اون کا دعویدار بنتا تھا تو اس کو اس امر کی ضمانت خزانے میں پیش کرنی پڑتی تھی کہ اگر وہ مقدمے میں ناکام رھیگا تو اس کو

سہ چند خرچہ دینا پڑیگا اور دیگر سزائیں[۱] اسکے علاوہ ہونگی۔

اسی طرح ساحلی تجارت میں

جب اندرونی تجارت پر اس قسم کی بندشیں عائد کی جاتی ہیں تو یقین ہے کہ ساحلی تجارت کسی صورت میں آزاد اور بے قید نہیں چھوڑی جا سکتی ہے۔ جب کوئی اون والا اون کو کسی بندرگاہ میں یا کسی اور ساحلی شہر میں لاتا یا لے جاتا ہے تاکہ وہ اون کسی غیر ملکی بندرگاہ کو یا کسی بیرونی ساحلی شہر کو بھیج دی جائے تو اس کا فرض ہے کہ پہلے اسکا اندراج اس بندرگاہ میں کرے جہاں سے وہ اسکو باہر بھیجنا چاہتا ہے اور اس بندرگاہ میں پہنچنے سے پہلے اس اون کا وزن، اس کا نشان اور اسکے پلندوں کی تعداد کسی ایسے مقام پر درج کرائے کہ بندرگاہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہو۔ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریگا تو اس امر کا مستوجب قرار پائیگا کہ وہ اون ضبط کرلی جائیگی۔ ان کے علاوہ تمام گھوڑے، گاڑیاں اور چھکڑے بھی ضبط کر لئے جائیں۔ مزید بر آں وہ ان سزاؤں اور ضبطیوں کا بھی مستوجب ٹھہرایا جائیگا جو اون کی برآمد کے قوانین میں تجویز کی گئی ہیں یہ قانون (قانون نمبر ۱ مجریہ ولیم سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۲) قدرے نرم اور معتدل ہے اسکی روسے یہ قرار پایا ہے کہ ہر شخص مونڈنے کے مقام سے اون اپنے گھر لے جا سکتا ہے خواہ یہ مقام ساحل بحر سے پانچ میل کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں اس شخص کے لئے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مونڈنے کے بعد

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۹ اور قانون نمبر ۱۰۔ مجریہ ولیم سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴۰۔

دس دن کے اندر اندر اور اون کو کسی مقام پر منتقل کرنے سے پہلے وہ شخص اپنے نزدیک ترین محصول خانے میں یہ تصدیق نامہ پیش کرے کہ بھیڑوں کی تعداد اتنی ہے، ان کو کہاں رکھا جاتا ہے اور اس تصدیق نامے پر آس کے دستخط بھی ہونے لازم ہیں اور اگر یہ شخص ان کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا چاہے تو آس کو چاہئے کہ وہ آسی افسر کے سامنے اسی قسم کا تصدیق نامہ خود اپنے دستخطوں سے پیش کرے اور یہ بتائے کہ میں ان کو وہاں سے منتقل کر کے وہاں لے جانا چاہتا ہوں اور یہ تصدیق نامہ تین دن پہلے پیش[1] کیا جائے۔ اس شخص کو یہ ضمانت بھی دینی ہوگی کہ یہ اون ساحل کے ساتھ ساتھ لے جائی جائیگی اور اس خاص بندرگاہ میں اتاری جائیگی جس کا حوالہ اندراج میں دیا گیا ہے اور ایک افسر مجاز کے سامنے اتاری جائیگی۔ اور اگر اس کا کوئی حصہ اس افسر کی عدم موجودگی میں اتارا جائیگا تو وہ شخص اپنے آپ کو اسی امر کا مستوجب قرار دیگا کہ اون ضبط کر لی جائے اور اس پر تین شلنگ فی رطل (پونڈ) کے حساب سے جرمانہ بھی کیا جائے۔

صناعوں کا بیان ہے کہ انگلستانی اون سب سے اعلیٰ ہے مگر یہ دعویٰ غلط ہے۔

ہمارے صناع اس امر کے دعویدار تھے کہ انگلستانی اون سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ وہ یقین دلاتے تھے کہ اس قسم کی اون کسی اور ملک میں نہیں ہوتی اور اس کی تہ میں صرف یہ بات تھی کہ اس قسم کے آئین و ضوابط کے نفاذ میں اس قبیل کی بندشوں کے اطلاق کے

---

[1] یہ عبارت لفظ بہ لفظ نہیں ہے۔

لئے یہ لوگ اپنے آپ کو حق بجانب قرار دینا چاہتے تھے - غیر ملکی اون سے کسی قسم کا سامان تیار نہیں ہو سکتا - اس کے لئے انگلستانی اون کی آمیزش لازمی و لابدی ہے اور عمدہ اور باریک کپڑا تو کسی طرح بنا ہی نہیں جا سکتا - اس طرح اگر انگلستانی اون کی برآمد بالکل ممنوع قرار دے دی جائیگی تو اس کو ہر قسم کی اونی تجارت کی اجارہ داری حاصل ہو جائے گی - اس صورت میں اس کا کوئی حریف اور مد مقابل نہ ہوگا - اس لئے انگلستان جو چاہے گا طلب کر سکے گا - اس طرح توازن تجارت اس کے حق میں مساعد و ساز گار ہوگا اور وہ محض چند روز میں اس قدر دولت و ثروت حاصل کر لے گا کہ تمام دنیا میں سب سے بالا تر ہوگی - عامۃ الناس کی بیشتر تعداد اس مسئلے کی قائل تھی اور اب تک بھی ان لوگوں کی تعداد میں کچھ کمی نہیں ہے کہ اس پر اندھا دھند یقین رکھتے ہیں - اس طرح عامۃ الناس کی تعداد ان تمام مسائل پر یقین رکھتی ہے، جن کو اکابر قوم کی ایک معتدبہ جماعت نہایت وثوق کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ لوگ تو کم و بیش تمام کے تمام اس مسئلے کو بالکل صحیح اور درست مانتے ہیں، جن کا اون کی تجارت سے کچھ تعلق نہیں ہے یا جنھوں نے اس کی تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی - حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ سر تا سر غلط اور بے بنیاد ہے - باریک اور عمدہ کپڑا بنانے کے لئے کسی طرح بھی انگلستانی اون کی ضرورت نہیں - بلکہ اس کے برعکس وہ کسی طرح بھی اس گوں نہیں ہے کہ اس سے کسی قسم کا باریک کپڑا بنا جائے - عمدہ اور باریک

کپڑا جتنا بنایا جاتا ہے وہ سب کا سب ھسپانی اون سے تیار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ھسپانوی اون میں برطانوی اون کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے تو کپڑا خراب ہو جاتا ہے اور کسی نہ کسی قدر اس کے معیار ساخت میں کمی پڑ جاتی ہے[۱]۔

ان آئین و ضوابط کی وجہ سے اون کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی ہے اور یہی مقصود بالذات تھا۔

اس کتاب کے سابقہ صفحات میں یہ امر معرض بیان میں آ چکا ہے کہ ان آئین و ضوابط کے نفاذ سے یہ اثر مرتب ہوا کہ انگلستانی اون کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی۔ موجودہ دور کا یہ اقتضا تھا کہ قیمت میں کچھ نہ کچھ کمی واقع ہو۔ مگر یہ کمی قدرتی حد تک محدود نہ تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ کم تھی۔ ایڈورڈ سوم کے عہد حکومت میں تھی جب انگلستان اور اسکاچستان کا اتحاد ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسی قسم کے آئین و ضوابط نافذ کئے گئے تھے۔ ان کا نتیجہ یہی نکلا کہ اسکاچستانی اون کی قیمت آدھی رہ گئی تھی۔ واجب الاحترام پادری صاحب ''جان اسمتھ'' نہایت طباع اور ذہین مصنف تھے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''اون کی سرگزشت''۔ اس کتاب میں یہ امر نہایت صحت و صفائی کے ساتھ معرض بیان میں لایا گیا ہے کہ انگلستان میں بہترین انگلستانی اون کی قیمت عموماً اس قیمت سے کم ہوتی ہے جو ایمسٹردم[۲]

---

۱ اینڈرسن اپنی کتاب ''تجارت'' مطبوعہ ۱۶۶۹ میں رقم طراز ہے کہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ عمدہ اور باریک کپڑے کی ساخت کے لئے لازم ہے کہ ھسپانی اون سے تیار کیا جائے۔

۲ ملاحظہ ہو مصنفہ ''اون کی سرگزشت'' مطبوعہ ۱۷۷۶ء جلد دوم - شرح متعلقہ صفحہ نمبر ۴۱۸ -

میں ادنیٰ ترین اون کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ ان آئین و ضوابط کے نفاذ سے مقصود بالذات یہی امر تھا کہ اون کی قیمت میں انحطاط پیدا کیا جائے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نتیجہ مرتب ہو کے رہا ہے اور اون کی قیمت اس معیار سے گر گئی ہے جو فطری اور اصلی طور پر اس کے لئے معین و مقرر ہونی چاہئے۔

لیکن ان کی وجہ سے اون کی مقدار میں کمی نہیں ہوئی۔

یہ تمام آئین و ضوابط اون کی پیداوار کے رستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے نافذ کئے گئے تھے۔ اس سے اس خیال کا پیدا ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جب قیمت میں کمی واقع ہو جائے گی تو اس سے اون کی سالانہ مقدار میں بھی اس مقدار سے فرو تر نہ ہو گی جو اب سے پہلے تھی۔ لیکن موجودہ حالات میں اس سے ضرور فروتر ہوجائے گی جتنی اس سے توقع ہے۔ یعنی اگر اون کا بازار بالکل کھلا ہوتا اور اس میں کسی قسم کی حدود اور قیود ملحوظ نہ ہوتیں تو اون اپنی فطری اور اصلی قیمت تک فائز ہوتی اور اسی نسبت سے اون کی پیداوار میں بھی ترقی ہوتی۔ لیکن میں اپنے آپ کو کچھ اس یقین کی طرف مائل پاتا ہوں کہ ان آئین و ضوابط کے نفاذ کی وجہ سے اون کی مقدار میں کچھ زیادہ کمی نہیں پڑی ہے اگرچہ کچھ نہ کچھ کمی تو ضرور پڑی ہے اس کے بغیر تو چارۂ کار نہ تھا ”میش پرور لوگ“ اپنا سرمایہ اور اپنی محنت و صنعت کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے صرف کرتے ہیں۔ لیکن اون پیدا کرنے کا یہ خاص مقصد نہیں ہوتا کہ ان کو اون سے جس قدر یافت کی توقع ہوتی ہے اور اکثر

حالات میں اون کی معمولی یا متوسط قیمت میں جس قدر کمی پڑجاتی ہے اس کی تلافی گوشت اور کھال کی معمولی اور متوسط قیمت سے ہوجاتی ہے۔ کتاب ہذا کے سابقہ حصے میں یہ امر معرض بیان میں آچکا ہے۔ جن آئین و ضوابط کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ اون یا کچی کھالوں کی قیمت میں کمی پیدا کردیں اور اس قیمت کو گھٹا کر قدرتی سطح سے نیچے لا ڈالیں۔ انہی آئین و ضوابط کی ذات میں یہ رجحان بھی مضمر ہوتا ہے کہ گوشت کی قیمت میں اضافہ کردیں بشرطیکہ علاقہ مزروعہ اور ترقی یافتہ ہو۔ مزروعہ اور ترقی یافتہ علاقے میں چھوٹے بڑے دونوں قسم کے مویشی پرورش پاتے ہیں اس لئے ان مواشی کی قیمت اتنی ہونی چاہئے کہ اس میں سے زمیندار کا لگان اور زراعت کار کا منافع نکل آئے اس لئے کہ مزروعہ اور ترقی یافتہ علاقے سے زمیندار اور زراعت کار کو از روئے معقولیت لگان اور منافع کی توقع وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ان مواشی کی قیمت ادائے لگان و منافع کے لئے کافی نہ ہوگی تو ان کی چرائی ختم کردی جائے گی۔ اس لئے اس لگان و منافع کا وہ حصہ گوشت اور چمڑے کی اس قیمت سے ادا کیا جائیگا جو اون کی قیمت میں سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اون کے لئے قیمت جس نسبت سے زیادہ دینی ہوگی اس تمام قیمت کو مواشی کے مختلف حصوں پر ایک تناسب سے تقسیم کرنا پڑتا ہے مگر زمیندار کو اس سے کچھ دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کو تو صرف اس امر سے سروکار ہوتا ہے کہ اس کو لگان پورا مل جائے۔ مزروعہ اور ترقی یافتہ علاقوں میں زمینداروں اور زراعت کاروں کے مفاد پر اس قسم کے آئین

و ضوابط کے نفاذ سے کچھ زد نہیں پڑتی اگرچہ صارف ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ زد ضرور پڑتی ہے۔ اس لئے سامان خورو نوش کی قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے ۱۔ جب اس نقطہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو دماغ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مزروعہ اور ترقی یافتہ علاقوں میں اون کی قیمت میں انحطاط سے اس امر کا احتمال نہیں ہوتا کہ اون کی مقدار میں کمی واقع ہوجائیگی۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے گوشت کی قیمت میں اضافہ ہوجائیگا اور اس اضافے کی وجہ سے گوشت کی مانگ میں کمی پڑجائےگی اور اسی طرح بھیڑوں اور بکریوں کی پرورش میں کمی رونما نہ ہوگی۔

اور نہ اون کی خوبی میں کسی طرح کا فرق ہوسکا۔

اگرچہ ان کا اثر اون کی سالانہ پیداوار پر کچھ زیادہ قابل اعتنا نہ تھا لیکن گمان غالب تھا کہ اس کی خوبی اور عمدگی ان سے ضرور اثر پذیر ہوگی۔ جس نسبت سے اون کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہے قریب قریب اسی نسبت سے انگلستانی اون کی عمدگی اور خوبی میں بھی کمی پڑ گئی ہے۔ وصف اور خوبی کی یہ کمی ایام سابقہ سے فروتر ہو یا نہ ہو لیکن اس معیار سے ضرور فروتر ہے جو زراعت و ترقی کی موجودہ حالت کے لحاظ سے فطری طور پر اس وصف و خوبی کے لئے مقرر ہے۔ اون کی خوبی اور عمدگی کا انحصار بھیڑ کی نسل، چراہ گاہ کی حالت اور صفائی کے انتظام پر ہے۔ جب تک اون میں بڑھنے کی صلاحیت رہتی ہے ان امور پر توجہ مبذول کرنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ امر قرین فطرت ہے کہ یہ توجہ اسی نسبت سے

---

۱ ملاحظہ ہو۔ دفتر اول کا گیارھواں باب۔

مبذول کی جاتی ھے جس نسبت سے اون کی قیمت سے اس محنت اور لاگت کی تلافی ھوتی ھے جو اس توجه کے مبذول کرنے کے لئے ضروری ھوتی ھے ۔ لیکن عام طور پر یه دیکھا جاتا ھے که بہت حد تک اون کی عمدگی اور خوبی بھیڑ کی صحت، اسکی نشو و نما اور اس کے قدوقامت پر منحصر ھوتی ھے ۔ عام حالات میں اون کی طرف خاص توجه کی ضرورت نہیں ھوتی بلکه جن چیزوں سے بھیڑ کے گوشت اور پوست میں ترقی ھوتی ھے انہی چیزوں سے اون کی عمدگی اور خوبی میں بھی ترقی ھو گئی ھے - یہی وجه ھے که موجوده صدی کے دوران میں بھی انگلستانی اون کی عمدگی اور خوبی میں قابل لحاظ اضافه ھوگیا ھے اگرچه اسکی قیمت میں بہت کچھ کمی واقع ھو گئی ھے ۔ اگر قیمت میں کمی نه ھو جاتی تو وصف و خوبی میں اور بھی زیاده اضافه ھو جاتا ۔ اسمیں کچھ شک نہیں که قیمت کی کمی عمدگی و خوبی کی راہ میں حائل ضرور ھوئی مگر اسکو پوری طرح روک نه سکی ۔

یہی باعث ھے که میش پرور لوگوں کے مفاد کو اسقدر آزار نہیں پہنچا جس قدر توقع تھی ۔

یہی وجه ھے که ان آئین و ضوابط کا جبر و تشدد اون کی مقدار اور اسکی عمدگی اور خوبی پر کسی طرح اثر انداز نه ھو سکا اور اون کی سالانه مقدار وھی رھی جو ان آئین و ضوابط کی عدم موجودگی کی صورت میں رہ سکتی تھی ۔ اگرچه اندیشه تو یه تھا که ان چیزوں کا اثر بہت زیاده پڑیگا (لیکن اسکے باوجود بھی میرے نزدیک گمان غالب یه ھے که اون کی عمدگی اور خوبی پر بھی کچھ نه کچھ اثر ضرور پڑا ھے اور جتنا اثر اس پر پڑا اس سے کہیں زیاده اون کی مقدار پر پڑا ھے) اورمیش پرور لوگوں کے

مفاد پر بھی کچھ نہ کچھ آزار ضرور پہنچتا ہے مگر اتنا زیادہ نہیں پہنچتا جتنا اندیشہ تھا۔

یہ خیالات ہیں کہ اون کی برآمد کی ممانعت کے باب میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر ان سے ارباب بست و کشاد اون کی غیر مشروط برآمد کی ممانعت میں کسی طرح حق بجانب قرار نہیں پا سکتے لیکن برآمد پر محصول لگانے میں حق بجانب قرار پا سکتے ہیں۔

اگرچہ اون کی برآمد میں قانون ساز لوگ حق بجانب نہیں لیکن اگر اون کی بر آمد پر محصول لگا دیا جاتا تو اس محاصل و مداخل میں ضرور اضافہ ہو جاتا اور اس سے کچھ زیادہ آزار بھی نہ پہنچتا۔

معاشرۂ انسانی میں مختلف اور گوناگوں طبقات ہوتے ہیں۔ تاجداران وقت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ان تمام طبقات کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھے اور تمام طبقات کو برابر سمجھے۔ اگر وہ ان طبقات میں سے کسی طبقے کے حقوق و مفاد کو آزار پہنچاتا اور دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اون کی برآمد کی ممانعت سے میش پرور لوگوں کے حقوق و مفاد کو کم و بیش نقصان ضرور پہنچتا ہے اور اس کی تہ میں کوئی اور راز مضمر نہیں ہے کہ صناعوں کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

معاشرۂ انسانی میں جس قدر طبقات ہوتے ہیں وہ سب کے سب اس امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تاجدار وقت یا دولت مشترکہ کے مفاد کی حمایت و تائید کریں۔ اگر چودہ سیر اون کی برآمد پر دس شلنگ محصول لگا دیا جاتا یا صرف آٹھ شلنگ لگا دیا جاتا تو بھی اس سے تاجدار کے

محاصل و مداخل میں قابل قدر اضافہ ہو جاتا اس سے بڑی
میش پرور لوگوں کے مفاد کو آزار تو پہنچتا مگر اس قدر نہ
پہنچتا جس قدر اس کی ممانعت سے پہنچتا ہے اسلئے کہ اس محصول
کے باعث اون کی قیمت میں اس قدر انحطاط نہ ہوتا جس قدر
ممانعت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس محصول سے صناعوں کو بھی
فائدہ پہنچتا اگرچہ اتنا نہ پہنچتا جتنا ممانعت سے پہنچتا ہے۔ اس
لئے اس صورت میں ان کو اون اس قدر کم قیمت پر نہ
مل سکتی جس قدر ممانعت کی صورت میں مل سکتی ہے۔ مگر پھر
اس سے دس پانچ شلنگ کم قیمت پر مل سکتی جس قیمت پر
غیر ملکی صناعوں کو مل سکتی ہے اس کے علاوہ ان کو کرایے
اور بیمے کے اخراجات کی بچت بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے
فریق ثانی کے لئے ان کی ادائیگی لابدی ہے۔ جب لوگوں کو
اتنا محصول لگایا جاتا ہے جس سے تاجدار وقت کو کافی محاصل
و مداخل کی توقع ہوتی ہے، تو اس سے لوگوں کو کچھ نہ
کچھ آزار ضرور پہنچتا ہے۔ لیکن اگر اون پر محصول لگ دیا
جاتا تو شاید اس سے کم آزار اور کسی محصول سے نہ پہنچتا۔

اون کی برآمد کی خلاف ورزی کے لئے طرح طرح کی
سزائیں مقرر و معین تھیں مگر پھر بھی اس کی بر آمد نہ رک
سکی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اون نہایت کثرت سے برآمد کی
جاتی ہے۔ جب بازار وطن اور غیر ملکی بازار کی قیمتوں میں
تفاوت زیادہ ہوتا ہے تو چور تجارت کے لئے عمدہ موقع ہوتا
ہے اور آئین و قوانین کی سختیاں اس کا انسداد نہیں کر
سکتیں اس غیر قانونی برآمد سے صرف چور تاجران کو فائدہ
پہنچتا ہے اور کسی شخص کو نہیں پہنچتا قانونی طور پر جو چیز

باہر بھیجی جاتی ہے اس پر محصول لگایا جاتا ہے۔ اس پر تاجدار وقت کے محاصل و مداخل کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور محصولات عائد نہیں کئے جاتے اور وہ محصول عائد کئے جاتے تو زیادہ سختی کا باعث ہوتے اور اگر یہ محصولات عائد کر دئے جاتے تو ریاست کے مختلف طبقات کے لئے خطرناک ثابت ہوتے۔

ریہ کی بر آمد پر وہ ہی پابندیاں تھیں جو اون کی بر آمد پر روا رکھی جاتی تھیں۔

عام یہ خیال ہے کہ اونی پارچہ جات کی صنعت و صفائی میں ریہ اور شور مٹی کار آمد ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی بر آمد پر بھی وہی پابندیاں عائد کی گئیں جو اون کی بر آمد پر روا رکھی جاتی تھیں۔ ۱ ایک قسم کی مٹی ہوتی ہے کہ تمباکو پینے کے پائپ بنانے کے کام آتی ہے۔ اس میں اور ریہ میں بہت فرق ہے۔ مگر اس کی بر آمد پر بھی وہی پابندیاں عائد تھیں جو ریہ کی بر آمد پر تھیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس مٹی میں اور ریہ میں مشابہت زیادہ تھی۔ اس مشابہت کی وجہ سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس مٹی کے پردے میں ریہ کی بر آمد نہ ہو سکے۔ اس لئے اس کی بر آمد پر بھی وہی سزائیں تجویز کی گئی تھیں جو ریہ کی بر آمد پر مقرر تھیں۔ ۲

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۱۲ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۲ اور قانون نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸۔

۲ ملاحظہ ہوں قانون نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ مجریہ چارلس دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸۔ پارہ نمبر ۸۔ اس قانون کی تمہید میں لکھا ہے کہ ریہ کی کثیر مقدار دمی بنانے کی مٹی کے رنگ میں روز مرہ بر آمد کی جاتی ہے۔

کچے چمڑوں کی بر آمد بھی ممنوع تھی -

قانون نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۷ کی رو سے کچے چمڑے کی بر آمد ممنوع تھی - اس کے علاوہ پکے چمڑے کی بر آمد کی بھی اجازت نہ تھی - لیکن بوٹ، جوتیاں اور کف پائیاں اس ممانعت سے مستثنیٰ تھیں -۱ اس قانون کی وجہ سے بوٹ سازوں اور جفت سازوں کو ایک گونہ اجارہ داری حاصل ہو گئی تھی جو چرواہوں اور دباغوں دونوں کے مفاد کے خلاف تھی لیکن آئین ما بعد کے نفاذ کے ذریعے دباغوں کو اس اجارہ داری سے رستگاری مل گئی - ان کو ۲ سو پونڈ پکے چمڑے کی بر آمد صرف ایک شلنگ محصول دینا پڑتا تھا اور سو پونڈ تول میں ایک سو بیس پونڈ کے برابر ہوتے تھے ان دباغوں نے اس محصول چنگی کی دو تہائی واپسی کا حق حاصل کر لیا تھا جو پکے چمڑے پر لگایا جاتا تھا، خواہ وہ چمڑا کسی قسم کی مزید صنعت کے بغیر ہی بر آمد کیوں نہ کیا جائے - چمڑے کی

---

۱ اس قانون کی تمہید میں لکھا ہے کہ چمڑے کی بر آمد کی ممانعت کے متعلق اکثر قانون وضع کئے گئے اور اکثر اب تک بھی نافذ ہیں مگر یہ بر آمد کبھی نہ رک سکی اس کی تہ میں بعض لوگوں کی عیاری اور چالاکی اور بعض کی غفلت اور سہل انگاری مضمر ہے - نتیجہ یہ ہے کہ ہر روز چمڑے کی بڑی مقدار باہر بھیجی جاتی ہے - اس سے چمڑے کی قیمت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے یہاں تک کہ اکثر کاریگروں کو اس قدر چمڑا میسر نہیں آتا کہ وہ اپنا کاروبار چلا سکیں اور غریب طبقے کے لوگ چمڑے کی وہ چیزیں نہیں خرید سکتے جو روزانہ زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہیں -

۲ قانون نمبر ۲۰ - مجریہ چارلس دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۵ اور قانون نمبر ۹ - مجریہ ملکہ این قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۶ - پارہ نمبر ۴ کی رو سے -

تمام مصنوعات بلا محصول باہر بھیجی جا سکتی تھیں۱ اور برآمد کرنے والے کو تمام محصول چنگی کی واپسی کا بھی حق حاصل تھا لیکن چرواہے اب تک اس اجارہ داری کے تابع ہیں۔ چرواہے کسی طرح متفق و متحد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ منتشر اور دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اور لوگوں کے خلاف اجارہ‌داری حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اس اجارہ داری سے رستگاری حاصل کر سکتے ہیں جو اور لوگوں۲ نے ان کے خلاف حاصل کر رکھی ہے۔ صناع اور کاریگر بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں۔ یہ آسانی سے متفق و متحد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ بڑی بڑی جماعتوں میں ایک جگہ جمع ہو کر کام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سینگوں کی برآمد۳ بھی ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ اس اعتبار سے کمان گروں، کنگھی گروں اور قرن کاروں کو چرواہے کے خلاف ایک اجارہ داری حاصل ہے حالانکہ یہ پیشے کسی صورت میں بھی قابل اعتنا نہیں ہیں۔

سینگوں کی برآمد بھی ممنوع ہے۔

نیم تیار شدہ مال پر بندشیں عائد کی جاتی ہیں یہ بندشیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک تو اس کی برآمد کو

اونی تاگا بٹی ہوئی اون، کتی ہوئی اون، سفید کپڑے گھڑی کے غلاف وغیرہ۔

۱ قانون نمبر۹ مجریہ ملکہ این - قانون - موضوعہ پارلیمان نمبر۱۱ پارہ نمبر ۳۹ اور قانون نمبر۱۰ - مجریہ ملکہ این - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۶ - پارہ نمبر۶ اور قانون نمبر۱۲ - مجریہ ملکہ این قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۹ - پارہ نمبر۱۴ کی رو سے۔

۲ ملاحظہ ہو دفتر اول کا دسواں باب۔

۳ ملاحظہ ہو قانون نمبر۴ - مجریہ ایڈورڈ چہارم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۸ بہ استثنائے چند شرائط اور قانون نمبر۷ - مجریہ جیمس اول - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۴ - پارہ نمبر ۴ بلا استثنا۔

قطعاً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، دوسرے اس کی برآمد پر محصول لگا دیا جاتا ہے۔ یہ بندشیں عام ہیں۔ چمڑے کی مصنوعات کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں لیکن پوری طرح تیار شدہ سامان پر کسی قسم کی کوئی بندش نہیں ہوتی جب تک کوئی شے نامکمل رہتی ہے۔ ہمارے صناع اور کاریگر یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی تکمیل ہمارا حصہ ہے تا کہ وہ شے فوری استعمال اور صرف کے لائق ہو جائے۔ اونی تاگا، بٹی ہوئی اون اور کتی ہوئی اون سب کی برآمد ممنوع ہے۔ ان کی خلاف ورزی کے لئے وہی سزا مقرر ہے جو اون[1] کی برآمد کے لئے مقرر ہے۔ یہاں تک کہ جب سفید کپڑا باہر بھیجا جاتا ہے تو اس پر بھی محصول لگایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے رنگ ریزوں کو ہمارے پارچہ بافوں کے خلاف اجارہ داری حاصل ہے۔ یہ امر خیز امکان میں تھا کہ ہمارے پارچہ باف اس اجارہ داری کے خلاف اپنے مفاد کا تحفظ کرتے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر پارچہ باف خود بھی رنگ ریز ہیں۔ گھڑیوں اور گھنٹوں کے غلاف، گھڑیوں اور گھنٹوں کے لوحے بھی باہر نہیں بھیجے جا سکتے۔ ان کی برآمد بھی ممنوع ہے[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ساعاتی اور گھڑی ساز اس امر کے لئے رضامند نہیں ہیں کہ اس صناعی کی قیمت میں بیرونی

---

۱ ملاحظہ ہوں قانون نمبر۱۳ اور نمبر۱۴ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۸ اور قانون نمبر۷ اور نمبر۸ - مجریہ ولیم سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۸ اور دفتر چہارم کا آٹھواں باب از کتاب ھذا۔

۲ ملاحظہ ہوں قانون نمبر۹ اور نمبر۱۰ - مجریہ ولیم سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۲۸ - اس کا منشا جعل سازی کا انسداد تھا۔

مقابلے کی وجہ سے اضافہ رونما ہو۔

بعض دھاتیں۔ | ایڈورڈ سوم ، ہنری ہشتم اور ایڈورڈ ششم[1] کے بعض بعض آئین و ضوابط کی رو سے تمام دھاتوں کی برآمد ممنوع تھی - صرف سیسا اور ٹین اس سے مستثنیٰ تھے - غالباً اس استثنیٰ کی وجہ یہ تھی کہ یہ دھاتیں بہ افراط پائی جاتی ھیں اور اس زمانے میں اس ملک کی تجارت کا بیشتر انحصار انھی کی برآمد پر تھا۔ قانون نمبر۵ مجریہ ولیم و میری - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۱۷ - کی رو سے فولاد ، تانبا ، صفائی خیز دھات ، تیار شدہ از فلز برطانوی اس ممانعت سے مستثنیٰ تھے - اس سے مقصد یہ تھا کہ معدنی تجارو دیار کی تائید و حمایت کی جائے - اس کے بعد قانون نمبر۹ اور نمبر۱۰ - مجریہ ولیم سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۶ کی رو سے ہر قسم کی تانبے کی سلاخوں کی برآمد کی اجازت عطا کر دی گئی - خواہ یہ سلاخیں برطانی ہوں یا اور ملکوں میں بنائی گئی ہوں[2] پیتل کی غیر مصنوعہ اقسام کی

---

۱ اس قانون کی تمہید میں قانون نمبر۲۸ - مجریہ ایڈورڈ سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۵ (فولاد) اور قانون نمبر۳۳ - مجریہ ہنری ہشتم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۷ (پیتل - تانبا وغیرہ) اور قانون نمبر۲ اور نمبر۳ مجریہ ایڈورڈ ششم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر۳۷ (بھرت وغیرہ) کا ذکر کیا گیا ہے - جس کا حوالہ سطور مابعد میں متن میں دیا گیا ہے -

۲ یہ قانون معمولی مجموعہ قوانین میں نہیں چھپا ہے - لیکن وہ احکام پکرنگ کی فہرست میں درج ھیں جس کا حوالہ دیا گیا ہے - یہ فہرست زیر لفظ کاپر ملاحظہ ہو - ایک ایکٹ کی تجدید کی گئی ہے جس میں اس ضمن کا از سر نو اعادہ کیا گیا ہے ملاحظہ ہو - قانون نمبر۱۲ - مجریہ ملکہ این - قانون - موضوعہ پارلیمان نمبر۱۸ -

پرآمد اب تک ممنوع ہے ان اقسام کے نام ہیں۔ بھرت۔ توپ دھات۔ (یعنی تانبا۔ ٹین اور جست کی آمیزش) اور تسکیکی دھات ہر قسم کی پیتل کی مصنوعات کی برآمد بلا ادائے محصول ہو سکتی ہے۔

مصنوعات کی اور چیزوں کی برآمد پر کافی محصول عائد کیا جاتا ہے۔

اول تو سامان مصنوعات کی برآمد کی ممانعت ہوتی ہے اور ممانعت نہیں ہوتی تو اکثر و بیشتر حالات میں ان پر بہت کافی محصول عائد کیا جاتا ہے۔

قانون نمبر ۸ مجریہ جارج اول۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۰ کی رو سے تمام سامان کی برآمد کی اجازت بلا محصول ادا کی گئی تھی لیکن شرط یہ تھی کہ سامان یا تو برطانیہ میں پیدا ہوا ہو یا برطانیہ میں بنایا گیا ہو۔ اگر اس سامان پر اب سے قبل کسی قسم کا محصول تھا تو اب اس کی برآمد کو بلا ادائے محصول جائز قرار دیدیا گیا تھا۔ لیکن مندرجہ ذیل اشیاء اس سے مستثنیٰ تھیں۔ پھٹکری، سیسا، سرب خام، ٹین، قلعی پکا چمڑا، توتیا۔ کوئلا، دھنکی ہوئی اون، سفید اونی پارچہ جات چھینٹیں تیار کرنے کے رنگ، ہر قسم کی کھالیں، سریش خرگوش کے بال، خرگوش کی پشم، صوف الارنب، ہر قسم کے بال، مردہ سنگ اور گھوڑے، اگر اس فہرست میں سے گھوڑوں کو مستثنیٰ کر لیا جائے تو باقی تمام چیزوں کا شمار سامان مصنوعات میں ہو جاتا ہے۔ وہ نامکمل مصنوعات کی ذیل میں آجاتی ہیں (ان کی نسبت یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ یہ دیگر اقسام مصنوعات کے لئے سامان خام ہیں) اور اگر یہ بھی نہیں ہیں تو آلات تجارت ہیں۔ اِس آئین کی رو سے ان پر وہ تمام

محصولات برقرار رہتے ہیں جو پہلے سے ان پر عائد تھے - یعنی قدیم امداد زر اور یک فیصدی بیرونیات[1] بھی اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہتی ہیں -

اسی قانون کی رو سے ان غیر ملکی دواؤں کی تعداد کثیر در آمدی محصولات سے مستثنیٰ تھی جو رنگ ریزوں کے لئے مفید اور کارآمد تھیں، لیکن بعد میں ان سب پر کسی نہ کسی طرح کا محصول لگا دیا گیا - اگرچہ برآمد پر یہ محصول کچھ زیادہ نہ تھا[2] معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کے رنگریز اس امر کو اپنے مفاد کے موافق سمجھتے تھے کہ اس قسم کی تمام دوائیں بلا محصول درآمد کی جائیں - یہ رنگریز اس امر کو بھی اپنے مفاد کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ ان کی برآمد پر کسی نہ کسی قسم کی پابندیاں عائد کی جائیں اور جہاں تک ہوسکے اس برآمد کی ہمت شکنی کی جائے - یہ آئین تاجرانہ ذہانت اور طباعی کا قابل لحاظ کارنامہ ہے مگر اس کی تہ میں تاجروں کی حرص و طمع مضمر ہے - لیکن ان لوگوں کو حصول مراد میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی بلکہ اس باب میں ان کو مایوس ہونا پڑا - اس کا نتیجہ یہ نکلا

---

۱ ازروئے قانون نمبر ۱۲ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴ پارہ نمبر ۲ - اور قانون نمبر ۱۴ - مجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۱ پارہ نمبر ۳۵ - یہ یک فیصدی بیرونی محصول ان اشیا پر لگایا جاتا تھا جو ملاکا سے پرے ان بندرگاہوں میں بھیجی جاتی تھیں جو بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہیں - وہ حالت مستثنیٰ تھی کہ جہاز پر سولہ توپیں اور دیگر سامان حرب بار ہو - ملاحظہ ہو برطانی رسومات محصولات - مصنفہ سکسی صفحات ۴۸ اور ۵۱ -

۲ یعنی شرح معینہ کے اعتبار سے یہ محصول چھ پنس فی پونڈ طلائی تھا -

کہ درآمد کرنے والے تاجروں سے محتاط و خبردار ہوگئے جتنے وہ بصورت دیگر نہ ہوتے اور ان کو یہ سبق حاصل ہوگیا کہ ان کو صرف اس قدر سامان درآمد کرنا چاہئے جتنا ملک کے خرچ کے لئے ضروری ہے - اس سے زیادہ درآمد نہ کرنا چاہئے اور اس امر کا ہر وقت احتمال موجود ہوتا ہے کہ بازار وطن میں اس قدر سامان نہ ہو جس قدر ملک کے صرف کے لئے مطلوب ہے اور اشیاء اس سے قدرے گران تر ہوتی ہیں جتنی اس وقت ہوتیں کہ برآمد بلا محصول ہوسکتی جس طرح درآمد ہوسکتی ہے۔

صمغ عربی کی تاریخ اسی کے ساتھ مخصوص ہے - یہی باعث ہے کہ تابع محصول ہے -

صمغ عربی کا شمار ان اشیائے مشخصہ میں ہے جو رنگ ریزوں کی دواؤں میں شامل ہیں - اس آئین کی رو سے یہ شے بلا محصول درآمد ہوسکتی ہے - البتہ ان تمام اشیاء پر ایک گونہ رطلیانی محصول عائد کیا جاسکتا ہے - یہ محصول برآمد کے وقت تین پنس فی ہنڈرڈویٹ کے حساب سے لگایا جاتا ہے - ان ایام میں فرانس کو ان ملکوں کے ساتھ بلا شرکت غیرے تجارت کلی کا حق حاصل تھا ، جن میں دوائیں نہایت افراط سے پیدا ہوتی ہیں - یہ ملک سنیگال کے قرب و جوار میں واقع ہیں - ان ملکوں سے ان دواؤں کو درآمد کرنا اور برطانوی بازاروں میں پہنچانا دقت و دشواری سے خالی نہ تھا - قانون نمبر ۲۵ مجریہ جارج دوم [۱] کی رو سے صمغ عربی یورپ کے ہر حصے سے درآمد کیا جاسکتا تھا (اور یہ امر قانون جہاز رانی کی منشا کے خلاف تھے) لیکن

---

۱ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۲ -

قانون کا منشا یہ نہ تھا کہ اس خاص تجارت کی ہمت افزائی کی جائے، اس لئے اس کی رو سے اس قسم کی درآمد پر دس شلنگ فی ہنڈرڈویٹ محصول عائد کردیا گیا اور یہ قرار دے دیا گیا کہ برآمد کے وقت اس محصول کا کوئی جز واپس نہ کیا جائے، حالانکہ یہ امر انگلستان کے تاجرانہ رویے کے مطابق نہ تھا۔ ۱۷۵۵ء میں ایک جنگ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کو ان ملکوں کے ساتھ بلا شرکت غیرے کلی تجارت کا حق حاصل ہو گیا جن کے ساتھ پہلے[1] یہ حق فرانس کو حاصل تھا۔ لیکن جب اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا تو ہمارے ہاں کے صناعوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور ان دواؤں کے پیدا کرنے والوں اور ان اشیا کے در آمد کاروں کے خلاف ایک گونہ اجارہ داری قائم کرنی چاہی۔ اس لئے قانون نمبر ۵۔ مجریہ جارج سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۷ کی رو سے افریقہ کی تمام نو آبادیات سے صمغ عربی کی بر آمد کو صرف برطانیہ تک محدود کر دیا گیا اور اس پر وہ تمام بندشیں اور قیدیں لگا دی گئیں جو امریکہ اور غرب الہند سے اشیائے مشخصہ کی بر آمد پر عائد تھیں اور خلاف ورزی کے لئے وہی آئین و ضوابط مقرر کئے گئے اور وہی سزائیں تجویز کی گئیں جو برطانیہ کی امریکن اور غرب الہندی نو آبادیات کے لئے تجویز کی گئی تھیں۔ لیکن اس کی درآمد پر چھ پنس فی ہنڈرڈویٹ کے حساب سے محصول لگا دیا گیا اور یہ کچھ زیادہ نہ تھا لیکن اس کی برآمد ثانی پر ایک پونڈ دس شلنگ فی ہنڈرڈویٹ کے حساب سے محصول لگایا گیا اور یہ محصول بہت گراں ہے۔ ہمارے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۵۸ء۔

ھاں کے صناعوں کا منشا یہ تھا کہ ان تمام ملکوں کی خام پیداوار برطانیہ میں چلی آئیں تا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو اپنی مقرر کردہ قیمت پر خرید سکیں اور اس پیداوار کا کوئی جز بھی بر آمد نہ ھونے پائے اور اگر کوئی شخص اس کو دوبارہ بر آمد کرنا چاھے تو اس پر اس قدر بار پڑ جائے کہ اس کی ھمت ٹوٹ جائے۔ لیکن اس موقع پر بھی ان کی حرص و طمع کو ناکامی اور نا مرادی نصیب ھوئی جس طرح اکثر سابقہ موقعوں پر ھوئی تھی۔ اس گراں قدر محصول کا اثر یہ ھؤا کہ لوگوں کے دلوں میں چور تجارت کے ولولے پیدا ھو گئے اور ان اشیا کی کثیر مقداریں خفیہ طور پر بر آمد ھونے لگیں اور یورپ کے تمام کارخانہ دار ملکوں میں پہنچنے لگیں لیکن جس ملک میں یہ اشیا خاص طور پر جاتی تھیں وہ ھالستان تھا مگر یہ چیزیں برطانیہ نہ جاتی تھیں بلکہ افریقہ سے بھیجی جاتی تھیں۔ اس چور تجارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون نمبر ۱۴ مجریہ جارج سوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۰ کی رو سے اس محصول میں تخفیف کر دی گئی اور اس کو گھٹا کر پانچ شلنگ فی ھنڈرڈویٹ کر دیا گیا۔ ۱

سگ آبی کی کھال کی بر آمد پر چھ شلنگ آٹھ پنس محصول لگایا گیا۔

ایام قدیم میں امداد زر کا اطلاق کتاب شروح کے مطابق کیا گیا تھا۔ اس کتاب شروح میں سگ آبی کی کھال کی قیمت پر چھ شلنگ آٹھ پنس فی عدد کی گئی تھی اور ۱۷۲۲ء سے پہلے ان کھالوں کی در آمد پر گونا گوں امدادیں اور کریں مقرر تھیں۔ یہ امدادیں اور کریں شرح

۱ اس کی وضاحت تمہید میں کر دی گئی ہے۔

مقروہ کے پانچویں حصہ تک پہنچتی تھیں۔ بہ الفاظ دیگر بحساب سولہ پنس فی عدد ا مشخص کی جاتی تھیں۔ یہ تمام بر آمد کے وقت قابل واپسی تھیں۔۲ لیکن نصف قدیم امداد زر اس سے مستثنیٰ تھی جو دو پنس تک پہنچتی تھی۔ سامان مصنوعات کی اس قدر اہم و ضروری صنف پر محصول زر نہایت گراں متصور ہوتا تھا۔ ۱۷۲۲ء میں یہ شرح کم کر دی گئی تھی اور اس کو گھٹا کر دو شلنگ چھ پنس کر دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے در آمد کے وقت محصول کم ہو کر چھ پنس رہ جاتا تھا اور بر آمد کے وقت اس میں سے نصف واپس کر دیا جاتا تھا۔۳ اسی کامیاب لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ملک برطانیہ کے زیر اثر ہو گیا جہاں سگ آبی کی افراط تھی اور سگ آبی کی کھالوں کا شمار اشیائے مشخصہ میں تھا اس لئے امریکہ سے ان کھالوں کی بر آمد کو صرف برطانیہ تک محدود کر دیا گیا۔ ہمارے ہاں کے صناعوں یعنی کلاہ سازوں نے ان منافع اور فوائد پر غور کرنا شروع کر دیا جو اس حالت سے ان کو بیچ سکتے تھے۔ اس لئے ۱۷۶۴ء میں سگ آبی کی در آمد پر محصول میں تخفیف کر دی گئی اور اس کو ایک پنس کر دیا

---

۱ یہ واقعات۔ قانون نمبر ۸ مجریہ جارج اول۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۰ - پارہ نمبر ۳ کی تمہید میں بیان کئے گئے ہیں۔ قدیم امداد زر جدید امداد زر ایک تہائی امداد زر اور دو تہائی امداد زر بحساب ایک شلنگ محسوب تھیں اور زائد کر بحساب چار پنس تھی۔

۲ ملاحظہ ہو دفتر چہارم کا چوتھا باب۔

۳ ملاحظہ ہو۔ قانون نمبر ۸ - مجریہ جارج اول - قانون موضوعہ - پارلیمان نمبر ۱۰ نوٹ - ۱۷۲۱ء ہونا چاہئے۔

گیا۔۱ لیکن محصول بر آمد میں اضافہ کر دیا گیا اور اس کو
سات پنس فی عدد تک پہنچا دیا گیا یہاں تک دوبارہ بر آمد
پر یہ محصول قابل واپسی بھی نہ تھا۔ اسی قانون کی رو سے
سگ آبی کی سمور کی بر آمد پر اٹھارہ پنس فی پونڈ کے حساب
سے محصول لگا دیا گیا تھا۔ اس شے کی در آمد پر اس محصول
سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ یہ محصول در آمد
اس وقت چار پانچ پنس فی عدد تک فائز ہوتا تھا۔ اگر برطانیہ
میں برطانی جہازوں کے ذریعے یہ سمور در آمد کی جاتی تھی۔

کوئلے پر محصول پانچ شلنگ فی ٹن تھا۔

کوئلے کو دو حیثیتیں حاصل ہیں۔
یہ سامان مصنوعات میں بھی شامل
ہے اور آلۂ تجارت بھی گنا جاتا ہے۔
یہی باعث ہے کہ اس شے کی بر آمد پر گرانقدر محصول عائد
کیا جاتا ہے۔ دور حاضر میں یعنی ۱۷۸۳ء میں یہ محصولات
پانچ شلنگ فی ٹن تک پہنچتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ایک چال ڈراں
یعنی ۲۹ من پر پندرہ شلنگ سے زیادہ دینے پڑ جاتے
تھے۔ یہ نیو کاسل کا ایک پیمانہ ہے۔ اکثر اور بیشتر حالات
میں یہ محصول کوئلے کی اصلی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے جو
کوئلے کی کان میں مشخص کی جاتی ہے بلکہ اس قیمت سے
بھی زیادہ ہوتا ہے جو بر آمد کے وقت اس بندرگاہ میں رائج
ہوتی ہے، جہاں سے یہ کوئلہ بر آمد کے لئے پار کیا جاتا ہے۔

آلات تجارت کی برآمد عموماً ممنوع ہوتی ہے۔

لیکن ان اشیا کی بر آمد عام طور پر
ممنوع ہوتی ہے جن کو خاص آلات

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۴ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان
نمبر ۹ -

تجارت کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے مگر اس کے حصول کے لئے محصول نہیں لگایا جاتا بلکہ اس کو یک قلم بند کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً قانون نمبر ۷ اور نمبر ۸۔ مجریہ ولیم ثالث۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۰۔ دفعہ نمبر ۸ کی رو سے دستانے اور موزے بننے کی کلوں اور ان کے قالبوں کی بر آمد ممنوع تھی۔ اس کی خلاف ورزی کی پاداش میں وہ کلیں اور قالب قابل ضبطی قرار پاتے تھے۔ جو بر آمد کئے جاتے تھے یا جن کے بر آمد کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ قانون شکنی کرنے والے پر چالیس پونڈ جرمانہ بھی کیا جاتا تھا۔ اس میں سے نصف حصہ خزانۂ شاہی میں داخل کیا جاتا تھا۔ نصف مقدمہ چلانے والے کو دیا جاتا تھا۔ اسی طریقے سے قانون نمبر ۱۴۔ مجریہ جارج سوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۷ کی رو سے ان غیر ملکی ظروف کے اجزا کی بر آمد ممنوع ہے جو سوتی، اونی اور ریشمی پارچہ جات کی صنعت میں مستعمل ہیں اور جو شخص خلاف ورزی کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے آپ کو ان ظروف کی ضبطی کا مستوجب قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو دو سو پونڈ جرمانے کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اس جہاز کے مالک کو بھی دو سو پونڈ جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہے جو دانستہ ان ظروف کو اپنے جہاز پر بار کرنے دیتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی جرم عظیم ہے کہ کسی نمونہ ساز کاریگر کو اغوا کر کے باہر لے جایا جائے۔

جب مردہ قسم کے آلات تجارت کی برآمد پر اس قدر سخت سزائیں مقرر تھیں تو نمونہ ساز کاریگر تو زندہ آلات تجارت میں شامل ہیں ان کی برآمد پر تو

کیا کچھ سخت سزائیں مقرر نہ ہوں گی۔ قانون نمبر ۵ مجریہ جارج اول قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۷ کی رو سے اس شخص پر جرم اول کی پاداش میں سو پونڈ تک جرمانہ ہو سکتا ھے ۔ اسکے علاوہ تا ادائے جرمانہ اسکو تین مہینے قید کی سزا بھی دی جائیگی جو کسی نمونہ ساز کاریگر کو باھر جانے کی ترغیب دیگا یا برطانوی صناعوں اور کاریگروں کو غیر ملکوں میں جانے اور کاروبار کرنے پر آمادہ کریگا یا غیر ملکی لوگوں کو اپنی صنعت کے گر سکھانے کا مرتکب ہوگا اور جرم ثانی کی پاداش میں اس پر اس قدر جرمانہ کیا جا سکتا ھے جسقدر عدالت کی رائے میں مناسب ہو ۔ اس کے علاوہ اس کو تاادائے جرمانہ ایک سال قید کی سزا بھی دی جا سکتی ھے ۔ قانون نمبر ۲۳ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳ کی رو سے اس سزا میں اضافہ کر دیا گیا اور نمونہ ساز کاریگر کے اغوا کے لئے جرم اول کی پاداش میں اس کو پانسو پونڈ جرمانہ اورتا ادائے جرمانہ ایک سال کی قید تک بڑھا دیا گیا اور جرم ثانی کے لئے ایک ہزار پونڈ جرمانہ اور دو سال کی قید تک فائز کر دیا گیا ۔

ان میں سے آئین اول کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص کسی نمونہ ساز کاریگر کو ورغلاتا ھے تو اس کاریگر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس قدر ضمانت دے جس قدر عدالت طلب کرے تاکہ یہ کاریگر سمندر پار نہ جا سکے اور جب تک ضمانت نہ دے سکے اس وقت تک قید خانے میں رکھا جائے اور اگر کوئی نمونہ ساز کاریگر کسی سے کسی غیر ملک میں جانے کا وعدہ

یا معاهدہ کرے تو بھی اسی سزا کا مستوجب قرار پائیگا۔

اور جو نمونہ ساز کاریگر بیرونی ملکوں میں کاروبار کرتے ہیں یا اپنی صنعت کے گر سکھاتے ہیں واپس آئیں ۔

اگر کوئی نمونہ ساز کاریگر سمندر پار چلا گیا ہے اور وہاں اپنا کاروبار کر رہا ہے یا اپنی صنعت کے گر اوروں کو سکھا رہا ہے تو وزیروں اور سفیروں کو چاہئے کہ اس کو متنبہ کر دیں کہ وہ اس انتباہ کے بعد چھ مہینے کے اندر اندر اپنے وطن میں واپس آ جائے اور اپنے ملک میں مستقل سکونت اختیار کر لے ۔ اگر وہ اس حکم کے بجا لانے سے قاصر رہے گا تو اسکو کسی جائیداد متروکہ کی وصولیابی کا حق حاصل نہ رہیگا، جو وطن میں کوئی شخص مرتے وقت اس کے نام لکھ گیا ہو اور نہ خود کوئی وصیت کر سکے گا نہ کسی کی وصیت پر عمل در آمد کر سکے گا اور اس ملک میں کوئی زمین نہ خرید سکے گا نہ ترکے میں پاسکے گا ۔ اس کے علاوہ اس کی تمام اراضیات و املاک اور اس کے مال و مواشی بحق تاجدار ضبط کر لئے جائینگے اور ہر اعتبار سے اس کو غیر ملکی سمجھا جائیگا اور قانون نمبر ۵ مجریہ جارج اول ۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۷ کی رو سے اس کو حمایت سلطانی سے خارج کر دیا جائیگا۔

میرے نزدیک اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ یہ اور اسی قبیل کے دیگر آئین و ضوابط آزادی رعایا کے سرتا سر خلاف نہیں جس پر ہم اپنے فخرو مباہات کی بنیادیں قائم کرتے ہیں اور جس کی حمایت و حفاظت کے متعلق بڑھ بڑھ کر دعوے کرتے ہیں حالانکہ یہی آزادی رعایا ہے کہ صناعوں اور تاجروں

کے ذرا سے فائدے کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادی گئی ہے۔

ان آئین و ضوابط کا منشا یہ ہے کہ ہمسایہ ملکوں کی مصنوعات کو مغلوب رکھا جائے۔

ان آئین و ضوابط کا منشا نیک اور مقصد محمود ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی مصنوعات کو ترقی دی جائے مگر اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی صنعت کو بہتر نہ بنایا جائے بلکہ اپنے ہمسایہ ملکوں کی صنعت کو فروتر کردیا جائے۔ ہمارے حریف اور مد مقابل لوگ نفرت خیز اور حقارت انگیز ہیں۔ ان کا مقابلہ ہمارے لئے سوہان روح ہے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے اس مکروہ مقابلے کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ہمارے ہاں کے کارخانہ دار لوگ اس استدلال کو نہایت مدلل اور معقول سمجھتے ہیں اور اپنے ہم وطن لوگوں کی طباعی اور ذہانت کے اجارہ دار بنتے ہیں اور اس میں اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتے ہیں۔ بعض پیشوں میں یہ لوگ کار آموز شاگردوں کی تعداد کو کم کرتے ہیں اور بعض پیشوں میں زمانۂ شاگردی کی میعاد میں توسیع کرتے ہیں۔ اس سے مقصود بالذات یہ امر ہے کہ ان پیشوں کے متعلق معلومات کو قلیل ترین تعداد کے اندر اندر محدود رکھا جائے اس لئے طبعاً ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس محدود جماعت کا ایک فیصدی بھی باہر نہ جانے پائے اس لئے کہ اس امر کا امکان ہر وقت موجود ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر ملک میں جائے اور غیروں کو کام سکھانے لگے۔

نظام تجارت لغوولا یعنی ہے۔ اس کے نزدیک صنعت اور تجارت سے جوشے مقصود بالذات ہے وہ پیداوار ہے صرف نہیں ہے۔

جو شے پیدا کی جاتی ہے اس کا اصلی مدعا اور حقیقی مقصد صرف ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ پیدا کرنے والے لوگوں کے مفاد کا احترام صرف اس حد تک کیا جائے جس حد تک اس سے صارف کا مفاد وابستہ ہے اس سے زیادہ نہ کیا جائے۔ یہ مقولہ اسی قدر بدیہی ہے کہ اس کے ثابت کرنے کی کوشش عبث اور بیکار ہے۔ لیکن نظام تجارت صارفوں کے حقوق و مفاد کو صناعوں اور تاجروں کے مفاد پر ہمیشہ قربان کیا جاتا ہے۔ اس لغوولا یعنی نظام کے نزدیک صنعت و تجارت کی غرض و غایت پیداوار ہے۔ صرف نہیں ہے۔

ان غیر ملکی اشیاء کی در آمد پر پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں جن کی طرف سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ملک کی ساختہ یا پیدا کردہ چیزوں سے مقابلہ کرسکیں گی۔ یہ اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ صارفان وطن کے مفاد کو صناعوں کے مفاد پر قربان کردیا جاتا ہے۔ محض صناعوں کے فائدے کو برقرار رکھنے کے لئے صارفوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کی قیمت زیادہ سے زیادہ ادا کریں اس لئے کہ اجارہ‌داری سے ہمیشہ گرانی پیدا ہوتی ہے۔

ان اشیا کی برآمد پر بند شیں جن سے مقابلے کا اندیشہ ہوتا ہے اس امر کی مرادف ہیں کہ صناعوں کے مفاد پر صارفوں کے مفاد کو قربان کیا جاتا۔

صناعوں کو اکثر مصنوعات کی برآمد کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ اس سے مقصود بالذات صرف یہ ہوتا ہے کہ صناعوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ صارفان وطن کو مجبور کیا جاتا ہے کہ

وہ محصول ادا کریں جو مالی امداد کے دینے کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ اس گرانی کو گوارا کیا جائے جو افزائش قیمت کی وجہ سے بازار وطن میں پیدا ہو جاتی ہے - یہی افزائش قیمت کی صورت میں جو محصول ادا کرنا پڑتا ہے، وہ اس محصول سے جو زر امداد کی صورت میں دینا پڑتا ہے، کہیں زیادہ ہوتا ہے - معاہدہ میتھوئین ایک مشہور تجارتی معاہدہ تھا ۱ جو برطانیہ اور پرتگال کے درمیان ہوا تھا - اس معاہدے کی رو سے قرب وجوار کے ملکوں کی پیدا کردہ اشیاء پر گرانقدر محصولات عائد کردئے گئے تھے - حالانکہ یہ اشیاء ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوسکتی تھیں، اس لئے کہ آب وہوا مانع تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ صارف گردو نواح کے ملکوں سے اشیاء خریدنے سے محروم اور دور دراز ملکوں سے خریدنے پر مجبور ہوگئے - اگرچہ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ دور افتادہ ملکوں کی ساختہ اشیاء قرب و جوار کے ملکوں کی چند اشیاء کی نسبت ادنیٰ اور فروتر تھیں - صارفان وطن کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ان تمام صعوبات کو برداشت کریں تاکہ صناع اپنی مصنوعات کو دور دراز علاقوں میں اس سے زیادہ نفع بخش شرائط پر درآمد کر سکیں جس پر وہ بطریق دیگر درآمد کر سکتا تھا اور صارف مجبور تھے کہ قیمت میں جس قدر اضافہ ہو اس کو برداشت کریں اور اس جبری برآمد سے بازار وطن میں اشیاء کی جو قیمت مقرر ہو جائے اس کو ادا کریں -

اور اسی طرح برآمد پر مالی امداد اور معاہدہ میتھوئین کی شرائط۔

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر چہارم کا چھٹا باب

لیکن جو حالت سب سے زیادہ خلاف معقولیت ہے وہ امریکن اور غرب الہندی نوآبادیات کا نظم و نسق ہے۔

لیکن امریکن اور غرب الہندی نوآبادیات کے نظم و نسق کے لئے ایک نظام قانون قائم کیا گیا ہے۔ اس نظام قانون میں صارفان وطن کے حقوق و مفاد کو صناعوں اور پیدا کرنے والوں کے حقوق و مفاد پر قربان کردیا گیا ہے۔ اگرچہ ہمارے تمام تجارتی آئین و ضوابط میں یہ خاصیت نمایاں طور پر موجود ہے مگر اس باب میں جو غیر معقول افراط اس نظام قانون میں جلوہ گر ہے وہ اور کسی میں نہیں ہے۔ ایک عظیم الشان اور گرانقدر سلطنت محض اس لئے قائم کی گئی ہے کہ خریداروں کی ایک قوم پیدا کی جائے اور اس قوم کے افراد کو مجبور کیا جائے کہ وہ ہمارے صناعوں اور پیدا کرنے والے لوگوں کی دکانوں سے وہ سودا خریدیں جو وہ بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اجارہ داری کے طفیل ہمارے ہاں کے صناع اور جنس آفرین لوگ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ اشیاء کی قیمت میں قدرے اضافہ کر سکیں۔ اس ذرا سے اضافے کی غرض سے صارفان وطن پر اس وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا رکھ رکھاؤ اور اسکے دفاع و تحفظ کا تمام بار ڈال دیا جاتا ہے۔ گزشتہ دو خونریز اور ہولناک جنگوں میں دو سو ملین پونڈ سے زیادہ صرف ہوئے۔ ان کی تہ میں بھی یہ غرض مضمر تھی۔ اس میں اور کوئی راز پوشیدہ نہ تھا جو اسی غرض کے حصول کے لئے سابقہ جنگوں کا ارتکاب کیا گیا تھا جن پر خطیر رقمیں صرف ہوئی تھیں۔ ان رقوم کی ادائیگی کے لئے ایک سو ستر ملین پونڈ از سر نو قرض لینے پڑے تھے۔ ان رقوم کا سود اس قدر زیادہ ہے کہ تمام غیر معمولی فائدے اس سے

عہدہ برا ہونے سے قاصر ہیں یہانتک کہ تجارت کی تمام مالیت بھی دیدی جائے تو بھی ادائے سود کے لئے کافی نہیں ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس تمام مال کی قیمت اس سود کے ادا کرنے سے قاصر ہے جو ہر سال نو آبادیات سے بر آمد کیا جاتا ہے۔

اس تاجرانہ نظام کو جن لوگوں نے وضع کیا ہے وہ جنس مال پیدا کرنے والے اور بالخصوص تاجر اور صناع ہیں۔

اس امر کا تعین و تشخص کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ اس نظام تاجرانہ کے واضع کون لوگ ہیں لیکن یقین ہے کہ یہ لوگ صارف نہیں ہیں اس لئے صارفوں کے حقوق اور مفاد کو تو ہمیشہ پس پشت ڈالدیا جاتا ہے۔ اس نظام کے بانی مبانی جنس آفرین ہیں اس لئے کہ انہی کے حقوق و مفاد کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اسی زمرے میں صناع و تاجر بھی شامل ہیں۔ اس باب میں آئین و ضوابط تجارت کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ ان صناعوں اور تاجروں کے حقوق و مفاد کی حفاظت و نگہداشت میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور صارفوں کے حقوق و مفاد کی طرف سے بالکل چشم پوشی کر لی گئی ہے اور جنس آفرین لوگوں کے اور طبقات کے حقوق و مفاد کو صناعوں اور تاجروں کے حقوق و مراعات کی قربان گاہ پر بھینٹ[1] چڑھا دیا گیا ہے۔

---

[1] یہ باب سب سے پہلے ایزادات و تصحیحات طبع سوم میں درج کیا گیا تھا اس باب کی تصنیف کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ آدم اسمتھ ۱۷۷۸ء میں محصولات کا کمشنر مقرر ہو گیا تھا (ملاحظہ ہو۔ سوانح آدم اسمتھ۔ مصنفہ اے۔ صفحہ ۳۲۰) اسکے کتب خانے میں شروح سوداگری۔ مطبوعہ ۱۷۸۲ء مصنفہ سمس و آر۔ فری ون موجود تھی۔ ملاحظہ ہو فہرست بونار صفحہ ۲۷) اور غالباً اس کی رسائی تصنیفات تک بھی تھی جو اس سے پہلے شائع ہو چکی تھیں۔ مثلاً ''محصولات برطانیہ''۔ مطبوعہ ۱۷۵۷ مصنفہ سیکس بی۔ اس میں وہ شروح محصولات درج ہیں جو ازمنہ ماسبق میں رائج تھیں اس کے علاوہ اس تصنیف میں ان پارلیمانی آئین و ضوابط کے حوالے بھی موجود ہیں۔ جن کی رو سے یہ محصولات عائد کئے جاتے ہیں۔

باب نہم

نظام زراعت

یہ نظام علم المعیشت کا وہ جزو ہے جس میں پیداوار اراضی سے بحث کی جاتی ہے - یہ نظام ہر ملک کے محاصل کا جزو اعظم ہوتا ہے اور بعض بعض ملکوں کے مداخل کا ذریعہ تو صرف یہی نظام زراعت ہوتا ہے -

نظام زراعت کے لئے اس کی یادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے جتنی نظام تجارت کے لئے -

نظام زراعت علم المعیشت کا ایک جزو ہے - میرے نزدیک اس کے مالہ، اور ما علیہ سے بحث کرتے وقت اتنی زیادہ توضیح و تشریح کی ضرورت پیش نہیں آتی جتنی نظام تجارت یا دستور سوداگری کے باب میں پیش آتی ہے -

جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسا نظام زراعت کسی ملک میں رائج نہیں ہے جس میں زمین کی پیداوار سے اس حقیقت سے بحث کی جائے کہ وہ ہر ملک کی آمدنی اور اس ملک کی دولت کا واحد ذریعہ ہے اور حاضر میں یہ نظام محض چند افراد کی تخمین میں موجود ہے جو فرانس میں تعلیم یافتہ اور طباع اور ذہین ہیں۔[1]

یہ نظام سہو و خطا سے معمور ہے لیکن اس کی لغزشوں اور

---

[1] قوزنے- میرابو اور مرسر کی معاشیات و فطرائینات کا ذکر دفتر چہارم کے نویں باب میں آئیگا -

فروگزاشتوں سے چار دانگ عالم میں کسی ملک کو کسی قسم کا آزار نہیں پہنچا ہے اور گمان غالب یہی ہے کہ آئندہ بھی نہ پہنچے گا۔ اس لئے یہ لغزشیں اور فروگزاشتیں اس لائق نہیں ہیں کہ ان کا معائنہ امعان نظر سے کیا جائے اور شرح و بسط سے ان کا جائزہ لیا جائے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نظام طباعی اور ذہانت پر مبنی ہے لہذا اس نظام کی توضیح و تشریح میں اس قدر موشگافی سے کام لیا جائے گا جس قدر حیز امکان میں ہے۔

کولبرٹ نے نظام تجارت کو رواج دیا اور اور شہروں و قصبوں کی صنعت و حرفت کو فروغ بخشا۔

مسٹر کولبرٹ لوئی چہارم کا وزیر تھا۔ یہ مشہور و معروف وزیر نہایت سنجیدہ اور محنتی شخص تھا اس کو ہر شے کی جزیات اور تفصیلات پر عبور حاصل تھا۔ اس کا تجربہ وسیع تھا۔ اس کی نظر عمیق تھی۔ حسابات عامہ کی جانچ پرتال میں اس کو خاص بصیرت تھی۔ الغرض یہ شخص ہر اعتبار سے لائق اور ہر لحاظ سے قابل تھا۔ اس نے محاصل عامہ کی جمع خرچ کے لئے اچھے طریقے اور عمدہ قاعدے رائج کئے اور ان کی رواج دہی کے لئے یہ شخص نہایت موزوں اور مناسب تھا۔ لیکن اس وزیر نے بد نصیبی سے نظام تجارت کے تمام تعصبات کو قبول کر لیا ہے اس لئے کہ اپنی نوعیت و اصلیت کے اعتبار سے یہ نظام آئین و تنظیم کا دلدادہ اور حدود وقیود کا قائل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام اس وزیر کے مزاج کے مطابق تھا اس لئے کہ یہ کاروباری محنت کا عادی اور مشقت کا خوگر تھا۔ اس کو دفاتر عامہ کے مختلف شعبوں میں ایک گونہ

تنظیم و ترتیب پیدا کرنی پڑتی تھی اور ہر شعبے کو اس کی مناسب حدود و قیود میں محصور رکھنا پڑتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کو خاص خاص بندشیں اور رکاوٹیں رائج کرنی پڑتی تھیں۔ یہی باعث ہے کہ یہ چیزیں اس کی طبیعت پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکیں جس طرح اس ذکی اور ذہین شخص نے تمام دفاتر عامہ کو ایک خاص ڈگر پر لا ڈالا تھا۔ اس طرح اس کی کوشش تھی کہ ایک وسیع اور بڑے ملک کی صنعت و تجارت کو بھی ایک ضابطے میں منضبط کر دے۔ عدل و انصاف اور حریت اور مساوات کا اصول وسیع نظری اور فراخ دلی پر مبنی ہے۔ اس کی رو سے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے خاص انداز سے اپنے منافع و مفاد کا خیال رکھے اور دوسرے کے منافع و مفاد کی کچھ پروا نہ کرے۔ اس وزیر نے اس اصول سے اختلاف کیا۔ اس نے صنعت کی بعض بعض شاخوں کو بے حد نوازا اور اس کو گوناگوں مفاد و مراعات سے بہرہ ور فرمایا، اس کے بر خلاف بعض بعض صناعات کو غیر معمولی بندشوں اور رکاوٹوں سے زیر بار کیا۔ اس دور میں یورپ کے وزیروں کا میلان اس طرف تھا کہ شہروں اور قصبوں کی صنعتوں کی حوصلہ افزائی فرمائی جائے۔ اس کا رجحان طبع بھی اسی طرف تھا اس کے علاوہ شہروں اور قصبوں کی صناعات کی حمایت و تائید میں یہ شخص یہاں تک غلو کرتا تھا کہ اس کو دیہات کی صناعات کو دبانے اور ان کو پس ماندہ رکھنے میں بھی کچھ دریغ نہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ شہروں اور قصبوں کے باشندوں کے لئے سامان خور و نوش ارزاں رہے تا کہ شہری مصنوعات اور غیر ملکی

تجارت کو فروغ حاصل ہو۔اس نے اناج کی بر آمد کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا اور اس ترکیب سے اس نے اہل دیہات کو غیر ملکی بازاروں کی برکات سے محروم کر دیا اس لئے کہ یہ لوگ اپنی پیداوار کا اکثر اور بیشتر حصہ صرف بازار وطن میں بیچنے پر مجبور تھے۔اس ممانعت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیہات کی صنعت کے حوصلے پست ہو گئے اور فرانس کی زراعت و کشتکاری اس حد سے بہت پیچھے رہ گئی، جس حد تک اس کو قدرتی طور پر بلند ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ فرانس کی زمین سیرحاصل اور آب و ہوا خوشگوار ہے۔اس کے علاوہ کچھ اور بندشیں بھی تھیں کہ فرانس کے قدیم قانون کے لحاظ سے اناج کی بر آمد پر عائد تھیں۔ان کی رو سے غلہ ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں بھی نہیں بھیجا جا سکتا تھا مزید بر آں کچھ جابرانہ اور تحقیر آمیز محصول تھے کہ ہر صوبے میں کسانوں اور کاشتکاروں پر لگائے گئے تھے۔یہ محصول اس بندش اور ممانعت پر مستزاد تھے جو زراعت کی ہمت شکنی کے لئے عائد کی گئی تھی۔اس حوصلہ شکنی اور زبوں کاری کے اثرات قریب قریب ملک کے ہر حصے میں نمایاں تھے اور کم و بیش ہر صوبے ان کو محسوس کرتا تھا۔ اس بے چینی کے علل و اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے تحقیقاتی انجمنیں قائم کی گئیں۔انہی علل و اسباب میں ایک سبب یہ تھا۔بیان کیا گیا تھا کہ مسٹر کولبرٹ نے شہروں اور قصبوں کی صناعات کو دیہات و قریات کی صناعات پر ترجیح دی تھی۔

نتیجه یه نکلا کہ فرانس کے فلسفی نظام تجارت کی حمایت و تائید کرتے ھیں ان کے نزدیک شہروں اور قصبوں کی مصنوعات سبک مایہ اور کم قدر ھیں -

کسی آھنی سلاخ کو سیدھا کرنے کے لئے لازم ھے کہ اس کو دونوں طرف سے برابر جھکائیں یعنی اس کو جس قدر ایک طرف جھکاتے ھیں اسی قدر دوسری طرف بھی جھکانا چاھئے - سر زمین فرانس میں کچھ فلسفی ایسے بھی گزرے ھیں جن کے نزدیک زراعت و کشتکاری ھر ملک کی آمدنی اور دولت کا واحد ذریعہ ھے - انھی فلسفیوں کا یہ مقولہ ھے کہ آھنی سلاخ کو دونوں طرف سے برابر جھکانا چاھئے جس طرح مسٹر کولبرٹ کے نظام میں شہروں اور قصبوں کی صناعات کی جائز پاس داری کی گئی ھے اسی طرح اس کے بر عکس ان فلسفیوں کے نظام میں دیہات و قریات کی صناعات کے مقابلے میں اس کی قدر شکنی کی گئی ھے -

ان فلسفیوں کے نظام میں تین طبقے ھیں -

ھر ملک میں معاشرۂ انسانی کے کچھ لوگ ھوتے ھیں کہ کسی نہ کسی حیثیت سے اپنی ملک کی سالانہ محنت اور زمین کی پیداوار میں اضافہ کرتے ھیں - یہ لوگ تین طبقات میں منقسم ھوتے ھیں -

(۱) مالکان اراضی (۲) مزارعان اراضی (۳) صناع - کاریگر اور تاجر -

ان میں سب سے اول مالکان اراضی کا طبقہ ھوتا ھے - دوسرا طبقہ زراعت کاروں، کاشتکاروں اور دیہاتی اجیروں کا ھوتا ھے - اس طبقے کا خطاب ھے ' بار آور طبقہ ' یہ خطاب نہایت شاندار اور احترام خیز ھے - تیسرا طبقہ کاریگروں، صناعوں اور تاجروں کا طبقہ ھے - اس طبقے کو یہ فلسفی غیر بارآور طبقہ کہتے ھیں اور اس طرح ان کی

عظمت و بزرگی کو گھٹانے کی کوشش کرتے ھیں - ۱ مالکان

مالکان اراضی اصلاح و ترمیم اراضی پر رقوم صرف کرتے اور اراضی کی پیداوار میں اضافہ کرتے ھیں -

اراضی وقتاً فوقتاً اراضی کی اصلاح و ترقی کے امور پر کچھ خرچ کرتے ھیں - کبھی کوئی عمارت بناتے؛ نالیاں نکالتے اور احاطہ کھینچ دیتے ھیں - کبھی بہتری اور بھلائی کی کوئی اور صورت نکالتے ھیں اور اس طرح اراضی کی سالانہ پیداوار میں اضافہ کرتے ھیں - مالکان اراضی اپنی ساختہ چیزوں کا رکھ رکھاؤ بھی کرتے ھیں - اس سے کسان اور کاشتکار اس قابل ھو جاتے ھیں کہ زمین سے زیادہ فصل پیدا کریں اس لئے کہ اتنے ھی خرچ سے کاشتکار غیر اصلاح یافتہ اراضی سے اتنی فصل پیدا نہیں کرسکتے لیکن اس اصلاح و ترقی کی وجہ سے ان کو لگان بھی زیادہ دینا پڑتا ھے - لگان کا یہ اضافہ سود گنا جاتا ھے یا وہ منافعہ خیال کیا جاتا ھے جو مالکان اراضی کو اس راس المال پر یا اس خرچ پر حاصل

---

۱ لیکن دفتر چہارم کے نویں باب میں صناعوں اور تاجروں کے طبقے کو طبقہ عظیم سے تعبیر کیا گیا ھے - آدم اسمتھ نے مسئلہ فطر آئینی کی توضیح بھی کی ھے مگر معلوم ھوتا ھے کہ اس توضیح میں کسی خاص کتاب کی پیروی نہیں کی ھے - اس کے کتب خانے میں ڈیوپانٹ کی کتاب فطر آئین بھی موجود تھی جس میں حکومت کے فطری آئین وضوابط سے بحث کی گئی ھے - یہ کتاب ۱۷۶۸ء میں طبع کی گئی تھی (ملاحظہ ھو فہرست بونار صفحہ ۹۲) اس سے ذرا آگے چل کر ''لاریور'' کی کتاب ''فطری ترتیب و تنظیم و سیاست معاشرہ'' کا بھی حوالہ دیا گیا ھے - یہ کتاب ۱۷۶۷ء میں طبع ھوئی تھی - لیکن گمان غالب یہ ھے کہ اس باب میں انھوں نے اپنے حافظے پر اعتماد کیا ھے اور ان گفتگوؤں کو ذھن میں دھرایا ھے جو پیرس میں سنی تھیں ملاحظہ ھو سوانح آدم اسمتھ - اے صفحات ۲۱۵ تا ۲۲۲ -

ہوتا ہے جو وہ اصلاح و ترمیم اراضی پر صرف کرتا ہے۔ اس قبیل کے اخراجات کو اس نظام میں اخراجات زمینی کہتے ہیں۔

کاشتکار اور کسان زراعت کے ابتدائی اخراجات برداشت کرتے ہیں اس کے علاوہ سالانہ خرچ بھی اٹھاتے ہیں۔

کاشت کار اور زراعت کار لوگ ابتدائی اخراجات اور سالانہ مصارف برداشت کرتے ہیں اور اس طریقے سے زمین کی سالانہ پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں۔ مصارف ابتدائیہ وہ اخراجات ہیں جو آلات کشاورزی، ذخائر مواشی، مصارف تخم ریزی اور اخراجات خانہ داری پر لاحق ہوتے ہیں اس لئے کہ دوران دخیل کاری میں کاشتکار کو کم سے کم ایک سال تک مویشیوں اور ملازموں کے اخراجات کا کفیل ہونا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اس وقت تک ہونا پڑتا ہے جب تک زمین سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سالانہ اخراجات میں تخم ریزی کا خرچ، آلات کشاورزی کی شکست و ریز اور ان کی مرمت و درستی کا خرچ زراعت کار کے ملازموں اور مویشیوں کا سالانہ خرچ اور اس کے اہل و عیال کے رکھ رکھاؤ کا خرچ شامل ہے۔ کبھی کبھی ارکان خاندان کا شمار بھی ملازمان اراضی میں ہوتا ہے اس لئے کہ وہ بھی کمپنی بازی کے کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ پیداوار اراضی کا وہ جزو جو ادائے لگان کے بعد باقی رہتا ہے اتنا ہونا چاہئے کہ دوران دخیل کاری میں ایک معقول مدت کے اندر اندر اس کے تمام اخراجات کی بازیابی کر سکے اور اس پر جو سرمایہ لگا ہے اس کا معمولی منافعہ بھی بہم پہنچا سکے۔ اس کے علاوہ تمام سالانہ مصارف کی بازیابی بھی کرسکے اور اس کے سرمائے پر بھی معمولی منافعہ بہم پہنچانے میں کامیاب ہوجائے۔ یہ دو قسم کے اخراجات دو طرح کے

راس المال میں جو زراعت کار کشتکاری میں لگاتا ہے اور اگر یہ رقوم
مناسب منافعہ سمیت زراعت کار کے پاس باقاعدہ طور پر واپس
نہیں آتیں تو یہ شخص اس کاروبار کو جاری نہیں رکھ سکتا
یا کم از کم اس سطح پر نہیں رکھ سکتا جس پر اور کاروبار
رکھے جاتے ہیں۔ بلکہ اس کا فائدہ اس میں مضمر ہوتا ہے کہ
وہ اس کاروبار سے اس قدر جلد نجات حاصل کرے جس قدر جلد
کر سکتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور کاروبار تلاش کرے۔
پیداوار اراضی کا ایک جزو ہوتا ہے کہ جس کے بغیر زراعت
کار اپنا کاروبار جلد نہیں کرسکتا۔ یہ جزو زراعت و کشتکاری کے
نقطۂ نظر سے ایک مقدس ذخیرہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی
زمیندار اس کی خلاف ورزی کرتا یا اس میں دست اندازی کرتا
ہے تو وہ خود اپنی اراضی کی پیداوار میں کمی پیدا کرتا ہے۔
اور اگر یہ زمیندار چند سال تک اپنی دست اندازی پر قائم
رہتا ہے تو زراعت کار کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ یہ
تباہ کن لگان ادا کر سکے بلکہ اس کے برعکس وہ اس قابل
بھی نہیں رہتا کہ وہ مناسب لگان بھی ادا کرسکے جو بصورت
دیگر وہ زمین کی پیداوار میں سے ادا کرسکتا تھا۔ وہ لگان جو
زمین دار کا حق ہے، اس خالص پیداوار سے زیادہ نہیں ہے جو
تمام ضروری اخراجات کی ادائیگی کے بعد باقی رہ جاتی ہے اس
لئے کہ پیداوار کلی کے حصول کے لئے پیشگی اخراجات کا تحمل
لازم ہوتا ہے۔ ان اخراجات کی کامل ادائیگی کے لئے کاشتکاروں
اورفلاحوں کی محنت لازمی ولابدی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر اس
قسم کی خالص پیداوار کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہی باعث ہے
کہ اس نظام میں اس طبقے کو ایک گونہ امتیاز حاصل ہے

اور اس کو طبقۂ کامل کے معززلقب سے ملقب کیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ کارآمد طبقہ ان اخراجات کی بازیابی کا بھی کفیل ہوتا ہے، جو اس کی ذات پر کئے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ یہ طبقہ اس خالص پیداوار کے حصول کے اسباب بھی پیدا کرتا ہے۔

لازم ہے کہ اخراجات پر محصول کا بار نہ ڈالا جائے۔

اخراجات زمینی وہ اخراجات ہیں، جو زمیندار اصلاح اراضی پر صرف کرتے ہیں۔ اس نظام میں ان اخراجات کو حاصل خیز اخراجات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس طرح ان کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ ان کی وجہ سے زمیندار کے لگان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ اضافہ اور سرمائے کا معمولی اضافہ مقدس متصور ہونے چاہئیں اور کلیسا اور تاجدار کو چاہئے کہ ان میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کریں تاوقتیکہ یہ اخراجات تمام و کمال ادا نہ ہو جائیں اور سرمائے پر مناسب منافعہ حاصل نہ ہو جائے۔ ان پر نہ محصول لگایا جائے نہ عشر عائد کیا جائے اور اگر صورت حالات اس کے بر خلاف ہے اور زمین کی اصلاح و درستی کے امور میں کوتاھی کی جاتی ہے تو کلیسا اپنے عشر میں کمی پیدا کرتی ہے اور تاجدار اپنے محصول کو کم کرتا ہے اور یہ دونوں ادارے اپنے مستقبل کو خراب کرتے ہیں۔ اگر صورت حالات نہایت عمدہ اور معقول ہے تو زمینی اخراجات سے وہ تمام مصارف بوجہ احسن نکل آنے چاہئیں جو صرف کئے گئے۔ اسکے علاوہ ایک خاص مدت کے بعد حاصل پیداوار کا حصول بھی ممکن ہونا چاہئے۔ اس نظام میں ان کو حاصل خیز

مصارف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے -

ان کے علاوہ اور جتنے اخراجات ہیں وہ سب غیر حاصل خیز ہیں اور دیگر تمام طبقات بھی غیرحاصل خیز ہیں -

صرف تین قسم کے اخراجات کہلاتے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں :

(۱) زمیندار کے زمینی اخراجات -
(۲) زراعت کار کے ابتدائی اخراجات اور
(۳) زراعت کار کے سالانہ اخراجات

ان کے علاوہ باقی تمام اخراجات غیر حاصل خیز گنے جاتے ہیں - اسی طرح دیگر تمام طبقات انسانی بھی عاقر اور غیر حاصل خیز متصور ہوتے ہیں حالانکہ بعض بعض طبقات انسانی ایسے ہیں کہ نہایت حاصل خیز اور پیدا آور سمجھے جاتے ہیں -

صناع ور کاریگر خاص طور پر عقیم گنے جاتے ہیں اور وہ مصارف بھی غیر حاصل خیز سمجھے جاتے ہیں جو ان پر کئے جاتے ہیں -

خاص طور پر صناع و کاریگر وہ لوگ ہیں جن کی سعی و کوشش سے پیداوار اراضی کی قدر و قیمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں - اس نظام میں سر تا سر عقیم و عاقر گنے جاتے ہیں اگرچہ عامۃ الناس کے خیال میں لوگ حاصل خیز اور پیدا آور ہوتے ہیں - ان لوگوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی محنت سے صرف اس سرمائے کی بازیابی ہوتی ہے جو ان پر صرف کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اگر اور کچھ حاصل ہوتا ہے وہ معمولی منافعہ ہے جو اس سرمائے پر حاصل ہوتا ہے اس سرمائے میں سامان خام آلات اور وہ اجرت شامل ہے جو آجروں کی طرف سے اجیروں کو پیشگی دی جاتی ہے اور وہ ذخیرہ ہے جو ان کے کاروبار اور ان کے رکھ رکھاؤ کے لئے مخصوص ہے - اس سے جو منافعہ حاصل ہوتا ہے وہ

ذخیرہ ھے جو آجر کے لئے مخصوص ھے ۔ آجر اجیروں کو سامان خام آلات اور اجرت دیتا ھے ۔ ان سے اجیروں کا کاروبار چلتا ھے ۔ اسی طرح وہ اپنے رکھ رکھاؤ پر بھی کچھ صرف کرتا ھے ۔ یہ گویا وہ رقم ھے جو وہ اپنی ذات پر پیشگی صرف کرتا ھے اور یہ خرچ اس آمدنی کے تناسب سے ھوتا ھے جس کے حصول کی آجر کو اس کاروبار سے یعنی اجیروں کی ساختہ اشیاء کی قیمت سے توقع ھوتی ھے ۔ اگر اس قیمت میں سے وہ خرچ نہ نکلے جو وہ اپنے رکھ رکھاؤ پر، سامان خام پر، آلات و اجرت پر کرتا ھے تو یہ ظاھر ھے کہ اس کاروبار سے ان تمام اخراجات کی بازیابی نہیں ھوتی جو آجر کو اس کاروبار پر کرنے پڑتے ھیں ۔ اس سرمائے کے منافعہ میں جو صنعتی امور پر لگایا جاتا ھے اور سرمائے کے منافعہ میں جو زراعتی کاموں پر صرف کیا جاتا ھے، کوئی مشابہت نہیں ھے ۔ لگان کی صورت میں ایک خالص پیداوار کا ھونا ضروری ھے جو اخراجات و مصارف کی کامل ادائیگی کے بعد لازمی طور پر باقی رھتی ھے زراعت کار زراعت پر سرمایہ لگاتا ھے ۔ کارخانہ دار صنعت پر زرنقد صرف کرتا ھے ۔ سرمائے سے دونوں کو منافعہ حاصل ھوتا ھے لیکن زراعت کار کے سرمائے سے کسی اور شخص (یعنی زمیندار) کو لگان حاصل ھوتا ھے ۔ کارخانہ دار کے لئے یہ ضروری نہیں ھے کہ کسی اور کے لئے کچھ منافعہ نکلے ۔ صنعتی کاروبار قائم کرنے اور اجیروں کاریگروں اور صناعوں کے رکھ رکھاؤ پر جو کچھ خرچ ھوتا ھے وہ صرف اپنی قدرو قیمت کو قائم رکھتا ھے اور کچھ نہیں کرتا ۔ اس لحاظ سے یہ سر تا سر عاقر اور غیر حاصل خیز خرچ ھے ۔ اس کے برعکس وہ خرچ ھے جو زراعت کاروں اور

دیہاتی اجیروں کے رکھ رکھاؤ پر صرف ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی قدر و قیمت کو قائم رکھتا ہے اور اس کے علاوہ اور نئی نئی قدر و قیمت پیدا کرتا رہتا ہے جس کو زمیندار کا لگان کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے خرچ حاصل خیز خرچ ہے۔ تجارتی

تجارتی سرمایہ بھی۔

سرمایہ بھی ایسا عقیم و غیر حاصل خیز ہے جیسا صنعتی سرمایہ عاقر اور غیر پیداآور ہے۔ یہ بھی صرف اپنی ہی قدر و قیمت کو قائم رکھ سکتا ہے مگر کوئی نئی قدرو قیمت پیدا نہیں کرسکتا۔ تجارتی سرمائے کا مالک اس سے صرف اس قدر منافع حاصل کرسکتا ہے کہ وہ اس میں سے وہ اخراجات نکال سکے جو وہ اپنی ذات پر صرف کرتا ہے اور وہ بھی صرف اس وقت تک یہ کام چلتا رہے جب تک یہ رقم دوبارہ واپس نہ آجائے۔ اس کاروبار پر جس قدر مصارف آتے ہیں یہ ان کے صرف کے ایک جزو کی بازیابی ہے کل کی نہیں ہے۔

صناعوں اور کاریگروں کی محنت سے سالانہ پیداوار کی قدر و قیمت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔

صناعوں اور کاریگروں کی محنت سے اراضی کی سالانہ خام پیداوار کی قدر و قیمت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا۔ البتہ اس کی بدولت اس خام پیداوار کے بعض اجزا کی قدر و قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس دوران میں بعض بعض اجزا صرف ہوجاتے ہیں۔ اس صرف سے قدر و قیمت میں ایک گونہ کمی واقع ہوجاتی ہے اور یہ کمی ٹھیک اس اضافے کے برابر ہوتی ہے جو بعض بعض اجزا میں رونما ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل اجزا کی قدر و قیمت بدستور سابق رہتی ہے۔ اس میں کسی وقت بھی کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں

ہوتا۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ جھالر یا سنجاف کے لئے فیتہ بناتا ہے۔ وہ کبھی کبھی ایک پنس کے سن کی قدر و قیمت میں اس قدر اضافہ کردیتا ہے کہ تیس پونڈ طلائی تک جا پہنچتی ہے۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے خام پیداوار کے ایک جزو کی قدرو قیمت میں سات ہزار دو سو گنا اضافہ کیا ہے لیکن فی الواقع اس سے سالانہ خام پیداوار کی کل مقدار میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا۔ شاید اس کاریگر کو اس فیتے کی تیاری میں دو سال لگے ہوں جس کی تکمیل پر اس کو تیس پونڈ کی یافت ہوئی ہے۔ یہ صرف اس رقم کی بازیابی کے لئے کافی ہے جو اس نے اپنے نان و نفقہ پر دوسال کے عرصے میں جمع کی ہے۔ اپنی روزانہ، ماھانہ یا سالانہ محنت سے وہ اس سن کی قدر و قیمت میں ایک گونہ اضافہ کرتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اس سے اس کے روزانہ ماھانہ، یا سالانہ خرچ کی بازیابی ہوسکے۔ اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہے اس لئے اس عرصے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ زمین کی کل سالانہ مقدار میں کسی قسم کا اضافہ کرتا ہو۔ اس کی آمد اور اس کے خرچ میں ایک تناسب ہوتا ہے اور وہ تناسب ہر وقت بالکل برابر رھتا ہے۔ اس قسم کی عمدہ اور باریک مصنوعات میں جو کاریگر مصروف رھتے ھیں وہ ھمیشہ نہایت عسرت اور ناداری کے عالم میں بسر کرتے ھیں۔ یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس کام کی قیمت ان کے خور و نوش کے اخراجات سے زیادہ نہیں ھوتی۔ کسانوں اور دیہاتی اجیروں کی حالت دگرگوں ہے ان کی محنت میں سے ہر وقت اور ہر حال میں زمیندار کا لگان نکل آتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی میں سے وہ تمام مصارف بھی نکل آتے ھیں جو ان

کے سامان خورونوش پر ہوتے ہیں اور اسی میں سے وہ تمام اخراجات بھی بوجہ اتم نکل آتے ہیں جو اس کاروبار کے چلانے اور اجیروں اور آجروں کے گزارے پر صرف ہوتے ہیں۔

کاریگروں، صناعوں اور تاجروں کی ذات سے معاشرۂ انسانی کی آمدنی اور دولت میں اضافہ تو ہوتا ہے مگر یہ اضافہ جزرسی سے ہوتا ہے۔

کاریگروں، صناعوں اور تاجروں کی ذات سے معاشرۂ انسانی کی دولت اور ثروت اور اس کی آمدنی میں اضافہ تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ اضافہ محض جزرسی اور کفایت شعاری پر مبنی ہوتا ہے۔ اس جزرسی اور کفایت شعاری کو اس نظام کی اصلاح و محرومی یا حرمان نصیبی کہتے ہیں یعنی یہ لوگ اس ذخیرے کا ایک حصہ علیحدہ کردیتے ہیں جو خود ان کے اخراجات و مصارف کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو اس جز کی حظ اندوزی سے محروم رکھتے ہیں۔ وہ ان ذخائر کے علاوہ سالانہ اور کچھ پیدا نہیں کرتے۔ جب تک یہ لوگ اس میں سے ہر سال کچھ پس انداز نہیں کرتے یعنی جب تک یہ لوگ اپنے آپ کو اس چیز کی حظ اندوزی سے محروم نہیں کرتے اس وقت تک اُن کی صنعت و محنت سے معاشرۂ انسانی کی دولت و ثروت اور اس کے مداخل و محاصل میں کسی قسم کا کوئی اضافہ رونما نہیں ہوتا۔ کاشتکاروں اور دیہاتی اجیروں کی حالت اس کے خلاف ہے۔ وہ ان تمام ذخائر سے بوجہ اتم حظ اندوز ہوتے ہیں جو اُن کے خورونوش کے لئے مخصوص ہوتے ہیں اور اس کے باوجود بھی معاشرۂ انسانی کی دولت و ثروت اور اس کے مداخل و محاصل میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی محنت و صنعت سے ہر سال ایک خالص آمدنی بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اُن کے سامان

خور و نوش کے اخراجات کے علاوہ ہوتی ہے۔

جب اس خالص آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے تو لا محالہ تمام معاشرۂ انسانی کی دولت و آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کچھ قومیں ایسی ہوتی ہیں جن میں زمیندار اور کاشت کار دونوں موجود ہوتے ہیں۔ ایسی قومیں دولت و ثروت بھی پیدا کرتی ہیں اور ان سے حظ اندوز بھی ہوتی ہیں۔ اس قسم کی قومیں انگریز اور فرنچ ہیں۔ اس کے خلاف بعض قومیں ایسی ہوتی ہیں جن میں صرف کاریگر صناع و تاجر ہوتے ہیں۔ یہ قومیں محض جز رسی اور حرمان نصیبی سے متمول اور زردار ہوتی ہیں۔ ایسی قومیں ہالستانی اور ہیمبرگی ہیں۔

اس قسم کی دونوں قوموں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے مفاد بھی بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملکوں کے باشندوں کے اطوار و کردار میں بھی بہت کچھ فرق ہوتا ہے۔ پہلی قسم کے لوگ فراخ دل، صاف گو اور ملنسار ہوتے ہیں اور یہ اوصاف فطری طور پر اُن کے عام کردار میں مذکور ہوتے ہیں۔ اُن کے خلاف دوسری قسم کے لوگ ادنٰی، کمینے اور خود غرض اور سنگ دل ہوتے ہیں۔ یہ قطعاً ملنسار نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کو مسرت اور حظ اندوزی سے فطری نفرت ہوتی ہے۔

غیر حاصل خیز طبقے کے رکھ رکھاؤ کا انحصار دیگر دو طبقات پر ہوتا ہے۔

صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کا طبقہ غیر حاصل خیز طبقہ ہے۔ اس طبقے کے رکھ رکھاؤ کا تمام بار زمینداروں اور کاشت کاروں پر ہوتا ہے۔ یہ دونوں طبقے حاصل خیز اور بارآور طبقے گنے جاتے ہیں۔ ان دونوں طبقات کی ذات

سے اس طبقے کے لئے سامان خام اور ذخیرہ جس قدر مہیا ہوتا
ہے اسی کی ذات سے اناج اور مویشی مہیا ہوتے ہیں ' جن سے
دوران مشاغل میں وہ کام لیتا ہے اور جن کو وہ معرض صرف
میں لاتا ہے۔ یہ غیر حاصل خیز طبقہ اجیروں اور کارکنوں کی
ایک جماعت کو مصروف کار رکھتا ہے۔ ان کی اجرتوں کا
بار بھی بالآخر انہی بار آور طبقوں پر پڑتا ہے۔ ان کے علاوہ آجروں
کے منافع کا تمام بار بھی انہی کے شانوں پر پڑتا ہے۔ اگر
غور سے دیکھا جائے تو آجر اور اجیر دونوں زمینداروں اور
کسانوں کے ملازم ہوتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ لوگ
بیرونی ملازم ہیں اور ادنیٰ ملازم اندرونی اور خانگی ملازم ہوتے
ہیں لیکن آقا دونوں کے یہی دو طبقے ہیں اور انہی کے خرچ سے
ان دونوں کا گزارہ چلتا ہے۔ ان دونوں کی محنت غیر بار آور
ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔
اس محنت سے اراضی کی سالانہ پیداوار کی جملہ مقدار میں کچھ
اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ اس پر ایک بار اور ایک ایسا خرچ ہے
کہ اس میں سے نکلنا چاہئے۔

لیکن یہ ان کے لئے مفید
اور کارآمد ہے۔

لیکن یہ عقیم اور غیر بار آور طبقہ ان
دونوں طبقوں کے لئے محض فضول اور
بیکار نہیں ہے۔ بلکہ بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ صناعوں '
کاریگروں اور تاجروں کی صنعت و حرفت کے معاوضے میں زمیندار
اور کاشت کار غیر ملکی سامان اور اپنے ملک کی ساختہ اشیا
حاصل کرسکتے ہیں جن کی انہیں ضرورت پیش آتی ہے اور ان
اشیائے مطلوبہ کے معاوضے میں اپنی محنت کی پیدا کردہ اشیا کی
اس سے بہت کم مقدار دیتے ہیں جتنی اس وقت دینے پر مجبور

ہوتے کہ یہ لوگ غیر ملکی سامان کو بطور خود درآمد کرتے یا اپنے لئے ملکی سامان کو خود تیار کرتے۔ اسی عقیم اور غیر بار آور طبقے کی وجہ سے یہ دونوں بارآور طبقے اکثر افکار و تردوات سے محفوظ ہوگئے ہیں۔ اگر یہ طبقہ نہ ہوتا تو زمیندار اور کاشتکار اپنی تمام توجہ اراضی کی کاشت کی طرف مبذول نہ کرسکتے۔ اس غیر منقسم توجہ کے باعث پیداوار عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اس عمدگی اور اضافے کی وجہ سے یہ لوگ اس عقیم اور غیر حاصل خیز طبقے کے رکھ رکھاؤ کے تمام اخراجات اور اس کے کاروبار کے مصارف برداشت کرسکتے ہیں۔ اگرچہ صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کی صنعت اپنی نوعیت کے اعتبار سے کھلی غیر پیدا آور ہے لیکن بالکل عبث اور بیکار نہیں ہے بلکہ بالواسطہ طور پر زمین کی پیداوار میں اضافہ کردیتی ہے اس کی وجہ سے بار آور محنت کی قوتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی بدولت اس کو اس امر کی آزادی نصیب ہوجاتی ہے کہ وہ اپنی تمام توجہ کو صرف اپنے ہی پیشے تک محدود رکھے اور پورے انہماک واستغراق سے زراعت و فلاحت کی خدمات انجام دے۔ قلبہ رانی کا کام بسااوقات ان لوگوں کی سعی و کوشش سے ہوتا ہے جن کو قلبہ رانی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

اس طبقۂ عقیم کی صنعت کی ہمت شکنی طبقات بارآور کے مفاد کے موافق نہیں ہے۔

صناعوں اور کاریگروں اور تاجروں کی صنعت و حرفت کی ممانعت و مخالفت کسی طرح بھی زمینداروں اور کاشتکاروں کے مفاد کے موافق نہیں ہے۔ اس طبقۂ عقیم کو جس قدر آزادی نصیب ہوتی ہے اسی قدر اس کی ساختہ اشیا میں مقابلہ ہوگا اور اسی

قدر زمینداروں اور کسانوں کو غیر ملکی مال اور ملکی ساختہ سامان سستا ملیگا۔

اور طبقۂ عقیم کے مفاد کے لئے بھی ضروری نہیں ہے کہ دیگر طبقات کو مغلوب رکھے۔

اور طبقۂ عقیم کے مفاد کے لئے بھی یہ امر سود مند نہیں ہے کہ زمینداروں اور کسانوں کے طبقات کو مغلوب اور زیردست رکھے اس لئے کہ جس چیز پر اس طبقۂ عقیم کے گزارے اور اس کے کاروبار کا دارو مدار ہے، وہ اراضی کی زائد پیداوار ہے۔ بالفاظ دیگر یہی زائد پیداوار ہے جس میں سے پہلے تو کسانوں کے گزارے کا خرچ نکلتا ہے۔ اس کے بعد زمینداروں کے رکھ رکھاؤ کے مصارف نکلتے ہیں۔ یہ زائد پیداوار جس قدر زیادہ ہوتی ہے، اس طبقے کا کاروبار اتنا ہی زیادہ اور گزارہ اتنا ہی عمدہ ہوتا ہے۔ [۱] ان طبقات ثلاثہ میں سے ہر ایک طبقے کی خوش حالی اور فارغ البالی کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ عدل و انصاف کا خیال پوری طرح رکھا جائے اور ہر ایک کو پوری طرح حریت و مساوات حاصل ہو۔

اسی طرح تاجرانہ ریاستوں کا گزارہ کاشتکارانہ ریاستوں کے خرچ پر چلتا ہے۔

بعض بعض ریاستیں ایسی ہیں جن میں صرف ایک طبقہ‌عقیم ہوتا ہے۔ ان ریاستوں کے صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کا کام محض زمینداروں اور کاشتکاروں کے خرچ سے چلتا ہے اور انہی کے دم سے ان کا گزارہ وابستہ ہے۔ ہالستان اور ہیمبرگ کا شمار بھی انہی ریاستوں میں ہے۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے

---

۱ طبع اول میں ہے۔ اس کا کاروبار اتنا ہی زیادہ اور گزارہ اتنا ہی عمدہ ہوگا۔

که تاجرانه ریاستوں میں زمینداروں اور کاشتکاروں کا بیشتر حصه
انهی ریاستوں میں مقیم نہیں هوتا بلکه ان صناعوں اور کاریگروں
اور تاجروں سے بہت دور سکونت پذیر هوتا هے جن کے لئے وہ
سامان خام مہیا کرتا هے اور جن کے گزارے کا سامان بہم پہنچاتا
هے - بسااوقات یه فلاح و زمیندار اور ملکوں کے باشندے اور
غیر حکومتوں کے شہری هوتے هیں اور صناعوں اور تاجروں
سے اتنے فاصلے پر بستے هیں که اس کا طے کرنا تکلیف
دہ هوتا هے -

لیکن ان کے لئے بہت مفید اور سود مند هوتے هیں -

لیکن اس قسم کی تاجرانه ریاستیں بهی فلاحوں اور زمینداروں کے حق میں غیر
مفید نہیں هوتیں بلکه غیر ملکوں کے باشندوں اور دوسری حکومتوں
کے لوگوں کے لئے نہایت کار آمد اور سود مند هوتی هیں - یه
ریاستیں ایک خاص حد تک ایک وسیع خلا کو پورا کرتی هیں
اور ان فلاحوں اور زمینداروں کے لئے صناعوں اور تاجروں کا
طبقه مہیا کردیتی هیں - اس کا وجود ملک میں ضروری هوتا
هے مگر ان کے ملک کا رویه ناقص اور ناتمام هوتا هے اس
لئے یه طبقه اس میں موجود نہیں هوتا -

زمیندار قوموں کے مفاد کے لئے بهی یه امر مفید اور سود مند نہیں هے که طبقۂ عقیم کی صنعت کی همت شکنی کرے -

اور زمیندارانه ریاستوں کے باشندوں کے حق میں بهی یه امر کسی طرح مفید اور سود مند نہیں هے که تاجرانه ریاستوں کے صنعت و حرفت کی همت شکنی کرے
یا ان کی مصنوعات پر اور ان کی ساخته اشیا پر زیاده محصول
لگائے اور اس طرح صنعت و حرفت کو مغلوب و مقهور کرے -
جب اس قسم کا محصول لگایا جاتا هے تو سامان گران هو جاتا

ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کے ہاں کی زائد پیداوار کی اصلی قدر و قیمت میں بھی کمی پڑجاتی ہے اور یہی زائد پیداوار ہے جس سے یہ مصنوعات خریدی جاسکتی ہیں - بہ الفاظ دیگر یہی مصنوعات ہیں جن کی قیمت سے ان مصنوعات کا خریدنا ممکن ہوتا ہے - اس محصول کے عائد کرنے کا منشا یہی ہوتا ہے کہ اس زائد پیداوار کی ترقی کو روکا جائے اور اس کے اضافے کی ہمت شکنی کی جائے اور اس طرح خود اپنے ملک کی زراعت و کشتکاری کی اصلاح و ترقی کی ممانعت کی جائے - اس کے برعکس اس سر حاصل پیداوار کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے کی نہایت موثر اور کارگر ترکیب یہ ہے کہ تجارت کو بالکل آزاد اور بلا قید چھوڑ دیا جائے اور ہر تجارت پیشہ قوم کو اجازت دے دی جائے کہ دوسری قوم سے بلا روک ٹوک تجارت کرے - اس سے زمین کی پیداوار میں بھی اضافہ کرنے کی ترغیب ہوتی ہے اور اراضی کی حیثیت میں اصلاح و ترقی ہو جاتی ہے -

اگر تجارت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تو خود اپنے ہاں بھی صناع و کاریگر پیدا ہو جاتے ہیں -

اسکے علاوہ آزادیٔ تجارت اس امر کے لئے نہایت عمدہ ترکیب ہے کہ مناسب مدت میں اسکی بدولت خود اپنے خاص صناع و کاریگر اور تاجر پیدا ہو جائیں جنکی وطن میں اشد ضرورت ہوتی ہے - یہ لوگ اس خلا کو نہایت عمدہ اور مناسب انداز سے پر کر دیتے ہیں جسکی کمی کو نہایت سختی سے محسوس کیا جاتا ہے -

جب راس المال میں اضافہ ہوتا ہے تو پہلے صناعوں کو مصروف کار کیا جاتا ہے۔

جب زمیندار کی زائد پیداوار میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے تو ایک وقت ایسا بھی آ جاتا ہے کہ راس المال اس حد سے بڑھ جاتا ہے جس حد تک وہ اراضی کی اصلاح و ترمیم کیلئے ضروری ہوتا ہے - اس حالت میں یہ امر قرین فطرت ہے کہ اس زائد حصے کی بدولت صناعوں اور کاریگروں کی ایک تعداد کو مصروف کار کیا جائے اس لئے کہ صنعت و حرفت سے جتنا منافع حاصل ہوتا ہے اتنا زمین کی حیثیت کی اصلاح و درستی سے نہیں ہوتا - ان صناعوں اور کاریگروں کو اپنے وطن میں اپنی مصنوعات کے لئے سامان خام بھی مل جاتا ہے اور خورونوش کے لئے ذخیرہ بہم پہنچ جاتا ہے - اس سے یہ صناع اور کاریگر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ اپنے ہاں ایسا عمدہ سامان تیار کریں جیسا تجارت پیشہ ریاستوں کے غیر ملکی صناع اور کاریگر تیار کرتے ہیں - اگرچہ اپنے ہاں کے کاریگر غیر ملکی کاریگروں سے مہارت اور چابک دستی میں پیچھے ہوتے ہیں مگر ان کا ساختہ مال ارزاں تر ہوتا ہے اس لئے کہ غیر ملکی کاریگروں کو سامان خام دور دراز ملکوں سے حاصل کرنا پڑتا ہے مگر اس کے باوجود بھی ان ملکی کاریگروں کا تیار کردہ مال اتنا سستا نہیں ہوتا جتنا غیر ملکی کاریگروں کا تیار کردہ مال ہوتا ہے اس لئے کہ ملکی کاریگر مہارت اور کاردانی میں غیر ملکی کاریگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے - لیکن وہ وقت بھی دور نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بازار وطن میں اپنا تیار کردہ مال سستا بیچنے کے لائق ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ غیر ملکی صناعوں اور کاریگروں کا

مقابلہ کر سکتے ہیں اور جونہی ملکی کاریگر مہارت اور چابک دستی میں ترقی کرتے جاتے ہیں مال میں ارزانی ہوتی جاتی ہے اور ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ ملکی مال غیر ملکی مال سے سستا بکنے لگتا ہے ۔ اس لئے کہ غیر ملکی مال دور دراز سے آتا ہے ۔ اب تجارت پیشہ ریاست کے صناعوں اور کاریگروں کو زراعتی ملکوں کے صناعوں اور کاریگروں سے مقابلہ کرنا پڑ جاتا ہے اور وہ وقت بھی دور نہیں رہتا کہ ان کا تیار کردہ مال زراعتی ملکوں میں سستا بکنے لگتا ہے اور ان کو وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے ۔ زراعتی ملکوں کی صنعت و حرفت میں جس نسبت سے ترقی ہونے لگتی ہے اسی نسبت سے مال کی قیمت میں ارزانی رونما ہونے لگتی ہے اور شدہ شدہ وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ان ملکوں کا تیار کردہ مال انہی ملکوں میں نہیں سماتا بلکہ یہاں سے نکل کے باہر بھی پہنچنے لگتا ہے اور وہاں سے بھی تجارت پیشہ ملکوں کے ساختہ مال کو نکال باہر کرتا ہے ۔

اس کے بغیر ملکی بازاروں میں بھی مال کی فراوانی ہو جاتی ہے ۔

چونکہ زراعتی ملکوں میں خام پیداوار اور مصنوعات دونوں میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان ملکوں میں وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ان کا راس المال اس حد سے تجاوز کر جاتا ہے جس حد تک وہ زراعتی اور صنعتی کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے اور اس سے معمولی شرح سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس زائد راس المال کو فطری طور پر غیر ملکی تجارت کا رخ اختیار کرنا پڑتا ہے ۔

اس حالت میں یہ راس المال غیر ملکوں کو مال بھیجنے کے کاروبار میں لگا دیا جاتا ہے اور سامان خام اور مصنوعات کا زائد از ضرورت حصہ غیر ملکوں میں پہنچنے لگتا ہے - زراعتی ملکوں کے تاجروں کو اپنے ہاں کے مال کی تجارت برآمد میں تجارت پیشہ ممالک کے تاجروں پر ایک گونہ برتری حاصل ہوتی ہے اور یہ برتری ایسی ہی ہوتی ہے جیسی زراعتی ملکوں کے صناعوں اور کاریگروں کو حاصل ہوتی ہے - تجارتی ملکوں کے تاجروں کو سامان خام اور ذخائر خوراک باہر سے منگانے پڑتے ہیں - مگر زراعتی ملکوں کے تاجروں کو خود اپنے ممالک میں دستیاب ہوتے ہیں اگرچہ زراعتی ملکوں کے باشندے فن جہاز رانی میں تجارت پیشہ ملکوں کے باشندوں سے پیچھے ہوتے ہیں - لیکن اس کے باوجود بھی زراعتی ملکوں کے تاجر اپنی ساختہ اشیا غیر ملکوں کو اتنی ہی سستی بیچ سکتے ہیں جتنی سستی تجارت پیشہ ملکوں کے تاجر بیچ سکتے ہیں اور جوں جوں اس فن میں ان کی مہارت بڑھتی جاتی ہے - وہ مال سستا بیچنے لگتے ہیں - یہاں تک کہ غیر ملکی تجارت کی اس شاخ میں بھی زراعتی ملکوں کے تاجر تجارت پیشہ ملکوں کے تاجروں سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں - یہاں تک کہ شدہ شدہ وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ وہ تاجر ان تاجروں کو غیر ملکی تجارت سے باہر نکال پھینکتے ہیں -

آزادیٔ تجارت صنعت و حرفت اور غیر ملکی تجارت کے لئے بہترین شے ہے -

اس نظام کے لحاظ سے زراعتی ملکوں میں صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کو عالم وجود میں لانے کے لئے بہترین ترکیب یہی ہے کہ غیر ملکی صناعوں اور تاجروں کو

تجارت کی پوری پوری آزادی دیدی جائے - یہ نظام دریا دلی اور فیاضی پر مبنی ہے - اس سے زیادہ منافع بخش اور سودمند طریقہ اور کوئی نہیں - اس کی وجہ سے خود اپنے ملک کی سر حاصل پیداوار کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ راس المال کی مقدار میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور شدہ شدہ ایک ذخیرہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال کے لئے صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کی ضرورت پیش آتی ہے - اس لئے آہستہ آہستہ اور تدریجی طور پر یہ طبقہ عالم وجود میں آتا ہے -

گراں قدر محصولوں اور ممانعتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زراعتی پیداوار کی قدر و قیمت غرق ہو جاتی ہے - اس سے صناعوں اور تاجروں کے منافع میں اضافہ ہو جاتا ہے -

اس کے بر خلاف کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ زراعتی ملک کے باشندے غیر ملکی مال پر گراں قدر محصول لگا دیتے ہیں یا اس کی برآمد قطعاً ممنوع کر دیتے ہیں اور اس طرح غیر ملکی تجارت کو نقصان پہنچاتے ہیں - مگر اس میں خود ان کا نقصان بھی مضمر ہوتا ہے - اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں - پہلی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر قسم کی مصنوعات اور جملہ اقسام کے غیر ملکی مال کی قیمت بڑھ جاتی ہے - اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کے ہاں کی سر حاصل پیداوار کی قیمت بہت کم ہو جاتی ہے اور اسی سر حاصل پیداوار سے یا اس کی قیمت سے یہ زرعی ملک غیر ملکی مال اور مصنوعات خریدتے ہیں - دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ ملک خود اپنے تاجروں، صناعوں اور کاریگروں کو اپنے بازار کی اجارہ داری

دے دیتے ہیں۔ اس کے باعث تجارت اور صنعت میں جو منافع ہوتا ہے وہ زراعت و فلاحت کے منافع کی نسبت بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوجاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زراعتی راس المال کا ایک حصہ نکلتا اور صنعت و تجارت میں لگ جاتا ہے، یا وہ راس المال تجارت کی طرف رخ نہیں کرتا۔ جس کو بصورت دیگر اس کی طرف مائل ہوجانا چاہئے تھا۔ اس طرح اس رویے سے تجارت کو دو طرح کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ایک تو اس طرح سے کہ ان سے اراضی کی پیداوار کی اصلی قدرو قیمت میں انحطاط ہوجاتا ہے اور شرح منافع میں کمی پڑجاتی ہے۔ دوسرے اس طرح سے کہ اس کے باعث دیگر کاروبار میں شرح منافع میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ زراعت و فلاحت میں اس سے کم نفع ہوتا ہے جتنا ہونا چاہئے اور تجارت و صنعت میں اس سے زیادہ ہونے لگتا ہے۔ اور ہر شخص کا مفاد اس کو مجبور کرتا ہے کہ حتی الوسع امور زراعت کی طرف سے روگردانی کرے اور صنعت و تجارت کی طرف مائل ہو اور جہاں تک ہوسکے اپنا سرمایہ زراعتی امور سے ہٹا کر تجارتی کاروبار میں لگائے۔

اس طریق سے صناع اور تاجر تو پیدا ہوتے ہیں۔ مگر قبل از وقت ہوتے ہیں۔

اس طریق کار کی بدولت یہ تو ہوسکتا ہے کہ زراعتی ملکوں کے باشندے اپنے ہاں صناع، تاجر اور کاریگر اس سے جلد تر پیدا کرلیں، جتنا کہ آزاد تجارت کی صورت میں کر سکتے ہیں مگر یہ امر قبل از وقت ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ یہ رویہ جابرانہ اور تشدد آمیز ہے اور یہ امر بھی شکوک و شبہات کی حد سے بالا تر نہیں ہے کہ یہ لوگ قبل از وقت عالم وجود میں آسکینگے۔ جب کسی

ملک میں صنعت کی کسی خاص نوع کو بروئے کار لانے میں عجلت سے کام لیا جاتا ہے تو اس سے کسی اور نوع کو افسردہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نوع اس سے زیادہ اہم اور ضروری ہوتی ہے۔ مثلاً صنعت کی ایک نوع ہے۔ اس سے اس سرمائے کی بازیابی بھی ہوتی ہے جو اس پر لگایا جاتا ہے اور اس پر مناسب نفع بھی حاصل ہوجاتا ہے اور اس کے علاوہ زمیندار کا لگان بھی اسی میں سے نکل آتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ایسی نوع ہے جس سے کہ سرمائے کی بازیابی ہوتی ہے اور مناسب منافع بھی حاصل ہوتا ہے، مگر لگان نہیں نکلتا۔ اگر اس دوسری نوع کے بروئے کار لانے میں عجلت سے کام لیا جاتا ہے تو دوسری نوع کو پژمردہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب عقیم اور غیر بار آور محنت کی ہمت افزای میں غیر ضروری عجلت سے کام لیا جاتا ہے تو حاصل خیز اور بار آور محنت کا گلا دبا دیا جاتا ہے۔

پیداوار اراضی کی توزیع و تقسیم بھی معاشیاتی جدول میں دکھائی گئی ہے۔

مسٹر قوزنے نہایت طباع، ذہین اور ہمہ گیر مصنف تھے۔ جنھوں نے اس نظام کے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں اور کچھ حسابی دستور العمل تیار کئے ہیں۔ ان میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ان طبقات سہ گانہ میں سالانہ پیداوار اراضی کی توزیع و تقسیم کس طرح ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ اس نظام کی رو سے طبقۂ عقیم کی محنت سے صرف اس قدر حاصل ہوتا ہے جو خود اس کے مصارف کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اراضی کی سالانہ پیداوار کی مقدار میں اس سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اس پر

بھی مسٹر قوزنے نے روشنی ڈالی ھے۔ ان میں سب سے پہلے دستورالعمل کا نام ھے معاشیاتی جدول - یہ اوروں سے زیادہ نمایاں اور ضروری ھے۔ اس لئے اس نام سے موسوم ھے - اس میں طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ھے جس کے مطابق مصنف موصوف کے نزدیک کامل آزادی اور مرفہ الحالی کے زمانے میں یہ توزیع و تقسیم عمل پذیر ھونی چاھئے - ایسی حالت میں اراضی کی سالانہ پیداوار اتنی زیادہ ھوتی ھے کہ اس سے خالص پیداوار یعنی زمیندار کا لگان زیادہ سے زیادہ نکل سکتا ھے اور ھر طبقہ سالانہ پیداوار کے اس حصے سے حظ اندوز ھوتا ھے، جو بطریق مناسب اس کے حصے میں آتا ھے - ۱ اس کے بعد میں بھی کچھ دستور العمل وضع کئے گئے - ان میں وہ طریق کار پیش کیا گیا ھے، جس کے مطابق مصنف مذکور کے نزدیک بندشوں اور روک تھام کی مختلف منزلوں کی حالت میں اس توزیع و تقسیم پر عمل کیا جاتا ھے - ان حالتوں میں یا تو مالکوں کے طبقے کو کاشتکاروں کے طبقے پر ترجیح دی جاتی ھے یا طبقۂ عقیم اور غیر بار آور گروہ کو کسانوں سے فائق و سابق قرار دے دیا جاتا ھے - اس کا ماحصل یہ ھوتا ھے کہ کسانوں اور کاشتکاروں کے حصے پر یا تو مالکوں کا قبضہ ھوجاتا ھے، یا صناعوں اور تاجروں کا تسلط ھو جاتا ھے اور اس قسم کی دست اندازی اس فطری توزیع و تقسیم کی خلاف ورزی ھے اور یہ فطری حدبندی اس صورت میں قائم رہ سکتی ھے کہ آزادی کا پوری پوری طرح اہتمام کیا جائے - اس نظام کے اعتبار سے اس حدود

---

۱ ملاحظہ ھو معاشیاتی جدول مطبوعہ ۱۷۵۸ مصنفہ قوز نے - برطانی معاشیاتی انجمن میں ۱۸۹۴ میں اس کا چربہ پیش کیا گیا -

شکنی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی پیداوار میں ہر سال انحطاط ہونے لگتا ہے اور اس کی قدر و قیمت میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور پڑجاتی ہے۔ اور معاشرہ انسانی کی دولت و ثروت اور اس کی آمدنی یقینی طور پر زوال پذیر ہوجاتی ہے اور یہ حدود شکنی جس قدر تیز ہوتی ہے زوال اسی قدر تیز ہوتا ہے اور اس کی رفتار جس قدر سست ہوتی ہے انحطاط کی رفتار بھی اسی نسبت سے سست ہوتی ہے۔ اسی طرح اس زوال و انحطاط کی رفتار میں اور فطری توزیع و تقسیم کی خلاف ورزی میں ایک خاص تناسب ہے۔ یہ فطری توزیع و تقسیم صرف اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ آزادی کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ اس نظام کے لحاظ سے زوال و انحطاط کے مختلف مدارج ہیں اور ان مختلف مدارج کا انحصار اس خلاف ورزی کے مدارج پر ہے جو فطری توزیع و تقسیم کے باب میں روا رکھی جاتی ہے۔ ان امور پر روشنی ڈالنے کے لئے بعد کے دستور العمل وضع کئے گئے ہیں۔

آزار رساں آئین و ضوابط کے باوجود بھی قومیں سرسبز ہوسکتی ہیں۔

بعض قیاس پر سب طبیبوں کا خیال ہے کہ جسم انسانی کی صحت کے لئے لازم ہے کہ کھانے پینے اور ورزش کرنے میں خاص احتیاط سے کام لیا جائے۔ اس احتیاط اور پرہیز میں اگر تاؤ بھاؤ خلاف ورزی بھی کی جاتی ہے تو صحت میں فتور واقع ہو جاتا ہے اور جس قدر یہ خلاف ورزی کی جاتی ہے اسی قدر بیماری ستاتی ہے۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ لوگ کھانے پینے اور ورزش کرنے کے باب میں اکثر مختلف اور ممنوع قاعدوں پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی جسم انسانی کم از کم

بظاہر بالکل صحیح اور بےروگ رہتا ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگ ایسے اصولوں پر بھی کاربند ہوتے ہیں جو عموماً خلاف صحت گنے جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جسم انسانی میں کوئی ایسی گومگو اور پر اسرار قوت رکھی گئی ہے جس پر اس کی صحت کا دار و مدار ہے۔ اس میں بیماری کی روک تھام کرنے کی صلاحیت مضمر ہے۔ یہاں تک کہ جسم انسانی میں یہ قوت بھی ودیعت ہے کہ ان خرابیوں کا ازالہ کردے جو طرح طرح کی بد پرہیزیوں اور غلط اصولوں کی پابندیوں سے پیدا ہوجاتی ہے۔ مسٹر قوزنے بھی اسی طرح کا ایک قیاس پرست طبیب تھا، جسم سیاسی کے متعلق اس کا یہی خیال تھا۔ یہ شخص سمجھتا تھا کہ جب تک غذا و خوراک میں پرہیز نہیں کیا جاتا، جسم سیاسی تندرست و توانا نہیں ہوتا اور یہ طریقہ پرہیز آزادی تام اور عدل و انصاف کے احترام میں مضمر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طبیب نے اس امر پر غور نہ کیا تھا کہ ہر شخص ہمیشہ اپنی حالت کی بہتری اور بہبودی کی کوشش کرتا ہے۔ یہ فطری سعی و کوشش وہ اصول ہے جس میں جسم سیاسی کی صحت و توانائی کا راز مضمر ہے۔ اسی سے عوارض و امراض کی روک تھام ہوسکتی ہے۔ اسی کے طفیل ان خرابیوں کا ازالہ بھی ہوجاتا ہے جو جابرانہ اور پاس دارانہ معاشیات کے اثرات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگرچہ اس جابرانہ معاشیات کی وجہ سے ترقی اور بہبودی کی راہ میں بہت رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کی قدرتی فلاح و بہبود کبھی پوری طرح نہیں رکتی اور تنزل و انحطاط کی طرف رجعت کرنا تو درکنار ہر قوم دولت و ثروت کی طرف قدم بڑھاتی رہتی ہے۔ اگر قوم کے لئے آزادی

تام اور عدل و انصاف کا احترام لابدی اور ضروری ہوتا تو کوئی قوم بھی کامیاب اور فائزالمرام نہ ہوتی - جسم سیاسی میں بھی فطرت کی دوربین نگاہوں نے وہ سامان فراہم کردیا ہے جس سے ظلم و تعدی اور حماقت انسانی کا ازالہ ہوجاتا ہے - اس باب میں جسم انسانی اور جسم سیاسی دونوں آپس میں مشابہ ہیں - جس طرح جسم انسانی سستی اور کاہلی اور بدپرہیزی کے بد اثرات کا ازالہ کردیتا ہے اسی طرح جسم سیاسی حماقت انسانی اور ظلم و تعدی کے غلط اثرات کا تدارک کردیتا ہے -

صناع اور کاریگر عقیم نہیں ہیں - اس باب میں یہ نظام غلطی پر ہے -

اس نظام کی رو سے صناع و کاریگر اور تاجر بالکل عقیم اور سر تا سر غیر بار آور لوگ ہیں اور یہی اس نظام کی سب سے بڑی غلطی ہے - ذیل میں چند مشاهدات پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط ہے -

(۱) یہ طبقہ کم از کم اتنا ضرور پیدا کرتا ہے جتنا خود اس کے صرف کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس راس المال کو قائم رکھتا ہے جو اس طبقے کو مصروف کار رکھتا ہے -

اول - یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ یہ طبقہ ہر سال اتنا ضرور پیدا کر دیتا ہے جتنا اس کے سالانہ مصارف کے لئے ضروری ہوتا ہے اور کم از کم اس سرمائے یا اس راس المال کو قائم اور برقرار رکھتا ہے جس کی بدولت یہ طبقہ مصروف کار رہتا ہے - اگر صرف اسی امر پر توجہ مبذول کی جائے اوردیگر تمام امور کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی معلوم ہوگا کہ عقیم اور غیر بارآور کا اطلاق اس کے باب میں نا مناسب ہے - اگر کسی شادی سے صرف ایک لڑکا اور ایک

لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کو عقیم اور غیر بار آور نہیں کہہ سکتے - ایک وقت آئے گا کہ یہ دونوں بچے اپنے والدین کی قائم مقامی کرینگے اور کم سے کم نسل انسانی کو اس حد تک قائم رکھینگے جس حد تک انکی پیدائش کے وقت تھی - اگرچہ نوع بشر کی تعداد میں کچھ اضافہ نہ کر سکینگے - یہ شرف تو صرف کسانوں اور دیہاتی کارکنوں کو حاصل ہے کہ وہ اس سرمائے کو قائم اور برقرار رکھتے ہیں جو ان کو مصروف کار رکھتا ہے اور اس کے علاوہ ایک خالص پیداوار یعنی زمیندار کے لئے لگان بھی پیدا کر دیتے ہیں - جس شادی سے تین بچے پیدا ہوتے ہیں وہ یقیناً اس شادی سے زیادہ بار آور ہوتی ہے جس سے صرف دو بچے پیدا ہوتے ہیں - اسی طرح دیہاتی کارکنوں، کسانوں اور کاشتکاروں کی محنت صناعوں، کاریگروں اور تاجروں کی محنت سے زیادہ بار آور اور حاصل خیز ہوتی ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ کسانوں کی محنت زیادہ بار آور ہوتی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ صناعوں اور تاجروں کی محنت عقیم اور بے برگ و بار ہوتی ہے -

(۲) یہ لوگ ادنےٰ خانگی ملازموں سے مشابہ نہیں ہوتے -

دوم - یہ امر بھی سر تا سر ناجائز و نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ صناعوں اور کاریگروں اور تاجروں کو ادنیٰ ٹھہرایا جائے اور ان کو خانگی ملازموں کے مشابہ قرار دیا جائے - خانگی ملازموں کی خدمت کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ اس سے وہ ذخیرہ قائم نہیں رہتا ہے جو ان کو بر سر کار رکھتا ہے اور ان کے مصارف کا کفیل ہوتا ہے - ان کے رکھ رکھاؤ اور انکے مشاغل کے تمام اخراجات مالک کی ذات کے ساتھ

وابستہ ہوتے ہیں اور ان کے کام کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ
اس سے مالک کے اخراجات کی بازیابی کا امکان نہیں ہوتا ۔
ان کی خدمت عارضی اور بے بنیاد ہوتی ہے ۔ اسکی نوعیت ایسی ہوتی
ہے کہ ادھر کی اور آدھر فنا ہوئی ۔ اس خدمت سے کوئی
چیز قابل بیع و شری وجود پذیر نہیں ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ
اس سے ان رقوم کی بازیابی نہیں ہوتی جو ان کی اجرت اور
انکی نگہداشت پر صرف ہوتی ہیں ۔ صناعوں اور کاریگروں اور
تاجروں کی خدمت کی نوعیت اسکے برخلاف ہے ۔ ان خدمات
سے قابل بیع و شری اشیا عالم وجود میں جلوہ گر ہوتی ہیں ۔
کتاب ہذا کے دفتر دوم ۔ باب سوم میں بار آور اور غیر بار آور
محنت پر بحث کی گئی ہے ۔[۱] یہی باعث ہے کہ اس مقام پر صناعوں
اور کاریگروں اور تاجروں کی خدمات کو بار آور خدمات سے تعبیر
کیا گیا ہے ۔ اور ادنیٰ اور خانگی ملازموں کی خدمات کو
غیر بار آور خدمات قرار دیا گیا ہے ۔

(۳) ان کی محنت سے معاشرہ اضافی کی اصل قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

سوم ۔ خواہ کسی ہی نقطہ نظر سے
کیوں نہ دیکھا جائے یہ خیال غلط
معلوم ہوتا ہے کہ صناعوں ،
کاریگروں اور تاجروں کی محنت سے معاشرۂ انسانی کی اصلی
آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا اگرچہ ہم مثال کے طور یہ فرض
کرتے ہیں کہ اس طبقے کے روزانہ ، ماہانہ اور سالانہ مصارف
کی قدر و قیمت ٹھیک اتنی ہی ہے جتنی اس کی روزانہ ، ماہانہ
یا سالانہ پیداوار ہے اور اس نظام میں عام طور پر یہی
قیاس کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس سے بھی یہ نتیجہ مرتب نہیں ہو

---

۱ دفتر دوم کا تیسرا باب ۔

سکتا۔ اس کی محنت سے اصلی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور سوسائٹی کی محنت اور اراضی کی سالانہ آمدنی کی قدروقیمت جوں کی توں رہتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئیے کہ فصل کے بعد ایک کاریگر چھ مہینے کام کرتا ہے۔ یہ شخص اس عرصے میں دس پونڈ کا کام کر لیتا ہے اور اس عرصے میں دس پونڈ اناج اور دیگر ضروریات حیات پر صرف کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ان کی محنت سے معاشرے کی اراضی اور محنت کی سالانہ پیداوار کی قدر و قیمت میں دس پونڈ کا اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ شخص ہر ششماہی میں اناج اور دیگر لوازم حیات پر دس پونڈ کی آمدنی صرف کر دیتا ہے اور اسی قدر و قیمت کا کام بھی ہر ششماہی میں بناتا رہتا ہے۔ اس سے یہ شخص اپنے لئے یا کسی اور شخص کے لئے اسی کے برابر ششماہی آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس شے کی قدر و قیمت دس پونڈ نہیں ہے بلکہ بیس پونڈ ہے جو اس ششماہی میں پیدا ہوئی اور خرچ کی گئی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی وقت بھی دس پونڈ کی قدر و قیمت سے زیادہ کا سامان موجود نہ ہو۔ لیکن یہی دس پونڈ کی رقم جو کاریگر نے اناج اور دیگر ضروریات حیات پر صرف کی ہے، کسی سپاہی پر صرف کی جاتی یا کسی خانگی ملازم کی ذات پر خرچ کی جاتی تو سالانہ پیداوار کے اس حصے کی قدر و قیمت میں جو اس ششماہی کے اخیر میں موجود تھا، اب کی نسبت دس پونڈ کی کمی ہوتی۔ اب یہ کمی کاریگر کی محنت کی وجہ سے پوری ہو گئی ہے۔ اگرچہ کاریگر کی محنت کی پیدا کردہ اشیا کی قدر و قیمت اس کے خرچ کی قدر و قیمت سے کسی وقت بھی

زیادہ متصور نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود بھی بازار میں
مال کی واقعی قدر و قیمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جتنی بصورت
دیگر ہوتی اور یہ کاریگر کی محنت کا نتیجہ ہے۔

اس نظام کے سرپرست اس امر کے مدعی ہیں کہ کاریگر،
صناع اور تاجر جس قدر پیدا کرتے ہیں اسی قدر خرچ بھی کر
دیتے ہیں۔ اس سے ان کا مدعا غالباً یہ ہوتا ہے کہ ان کی
آمدنی ان کے خرچ کے برابر ہوتی ہے یا وہ ذخائر ان کے
خرچ کے برابر ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کوئی مقصد نہیں
ہوتا۔ اگر یہ لوگ اظہار مدعا میں قدرے زیادہ صحت و صفائی
کا التزام کرتے اور صرف یہ ادعا کرتے کہ اس طبقے کے
مداخل اس کے مخارج کے برابر ہوتے ہیں تو اس سے قارئین
کے دل و دماغ پر یہ اثر ہوتا کہ اس مداخل و محاصل سے
فطری طور پر جو کچھ پس انداز ہوتا ہے، اس سے لازمی
طور پر معاشرۂ انسانی کی حقیقی دولت میں کم و بیش اضافہ
ضرور ہوتا ہے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح دلیل و برہان قائم
کرنے کے لئے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ وہ طریق استدلال
اختیار کیا جائے جو ان لوگوں نے کیا ہے۔ اگر یہ فرض بھی
کر لیا جائے کہ حالت ایسی ہی ہے جیسی لوگ بیان کرتے
ہیں تب بھی یہ دلیل مسکت اور نتیجہ خیز نہیں ہے۔

(۴) سالانہ پیداوار میں اضافے کے لئے جز۔ رسی ضروری ہے اس میں کاریگر اور کسان برتر ہیں۔

چہارم۔ کسان اور دیہاتی کا رکن اپنی
محنت سے معاشرۂ انسانی کی محنت اور
اراضی کی سالانہ پیداوار کی قدروقیمت
میں اس کے مداخل و محاصل میں اصلی
اور حقیقی اضافہ کرتے ہیں۔ مگر اس اضافے کے لئے کفایت شعاری

اور جز رسی ضروری ہوتی ہے ۔ ان کے بغیر اضافہ محال ہوتا ہے ۔ اسی طرح صناع ، کاریگر اور کسان بھی اپنی لیاقت و جز رسی سے اضافہ کر دیتے ہیں ۔ ہر معاشرۂ انسانی میں انسانی محنت اور اراضی کی سالانہ پیداوار میں اضافے کے دو طریقے ہیں ۔ ایک تو یہ ہے کہ مفید اور سود مند محنت کی بار آور قوتوں میں اصلاح و ترمیم کی جائے ۔ دوسرے یہ کہ محنت کی مقدار میں اضافہ کیا جائے ۔

مفید اور سود مند محنت کی بار آور اور ثمر خیز قوتوں میں جو کچھ اصلاح و ترمیم ہوتی ہے اس کا انحصار ایک تو اس ترمیم و ترقی پر ہوتا ہے ، جو اجیروں اور کارکنوں کی قابلیت میں رونما ہوتی ہے اور دوسرے ان اوزاروں اور کلوں کی اصلاح و درستی پر ہوتا ہے ، جن سے اجیر اور کارکن لوگ کام لیتے ہیں ۔ لیکن کاریگروں اور صناعوں کی محنت میں اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ اس کو مختلف شعبوں اور گونا گوں شاخوں میں منقسم کردیا جائے اور ہر ایک اجیر اور کار کن کے کام میں بہت زیادہ سادگی اور سہولت پیدا کردی جائے ۔ کسانوں اور دیہاتی اجیروں کی محنت میں یہ امکان نہیں ہے ۔ ان کی محنت نہ اس قدر شعبوں اور شاخوں میں منقسم ہوسکتی ہے نہ ان کے کام میں اس قدر سادگی اور سہولت پیدا ہوسکتی ہے ۔ لہذا صناعوں اور کاریگروں کی محنت میں ان دونوں قسم کی اصلاح و ترمیم کی بہت زیادہ گنجائش موجود ہے ۔ [1] اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے تو کسانوں اور کاشتکاروں کے طبقے کو صناعوں اور کاریگروں کے طبقے پر کسی قسم کی فوقیت

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے دفتر اول کا پہلا باب ۔

حاصل نہیں ہے -

ہر سوسائٹی میں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ اس مفید اور سود مند محنت کی مقدار میں اضافہ کردیا جائے جو فی الواقع مصروف کار ہوتی ہے - اس اضافے کا تمامتر انحصار اس راس المال کے اضافے پر ہوتا ہے، جس کی بدولت یہ محنت مصروف کار ہوتی ہے اور راس المال میں جو کچھ اضافہ ہوتا ہے وہ بالکل اس پس اندازی کے برابر ہوتی ہے، جو محاصل و مداخل کے باعث ممکن ہوتی ہے اور یہ اصل و مداخل یا تو ان لوگوں کا حق متصور ہوتے ہیں جو اس کاروبار کو چلاتے ہیں جس پر یہ راس المال لگایا جاتا ہے یا ان لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے جو ان کاروبار کرنے والوں کو راس المال سود پر دیتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کے طرفدار یہ خیال کرتے ہیں کہ صناع اور کاریگر اور تاجر فطرتاً کفایت شعاری اور جزرسی کے دلدادہ ہوتے ہیں - یہی باعث ہے کہ یہ لوگ کسانوں کاشتکاروں اور زمینداروں سے زیادہ پس اندازی کا ثبوت دے سکتے ہیں - اگر یہ واقعہ ہے تو صناع، کاریگر اور تاجر اس امر کے زیادہ اہل ہیں کہ مفید اور سود مند محنت کی مقدار میں اضافہ کریں جو ان کی سوسائٹی میں مصروف کار ہوتی ہے اور اس حیثیت سے اس آمدنی میں اضافے کا موجب ثابت ہوں جو انسانی محنت اور اراضی کی سالانہ پیداوار کی بدولت حاصل ہوتی ہے -

(۵) تجارت اور صنعت سے وہ شے حاصل ہوسکتی ہے جو اس نظام کی رو سے آمدنی گنی جاتی ہے -

پنجم - ہر ملک کے باشندوں کی آمدنی کا تمامتر انحصار اس شے پر ہوتا ہے جو ان کی صنعت و محنت سے حاصل ہوتی ہے - ہر کس و ناکس اسی خیال کے

تابع ہے اور اس نظام سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن
اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیاجائے تو بھی لازم ہے کہ
تجارتی اور صنعتی ملک کی آمدنی اس ملک کی آمدنی سے کہیں
زیادہ ہو، جس میں نہ تجارت ہو اور نہ کسی طرح کی صنعت
ہوئی ہو بشرطیکہ ان دونوں ملکوں کی اور باتیں تمام برابر
ہوں۔ تجارت اور صنعت کی بدولت اپنے ہاں کی اشیا کی کثیر تر
مقدار ہرسال باہر سے منگائی جاسکتی ہے۔ یہ مقدار اس سے
زیادہ ہوتی ہے جو خود اپنے ہاں کی اراضی سے اس دور کی
زراعت کی حالت کے لحاظ سے پیدا ہوسکتی ہے۔ بسااوقات یہ
ہوتا ہے کہ کسی قصبے کے باشندوں کے پاس ذاتی زمین نہیں
ہوتی لیکن اپنی صنعت کی وساطت سے اور قصبوں کی خام
پیداوار کی اس قدر مقدار حاصل کرلیتے ہیں کہ ان کی کاروباری
ضروریات کی کفیل ہوجاتی ہے بلکہ ان کے لئے سامان خورونوش
کا ذخیرہ بھی مہیا کردیتی ہے۔ ایک قصبے میں اور ان دیہات
و قریات میں جو اس قصبے کے گردو نواح میں پھیلے ہوتے ہیں،
ہمیشہ ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔ وہی نسبت ایک خاص آزاد
اور غیر محتاج ریاست کو دیگر ریاستوں سے اور ایک ملک کو
دوسرے ملکوں سے ہوتی ہے جو اس کے چاروں طرف پھیلے
ہوتے ہیں۔ یہی طریقہ ہے جس کے مطابق ہالستان اپنے لئے
سامان خورونوش دیگر مقامات سے حاصل کرتا ہے، مثلاً مویشی
ہالستین اور جٹ لینڈ سے اور اناج یورپ کے تمام دیگر ممالک
سے فراہم کرتا ہے۔ مصنوعات کی قلیل مقدار کے معاوضے میں
خام پیداوار کی کثیر مقدار حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لئے تجارتی
اور صنعتی ملک فطری طور پر اپنی مصنوعات کے ایک حصے کے

معاوضے میں زراعتی ملکوں کی پیداوار کا بیشتر حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ غیر صنعتی اور غیر تجارتی ملکوں کی حالت اس کے برعکس ہے۔ یہ ملک اس امر پر مجبور ہیں کہ اپنی خام پیداوار کی کثیر مقدار کے مقابلے میں اور ملکوں کی مصنوعات کی قلیل مقدار خریدیں۔ صنعتی اور تجارتی ملک اس قدر شے باہر بھیجتے ہیں جس پر محض چند لوگوں کی خوردونوش اور راحت و آرام کا انحصار ہوتا ہے اور اس قدر شے باہر سے منگاتے ہیں جس پر اکثر لوگوں کی خوردونوش اور راحت و آرام کا دارو مدار ہوتا ہے۔ زراعتی ملک وہ شے باہر بھیجتے ہیں جس پر اکثر لوگوں کا خوردونوش اور راحت و آرام مبنی ہوتا ہے اور وہ شے باہر سے منگاتے ہیں جس سے بہت کم لوگوں کا خوردونوش اور راحت و آرام وابستہ ہوتا ہے۔ تجارتی اور صنعتی ملکوں کے باشندے اس سے کہیں زیادہ چیزوں سے حظ اندوز ہوتے ہیں، جو زراعت و کشتکاری کی موجودہ حالت کے اعتبار سے خود ان کے ہاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس زراعتی ملکوں کے باشندوں کو لامحالہ نہایت قلیل مقدار اشیا پر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔

تمام سہو و خطا کے باوجود بھی یہ قابل قدر ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ نظام سہو و خطا سے معمور ہے مگر اس کے باوجود بھی یہ نظام اس صداقت سے قریب ترین ہے جو علم المعیشت کے موضوع پر اب تک شائع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اس قابل ہے کہ وہ لوگ اس پر غور و فکر کریں جو اس اہم اور ضروری موضوع کے اصولوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس نظام کے اعتبار سے صرف وہ محنت ثمر خیز

اور بار آور گنی جاتی ھے جو زمین پر صرف کی جاتی ھے - اگرچہ یہ خیال تنگ نظری پر مبنی ھے لیکن اس سے پایا جاتا ھے کہ دولت اقوام کا انحصار محض زر و مال پر نہیں ھے اس لئے کہ اس کو صرف نہیں کرسکتے بلکہ اصلی معنوں میں دولت اقوام کا دارومدار سوسائٹی کی محنت اور اراضی کی سالانہ پیداوار پر ھے اس لئے کہ اس کو صرف کرسکتے ھیں - اسی طرح اس نظام کے لحاظ سے کامل آزادی وہ موثر اور کارگر ترکیب ھے جس سے یہ پیداوار معراج کمال تک فائز ھوسکتی ھے - اس نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ھے تو معلوم ھوتا ھے کہ یہ نظریہ عدل و انصاف پر بھی اسی طرح مبنی ھے ، جس طرح فیاضی اور دریا دلی پر مبنی ھے - اس کے پیروؤں کی تعداد بھی بہت کثیر ھے اس لئے کہ انسان بالطبع تناقض کا دلدادہ ھے یعنی وہ یہ دکھانا چاھتا ھے کہ میں ان امور کو بہ خوبی سمجھتا ھوں جو عقول عامہ سے بالاتر ھیں - اس نظریے میں تناقض یہ ھے کہ اسکی رو سے صناعوں اور کاریگروں کی محنت عقیم اور غیر ثمر خیز ھے اور غالباً یہی تناقض ھے جس پر اس کے مداحوں کی تعداد کا انحصار ھے - ابھی چند سال سے تو ان لوگوں کا ایک اچھا خاصا فرقہ بن گیا ھے، جس کو عمومیہ فرانس کے ادیب " ماھرین معاشیات " کے لقب سے ملقب کرتے ھیں - بلا شائبہ شک ان معاشیاتی بزرگوں کی تصنیفات ان کے ھم وطن لوگوں کے لئے مفید اور سودمند ثابت ھوئی ھیں - ان کی وجہ سے یہ لوگ ایسے ایسے موضوعات پر غور و فکر کرنے لگے جن پر پہلے کبھی توجہ نہ کرتے تھے بلکہ ان کی تصنیفات کے انصرام عامہ پر بھی اثر مرتب کیا اور اسکو زراعت اور فلاحت کا طرف دار بنا دیا -

یہ اسی نمایندگی کا نتیجہ ہے کہ فرانس کی زراعت و کاشتکاری کو ان جابرانہ آئین و ضوابط سے نجات حاصل ہوگئی جو اب سے پہلے وہاں رائج تھے - مثلاً پہلے ایسا پٹہ صرف نو سال کے لئے عطا کیا جا سکتا تھا ، جس کو آیندہ خریدار یا آیندہ مالک اراضی نو سال تک منسوخ نہیں کر سکتے تھے اب اسکی میعاد بڑھا دی گئی اور اسکو ستائیس سال تک ناقابل تنسیخ کر دیا گیا - ۱ ایام قدیم میں اناج کی نقل و حرکت پر گونہ بندش عائد تھی - یہاں تک کہ حدود مملکت کے اندر بھی اناج ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں نہیں بھیجا جا سکتا تھا - اب یہ تمام بندشیں دور کر دی گئیں اور ہر شخص کو اناج کی برآمد کی اجازت مل گئی اور آزادی برآمد کو اس مملکت میں معمولی حالات میں قانون - عامہ قرار دیدیا گیا - ۲ اس فرقے کے مقلدوں نے سیاسی معاشیات پر اکثر کتابیں لکھی ہیں اور ان میں دولت اقوام کی ماہیت و نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے - اس کے علل و اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے - اس کے علاوہ نظام حکومت کی اور شاخوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے - یہ تمام مصنف مسٹر قوزنے کی کورانہ تقلید کرتے ہیں اور اسکے نظریوں کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر کہیں اختلاف بھی ہے تو وہ واضح اور نمایاں نہیں ہے - اس لحاظ سے ان تمام مصنفوں کی تصانیف قریب قریب یکساں ہیں - ان میں اختلاف بہت کم پایا جاتا ہے - اس مسئلے کے متعلق بہترین تصنیف وہ چھوٹی

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر سوم کا دوسرا باب۔

۲ ملاحظہ ہو دفتر اول کا گیارھواں باب اور دفتر چھارم کا پانچواں باب۔

سی کتاب ہے جو مسٹر مرسیر دی لا ریور نے لکھی ہے یہ شخص ایک زمانے میں مارٹی نیکو کا مینیجر تھا ۔ اس تصنیف کا نام ہے "معاشرت سیاسی کی اصلی اور فطری ترتیب" ۱ اس فرقے کے تمام افراد اپنے پیشوا کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے ۔ اس باب میں ان میں اور قدیم فلاسفہ کے پیروؤں اور دیگر بانیان مذاہب کے مقلدوں میں کچھ فرق نہ تھا ۔ اس کے علاوہ یہ پیشوا خود نہایت سیدھا سادہ اور بے تکلف اور حلیم الطبع انسان تھا ۔ مارکوئیس میرابو ایک واجب احترام اور ریاضت شعار مصنف گذرا ہے ۔ اس شخص کا قول ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ابتک تین ایجادیں عالم وجود میں آئی ہیں جن پر معاشیات سیاسی کے قیام اور استحکام کا دار و مدار ہے ۔ ان کے علاوہ کچھ اور ایجادیں بھی ہوئی ہیں جن سے معاشرت سیاسی کے استحکام میں اضافہ ہوا ہے اور جو اس کی زیبایش و آرایش کا موجب ہیں ۔ مگر جن پر ان کے قیام کا خاص طور پر انحصار ہے وہ یہی تین ہیں ۔ ان میں سب سے پہلی "لکھائی" ہے ۔ اس کی بدولت فطرت انسانی اس قابل ہو گئی ہے کہ اپنے آئین و قوانین اپنے معاہدات اور اپنی تاریخ اور اپنے انکشافات اس شان سے متاخرین تک پہنچا سکے کہ ان میں تغیر و تبدل کا امکان نہ رہے ۔ دوسری ایجاد کا نام زرنقد ہے ۔ معاشرت انسانی

---

۱ یہ کتاب ۱۷۶۷ میں طبع ہوئی تھی ۔ اس میں پان سو گیارہ صفحے ہیں ۔ مسٹر شیل کے قول کے مطابق یہ کتاب چھوٹی سی کتاب کہلانے کی مستحق نہیں ہے ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر آدم اسمتھ کے خیال میں یہ کتاب وہ ہے جو ۱۷۶۷ میں لندن میں دو جلدوں میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے ۔

کے تمام مہذب اور متمدن طبقوں میں جو رابطہ اتحاد اس وقت قائم ہے وہ سب اس کی بدولت ہے - تیسری ایجاد کو معاشیاتی جدول کہتے ہیں - یہ پہلی دونوں ایجادوں کا ماحصل ہے - اس سے ان دونوں کا مقصد اور خود ان دونوں کی ذات کی تکمیل ہوتی ہے - یہ عصر حاضر کی عظیم‌الشان ایجاد ہے - لیکن اس کے ثمرات سے آیندہ نسلیں حظ اندوز ہونگی -

بعض اقوام زراعت کو استحسان کی نظروں سے دیکھتی ہیں-

دور حاضر کی یورپین قومیں صنعت و حرفت کو اور غیر ملکی زراعت کو استحسان کی نظروں سے دیکھتی ہیں اور ان کو زراعت و کاشتکاری پر ترجیح دیتی ہیں - اس لئے صنعت و تجارت شہروں اور قصبوں کی کائنات ہے اور زراعت و کاشتکاری دیہات و قریات سے تعلق رکھتی ہے - مگر دیگر اقوام ہیں که اور رویے پر کاربند ہیں اور زراعت و کاشتکاری کو استحسان کی نظروں سے دیکھتی ہیں اور اس کو صنعت و حرفت سے سابق و فائق خیال کرتی ہیں -

مثلاً چین

چین میں زراعت و فلاحت کو تمام کاروبار سے ارفع و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اور زمینداروں کو ہر شے پر ترجیح دی جاتی ہے[۱] بیان کیا جاتا ہے که چین میں زرعی مزدور کی حالت کاریگر کی حالت سے بہت اچھی ہوتی ہے - مگر یورپ میں حالت اس کے بالکل برعکس ہے - وہاں کاریگر کی حالت زرعی مزدور کی حالت سے بہتر ہوتی ہے - چین میں ہر شخص کا مطمع نظر یه ہوتا ہے

---

۱ ملاحظه ہو ''جغرافیائی حالات چین'' مصنفه دیو ہالدی جلد دوم صفحه ٦٤ -

که کسی طرح کوئی قطعه اراضی حاصل کیا جائے - خواہ یه حصول بذریعه خریداری ہو یا به سبیل مستاجری اس لئے که مستاجری کی شرطیں وہاں معتدل و معقول ہیں - ان پر کار بند ہونا مستاجر کے لئے سہل و سودمند ہوتا ہے اور ان میں مستاجر کی امن و حفاظت بھی کافی مضمر ہوتی ہے - چینی لوگ غیر ملکی تجارت کو کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے - مسٹر دی لینگ ایک روسی سفیر تھا جو کسی زمانے میں چین میں متعین تھا - جب پیکن کے ارباب بست و کشاد اس سے روس کی تجارت کے متعلق گفتگو کرتے تھے تو روس کی تجارت کو فقیرانه تجارت کہتے تھے -[۱] چینی خود اپنے جہازوں میں غیر ملکی تجارت نہیں کرتے - مگر جاپان اس کلیے سے مستثنیٰ ہے اور اپنی بندرگاہوں میں بھی چینی لوگ غیر قوموں کے جہازوں کو گھسنے نہیں دیتے - اگر مملکت چین میں کہیں غیر ملکی جہاز داخل ہو سکتے ہیں تو وہ محض ایک یا دو بندرگاہیں ہیں اس لئے چین میں غیر ملکی تجارت کا حلقه بہت محدود ہے - ورنه قدرتی طور پر اس کا حلقه بہت وسیع ہو سکتا تھا اگر اہل

---

۱ طبع اول میں مسٹر اینگ کی جگه مسٹر لینگلیٹ ہے - سیاحت نامه بیل کی دوسری جلد میں مسٹر دی - لینگ کا روزنامچه شایع ہوا ہے - اس کے صفحات ۲۵۸ ، ۲۷٦ اور ۲۹۳ ملاحظه ہوں - مسٹر جان بیل ساکن انٹر مونی (گلاسگو) نے ایک کتاب لکھی ہے - اس کا نام ہے ' سیاحت نامه ازسینٹ پیٹربرگ تا مختلف حصص ایشیا، - یه کتاب ۱۷٦۳ میں شایع ہوئی تھی - اس میں لکھا ہے که چین کے ارباب بست و کشاد نے روسیوں سے استدعا کی که ارکان کونسل سے اپنی فقیرانه تجارت کے متعلق بار بار التجا نه کریں بلکه اس التجا کو ختم کر دیں - ملاحظه ہو صفحه ۲۹۳ - آدم اسمتھ کے پاس یه کتاب آئی تھی - یه نوٹ طبع اول میں نہیں ہے -

چین خود اپنے جہازوں کے ذریعے غیر ملکی تجارت کرتے یا اور قوموں کے جہازوں سے کام لیتے تو غیر ملکی تجارت بہت زیادہ ہوتی -

چین خود بھی بہت وسیع علاقہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی غیر ملکی تجارت اس کے لئے مفید ہوتی -

مصنوعات کی یہ خصوصیت قابل لحاظ ہے کہ ان کا حجم کم اور قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے - یہی باعث ہے کہ اُن کے نقل و حمل میں سہولت اور کفایت ہوتی ہے اور بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائی جا سکتی ہیں - خام پیداوار کے بیشتر حصے کی حالت اس کے بر عکس ہے[۱] - ان کا حجم زیادہ اور قدر و قیمت کم ہوتی ہے ان کے نقل و حمل پر خرچ زیادہ آتا ہے - اس لئے تمام ملکوں میں غیر ملکی تجارت خاص طور پر مصنوعات سے مربوط ہوتی ہے - اس کے علاوہ ایسے ملک بھی ہیں کہ وسعت میں چین سے کم ہیں اور اندرونی تجارت کے باب میں اُن کو اتنی سہولتیں بھی حاصل نہیں جتنی چین کو ہیں - ایسے ملکوں کو لامحالہ غیر ملکی تجارت کی ضرورت ہوتی ہے - اس کی اعانت کے بغیر یہ ملک گذارہ نہیں کر سکتے، جب تک اُن کے لئے وسیع اور کشادہ غیر ملکی بازار نہیں ہوتا - اس قسم کے ملک کبھی خوشحال نہیں رہ سکتے - خواہ یہ ملک وسعت کے لحاظ سے اس قدر متوسط ہو کہ اُن کے بازار میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اپنی ساختہ اشیا کو خود اپنے ہاں جذب کر سکیں یا ایسے ملک ہوں کہ اُن میں اندرونی آمد و رفت کے ذرائع مشکل ہوں

---

۱ طبع دوم میں ہے بیشتر اقسام -

اور ایک صوبے کا مال دوسرے صوبے میں دقت سے پہنچ سکتا ہو اور یہ امر محال ہو کہ ایک صوبہ دوسرے صوبے کے بازار سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے جو اس ملک کے موجودہ حالات کے لحاظ سے قابل حصول ہو سکتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ صنعت و حرفت میں تکمیل کا انحصار تقسیم عمل پر ہے اور یہ امر بھی قبل ازیں معرض بیان میں آ چکا ہے کہ بازار جس قدر زیادہ وسیع ہوتا ہے تقسیم عمل اسی قدر زیادہ ہوتی ہے[۱] لیکن سلطنت چین بذات خود نہایت وسیع اور فراخ ہے۔ اس میں آبادی کی کثرت ہے۔ آب و ہوا میں تنوع ہے۔ مختلف صوبوں میں مختلف پیداوار ہے۔ ان تمام صوبوں کے درمیان دریاؤں کے ذریعے آمد و رفت نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ یہ علل و اسباب ہیں کہ یہاں کے بازار کی وسعت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ بازار اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ہر قسم کی مصنوعات کی گنجائش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں محنت کی تقسیم در تقسیم کا بہت امکان ہے۔ اگر یورپ کے تمام ملکوں کے بازاروں کو متحد و متفق کیا جائے اور ان کا چین کے بازاروں سے مقابلہ کیا جائے تو اپنی وسعت و فراخی کے اعتبار سے وہ ان سب بازاروں کی میزان سے کچھ یونہی کم ہونگے۔ اگر غیر ملکی تجارت میں اور وسعت پیدا کی جاتی تو اس وسیع اور کشادہ وطنی بازار کو عام دنیا کے بازار کی اعانت و امداد بھی حاصل ہو جاتی اور اگر اس تجارت کے بیشتر حصے کے لئے چینی جہاز استعمال کئے جاتے تو

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر اول کا تیسرا اور چوتھا باب۔

مصنوعات چین میں معتدبہ اضافہ ہوئے بغیر نہ رہتا - بلکہ یہاں کی صنعت و حرفت کی بار آور قوتوں میں نمایاں ترقی ہو جاتی - اگر چین میں فن جہازرانی کے لئے زیادہ وسعت ہوتی تو اهل چین فطری طور پر فن جہاز سازی میں ترقی کر لیتے اور ان تمام مشینوں کو بنانا اور چلانا بھی سیکھ لیتے جو اور ملکوں میں برتی جاتی ہیں - ان کے علاوہ ان دیگر ترقیات سے بھی بہرہ اندوزھو جاتے جو فن جہاز رانی اور صنعت جہاز سازی کے متعلق تمام دنیا میں رائج ہیں - اپنی موجودہ تجویز کے مطابق ان کو اس امر کا کوئی موقع حاصل نہیں ہے کہ اوروں کی مثال سے سبق حاصل کریں اور اپنی حالت کو بہتر بنائیں - شاید جاپان اس کلیے سے مستثنیٰ ہے -

مصر اور حکومت ہند کے نزدیک بھی زراعت قابل ترجیح تھی -

معلوم ہوتا ہے کہ مصر قدیم اور حکومت ہند کے نزدیک بھی زراعت قابل ترجیح تھی اور دیگر تمام کاروبار سے افضل و اعلیٰ گنی جاتی تھی -

ان ملکوں کے باشندے ذاتوں میں منقسم تھے -

مصر اور هندوستان دونوں ملکوں میں لوگ ذاتوں اور قبیلوں میں منقسم تھے - هر ایک ذات صرف ایک کاروبار کرسکتی تھی اور باپ کے بعد بیٹا نسلاً بعد نسل ایک پیشہ اختیار کرتا ہے - پروهت کے بیٹے کا پروهت ہونا لازمی اور ضروری تھا - اسی طرح سپاهی زادے کے لئے سپاهی ہونا اور مزدور کے بچے کے لئے مزدور بننا نوشتہ تقدیر تھا - لہذا جولاہے کا بیٹا جولاہا اور درزی کا بچہ درزی بنتا تھا - ان دونوں ملکوں کے راهب اور پروهت سب سے افضل اور اعلیٰ گنے جاتے تھے - سپاهیوں اور چھتریوں

کا نمبر ان کے بعد آتا تھا - ان دونوں ملکوں میں زمیندار، کسان اور مزدور بھی ذات کے اعتبار سے صناعوں اور تاجروں سے بہتر اور برتر سمجھے جاتے تھے -

ان دونوں ملکوں میں آب پاشی کی طرف بھی توجہ مبذول کی جاتی تھی -

ان دونوں ملکوں کی حکومتیں زراعت اور کاشت کاری کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرتی تھیں - مصر کے قدیم تاجداروں نے دریائے نیل کے پانی کی توزیع و تقسیم کے لئے طرح طرح کے کام کئے تھے - ان تعمیرات کا شمار آج کل انطیقات میں ہے - ان میں سے بعض کے کھنڈر اب تک بھی موجود ہیں - سیاح اور مسافر ان کو دیکھتے اور محو حیرت ہو کر رہ جاتے ہیں - اسی قسم کے عجیب و غریب کام ہندوستان کے قدیم تاجداروں نے بھی بنوائے تھے جن کے ذریعے گنگا اور دیگر دریاؤں کے پانی کی توزیع و تقسیم کی جاتی تھی - اگرچہ یہ زیادہ مشہور و معروف نہیں ہیں مگر ان کی عظمت و شان میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے - یہ دونوں ملک سر سبزی اور زرخیزی کے لحاظ سے بھی شہرۂ آفاق ہیں - اگرچہ آبادی کے اعتبار سے دونوں نہایت گنجان ہیں مگر سر سائی کے زمانے میں بہت اناج برآمد کرتے اور ہمسایہ ملکوں میں پہنچاتے تھے -

مصر و ہند غیر ملکی تجارت میں اوروں کے محتاج اور دست نگر تھے -

مصر کے قدیم باشندے سمندر سے متنفر تھے اور ان کا یہ تنفر وہم پرستی کی حد تک ترقی کر گیا تھا - ہندو مت اپنے پیرووں کو آگ سلگانے کی اجازت نہیں دیتا - اس لئے کہ ہندو لوگ سمندر یا دریا میں کسی قسم کا کھانا نہیں پکا سکتے - یہ ممانعت ایک گونہ عملی رکاوٹ ہے جو ہندو مت دور دراز کے

بحری سفر کی راہ میں پیش کرتا ہے۔ اہل مصر اور اہل ہند
دونوں جہازرانی کے باب میں دیگر اقوام کے محتاج اور دست نگر
تھے۔ جب کبھی زائد پیداوار برآمد کرتے تھے تو غیروں کے
جہازوں سے کام لیتے تھے۔ اس احتیاج و دست نگری کا نتیجہ یہ
ہوا کہ ایک طرف تو بازار کی وسعت محدود ہو کر رہ گئی
دوسری طرف زائد پیداوار کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہوگئیں۔
اسی طرح اس سے مصنوعات کی ترقی کی راہ میں بھی رکاوٹیں
پیش آئیں اور یہ رکاوٹیں ان سے بھی زیادہ ہیں جو خام پیداوار
کی راہ میں حائل ہوئیں اراضی کی خام پیداوار کی برآمد کے
لئے جس قدر وسیع بازار کی ضرورت ہے مصنوعات کی برآمد کے
لئے اس سے کہیں زیادہ وسیع بازار مطلوب ہے۔ ایک موچی
اکیلا ایک سال کے عرصے میں جوتے کے تین سو جوڑے تیار
کر لیتا ہے حالانکہ خود اس کے خاندان کے ارکان اسی عرصے
میں نصف درجن سے زیادہ جوتے نہیں توڑسکتے۔ اس لئے لازم
ہے کہ اس کے ساختہ جوتوں کے خریداروں کی تعداد اس کے
خاندان کے افراد کی تعداد سے پچاس گنا زیادہ ہو۔ جب تک یہ
حالت نہیں ہوتی وہ اپنے ساختہ جوتے فروخت نہیں کر سکتا۔
ایک بڑے اور گنجان ملک میں جس قدر خاندان زیادہ ہوتے
ہیں ان میں کاریگروں کی تعداد ایک فیصدی سے زیادہ نہیں
ہوتی اور کاریگروں کا طبقہ خواہ کتنا ہی کثیر التعداد کیوں
نہ ہو کبھی دو فیصدی سے نہیں بڑھنے پاتا لیکن فرانس اور
انگلستان جیسے بڑے بڑے ملکوں میں لوگ زراعت و کاشتکاری
میں کثرت سے مصروف ہیں۔ بعض مصنفوں کا اندازہ ہے کہ
ان ملکوں میں کسانوں اور کاشتکاروں کی تعداد پچاس فیصدی

سے زیادہ نہیں ہے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ایسا کوئی مصنف نہیں گزرا جو اس تعداد کو بیس فیصدی سے کم بتاتا ہو۔ جہاں تک فرانس اور انگلستان کی زرعی پیداوار کا تعلق ہے اس کا بیشتر حصہ خود انہی ملکوں میں صرف ہوجاتا ہے۔ باقی ماندہ کی برآمد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو خریداروں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو زراعت اور کاشتکار کرتے ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا تخمینوں کی رو سے ان کی پیدا کردہ اشیا کی خریداری کے لئے ایک یا دو خاندان کافی ہیں اور چار سے زیادہ خاندان تو کسی حالت میں مطلوب ہو ہی نہیں سکتے۔ بازار کا تنگ و محدود ہونا زراعت و صنعت دونوں کے لئے ہمت شکنی کا موجب ہے لیکن اس ہمت شکنی کا مقابلہ جس حسن و خوبی سے زراعت کرسکتی ہے، صنعت نہیں کرسکتی۔ لیکن ہندوستان اور مصر دونوں ملکوں میں اندرونی جہازرانی کی سہولتیں موجود تھیں اس کی وجہ سے تمام صوبوں کی پیداوار کے لئے خود اپنے وطن میں وسیع بازار نکل آتا تھا۔ اس اندرونی جہازرانی کی سہولت سے اس قدر فائدہ حاصل ہوتا تھا کہ ان تمام نقصانات کی ایک حد تک تلافی کر دیتا تھا جو غیر ملکی تجارت کے بازار کی تنگی سے پہنچتے تھے۔ ہندوستان خود بھی بہت وسیع اور فراخ ملک ہے اس لئے اس کا بازار بھی بہت وسیع اور کشادہ ہے۔ اس میں گوناگوں مصنوعات کی گنجائش ہے اور انواع و اقسام صنعات کو قائم و برقرار رکھ سکتا ہے۔ لیکن مصر ایک چھوٹا سا ملک ہے جو انگلستان کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس ملک کا بازار اس قدر تنگ اور محدود ہے کہ اس میں انواع و اقسام مصنوعات کی گنجائش نہیں ہے۔ بنگال ہندوستان کا ایک صوبہ ہے کہ

سب سے زیادہ چاول برآمد کرتا ہے - یہ صوبہ انواع واقسام مصنوعات کی برآمد کے لئے اس قدر قابل لحاظ رہا ہے کہ اناج کی برآمد کے لئے نہیں رہا ہے - مصر قدیم کی حالت اس کے برعکس ہے - اگرچہ یہ ملک بھی کچھ مصنوعات برآمد کرتا رہا ہے مثلاً باریک کپڑے اور دیگر اقسام مال و سامان، لیکن یہ ملک ہمیشہ غلے کی برآمد کے لئے مشہور رہا ہے - مصنوعات کی برآمد کے باب میں کبھی قابل ذکر خیال نہیں کیا گیا - یہاں تک کہ عرصۂ دراز تک یہ ملک سلطنت رومة الکبریٰ کا اناج گودام سمجھا جاتا رہا ہے -

تاجران مشرق کی دلچسپی زراعت سے وابستہ رہی ہے اسکی تہ میں لگان اراضی مضمر ہے -

ہندوستان مختلف اوقات میں مختلف صوبوں میں منقسم رہا ہے - ان تمام صوبوں کے تاجدار اور تاجداران چین اور مصر قدیم زراعت و کشتکاری میں دلچسپی لیتے رہے ہیں اس لئے کہ ان کے مداخل و محاصل یا تو تمام و کمال لگان اراضی سے وصول ہوتے تھے یا ان کا اکثر اور بیشتر حصہ اسی ذریعے سے حاصل ہوتا تھا - یہ لگان اراضی اپنی نوعیت کے اعتبار سے یورپین ممالک کے عشر سے مشابہ تھا - یہ لگان پیداوار اراضی کا ایک خاص حصہ ہوتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ عموماً پانچواں حصہ ہوتا تھا - یہ لگان کبھی تو جنس کی صورت میں دیا جاتا تھا اور کبھی زرنقد کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا اور جب زرنقد کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا تو ایک خاص شرح سے اسکی قدر و قیمت مقرر کر دی جاتی تھی - یہ شرح ہر سال بدلی جاتی تھی اس لئے کہ ہر سال پیداوار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے

یہ امر قرین فطرت ہے کہ ان ملکوں کے سلاطین و تاجدار زراعت و فلاحت کے مفاد کی طرف زیادہ توجہ مبذول کرتے تھے اس لئے کہ ان کے سالانہ محاصل و مداخل کی کمی بیشی کا انحصار اسی کی ترقی و تنزل سے وابستہ تھا۔[1]

یونان اور روم میں صنعت و غیر ملکی تجارت کی ہمت شکنی کی جاتی تھی اور صنعت غلاموں کے ذریعے کی جاتی تھی اور غلاموں کی محنت گراں پڑتی تھی۔

عمومیہ یونان اور عمومیہ روم میں زراعت و فلاحت کو جس قدر ادب و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اس قدر صنعت اور غیر ملکی تجارت کو نہ دیکھا جاتا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صنعت و غیر ملکی تجارت کی ہمت شکنی تو کی جاتی تھی لیکن زراعت و فلاحت کی براہ راست ہمت افزائی نہ کی جاتی تھی۔ ایام قدیم میں یونان کی اکثر ریاستوں میں غیر ملکی تجارت کی قطعاً ممانعت تھی اور اکثر ریاستوں میں لوگوں سے صنعت و کاریگری کا کام لینا جسم انسانی کی طاقت و قوت کو گھٹانا اور اس کی چستی اور چالاکی اور پھرتی کو فنا کرنا ہے۔ اس لئے کہ مقصود بالذات یہ ہوتا ہے کہ انسانوں سے فوجی مشق اور جسمانی ورزش کرائی جائے اور ان میں ایسی عادتیں پیدا کی جائیں کہ صعوبات جنگ کے متحمل اور مقابلۂ دشمن کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن جب انسانوں کو صنعت و دستکاری میں لگایا جاتا ہے تو ان عادتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ صعوبات جنگ کے تحمل کے لائق نہیں رہتے۔ اس اعتبار سے اس قسم کے مشاغل محض غلاموں

---

[1] ملاحظہ ہو دفتر پنجم کا دوسرا باب۔

کے لئے موزوں اور مناسب سمجھے جاتے تھے اور آزاد شہریوں کو ان سے باز رکھا جاتا تھا [۱] اس کے علاوہ کچھ ایسی ریاستیں بھی تھیں جن میں اس قسم کی ممانعتیں نہ تھیں، جیسے روم اور ایتھنز میں کسی قسم کی روک تھام نہ تھی - ان میں اکثرالناس ان پیشوں سے خارج رکھے جاتے تھے جو آجکل شہروں اور قصبوں میں ادنیٰ طبقات کے لوگوں کا شعار ھیں - قدیم زمانے میں اس قسم کے تمام پیشے امرا و رؤسا کے غلام کیا کرتے تھے - روم اور ایتھنز میں یہ کام غلام اپنے آقاؤں کے فائدے کے لئے کیا کرتے تھے - یہ آقا دولت مند اور صاحب اقتدار ہوتے تھے اور اس حیثیت سے ہر قسم کے ناگوار حالات سے محفوظ و مصئون ہوتے تھے - اس باب میں غریب اور نادار آزاد شہری ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے - اگر یہ شہری صنعت و دستکاری اختیار کرتے تھے تو ان کی ساختہ اشیا کے لئے بازار کا ملنا قریب قریب محال سمجھا جاتا تھا - لہذا آزاد شہری صنعت و دستکاری میں امرا اور رؤسا کے غلاموں کی ساختہ اشیا سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے - مگر غلاموں کی فطرت میں اختراع و ایجاد کی قابلیت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ھے تو محض شاذ ہوتی ھے - چنانچہ اصلاحات و ترمیمات جتنی کچھ رونما ہوئی ھیں وہ سب آزاد لوگوں کی کوششوں سے ہوئی ھیں خواہ آن کا تعلق مشینوں اور کلوں سے ہویا تقسیم عمل اور انصرام کار کے متعلق ہوں - اس لئے کہ جب تک تقسیم عمل کے اصولوں پر کام نہیں کیا جاتا محنت

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب ''روح لوئی'' جلد چہارم - باب ہشتم مون ٹیسکو -

میں بچت اور کام میں سہولت نہیں ہوتی - اگر کبھی کوئی غلام
کسی کام میں اس قسم کی اصلاح و ترمیم کی تحریک پیش کرتا
ہے تو اس کا آقا اس کو اس کی سستی اور سہل انگاری پر محمول
کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی خواہش ہے کہ اپنی محنت
بچائے اور مجھے نقصان پہنچائے - اس لئے غریب غلام کو انعام
کی جگہ دشنام نصیب ہوتی ہے اور شاید کبھی کبھی مار بھی
کھانی پڑتی ہے - اس لئے جن صناعات میں غلام کام کرتے ہیں
ان میں ان صناعات کی نسبت زیادہ مزدور لگائے جاتے ہیں جن میں آزاد
لوگ کام کرتے ہیں اس لئے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو غلاموں
کا کام آزاد مزدوروں کے کام سے گراں تر پڑتا ہے - مسٹر مون ٹیسکو
کا بیان ہے کہ ہنگری کی کانیں ترکی کی کانوں سے زیادہ سیر
حاصل نہیں ہیں مگر ان سے زیادہ نفع بخش ہیں اس لئے کہ
ہنگری کی کانوں کی معدن کاری پر خرچ کم ہوتا ہے - ترکی
کانوں میں غلام کام کرتے تھے اور ترکوں کے دماغ میں کبھی
یہ خیال پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مشینوں سے کام لیں - ان کے
نزدیک ان کے غلاموں کے دست و بازو مشینوں کے برابر تھے اس
کے برعکس ہنگری کی کانوں میں آزاد مزدور کام کرتے تھے -
یہ لوگ مشینیں لگاتے اور ان سے کام لیتے تھے - ان سے کام
میں سہولت اور محنت میں بچت ہوتی تھی - ۱ قدیم یونانیوں اور
رومیوں کے دور میں مصنوعات کی قیمتوں کا حال کچھ زیادہ معلوم
نہیں ہے - لیکن جو کچھ معلوم ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ

---

۱ ملاحظہ ہوں خطبات صفحہ ۲۳۱ - ''روح لوئی'' - جلد پنجم - باب
ہشتم از مصنفہ مون ٹیسکو -

عمدہ اور باریک قسم کی مصنوعات کی قیمت زیادہ تھی - ریشم سونے کے تول بکتا تھا - اس دور میں یورپ میں ریشم نہیں بنتا تھا بلکہ تمام و کمال شرق الہند سے آتا تھا - یہی باعث ہے کہ اس قدر گراں تھا کیونکہ فاصلہ کثیر اور کرایہ زیادہ تھا - کبھی کبھی سوتی کپڑے بھی اتنے ہی گراں ہوتے تھے - بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات خواتین کو جو سوتی کپڑوں کی قیمت دینی پڑتی تھی وہ بھی اتنی ہی بعید از قیاس ہوتی تھی حالانکہ سوتی کپڑے یورپ میں بنتے ہیں - ان کے حصول کے لئے انگلستان سے پرے کہیں نہیں جانا پڑتا تھا - اس گرانی کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس پر مزدوری بہت لگتی تھی اور مزدوری کی اس زیادتی کی تہ میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ وہ مشینیں بھدی اور بیکار تھیں جن سے اس صنعت میں کام لیا جاتا تھا - اونی کپڑوں کی قیمت بھی آج کل کی قیمت کے مقابلے میں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے اگرچہ اتنی زیادہ اور بے اندازہ نہیں ہے جتنی سوتی کپڑوں کی ہے - مسٹر ''پلائی نی'' کا بیان ہے کہ بعض کپڑے خاص انداز سے رنگے جاتے ہیں - یہاں تک کہ ان کی رنگائی پر تین پونڈ چھ شلنگ اور آٹھ پنس فی پونڈ[۱] (رطل) لگ جاتے ہیں - بعض بعض اور اور انداز سے رنگے جاتے تھے - ان کی رنگائی پر تینتیس پونڈ چھ شلنگ اور آٹھ پنس فی پونڈ (رطل) صرف ہوتے تھے - اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رومی پونڈ صرف بارہ پنس (اسباب بنج) ہوتے تھے - قیمت میں یہ گراں قدر اضافہ محض رنگائی کی

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ طبعی - جلد نہم - باب انتالیس -

وجہ سے ہو جاتا تھا لیکن اگر کپڑا بھی اس سے زیادہ مہنگا نہ ہوتا جتنا آج کل ہے تو اس کی رنگائی پر اس قدر زیادہ خرچ نہ کیا جاتا اور اگر کیا جاتا تو اصل میں اور معاون میں کوئی تناسب قائم نہ رہتا - یہی مصنف مسٹر ''موں نس کو'' کہتے ہیں کہ ایک قسم کا ترنگا اونی کپڑا ہوتا ہے ان کے تکیے اور گدے بنتے ہیں - ان سے کمر لگا کر اور سہارا لے کر بیٹھتے ہیں - ان کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اعتبار سے باہر ہے - کہتے ہیں کہ بعض بعض کی قیمت تین تین ہزار پونڈ ہوتی ہے اور بعض بعض کی قیمت تو تین تین لاکھ تک پہنچ جاتی ہے -[1] بیان کیا جاتا ہے کہ قیمت کی اس گرانی کا راز بھی رنگائی میں مضمر نہیں ہے - ڈاکٹر آربتھناٹ کا خیال ہے کہ دور حاضر کے باوضع طبقے کے ذکور و اناث کے لباس میں اس قدر تنوع ہے جس قدر عہد قدیمہ میں نہیں تھا -[2] اس خیال کی تائید وتوقیق میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایام قدیم کے ساختہ مجسموں کے لباس میں تنوع بہت کم پایا جاتا ہے - اس سے مصنف موصوف یہ نتیجہ استنباط کرنا چاہتے ہیں کہ قدما کا لباس من حیث الکل ہمارے لباس کی نسبت سستا ہوتا تھا مگر اس استنباط میں وہ حق بہ جانب معلوم نہیں ہوتے - جس حالت میں باوضع لباس پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے تو لازم ہے کہ اس میں تنوع

---

۱ ملاحظہ ہو تاریخ طبعی - جلد ہشتم - باب اڑتالیس - مصنفہ ''پلائی نی''
یہ نوٹ طبع اول میں نہیں ہے - اسی طرح اس سے پہلا نوٹ بھی طبع اول میں نہیں ہے -

۲ ملاحظہ ہو - جلد اول سکہ جات - اوزاق اکبال مرتبہ جان آربتھ ناٹ - طبع دوم - صفحات ۱۴۲ تا ۱۴۵ - مطبوعہ ۱۷۵۴ ع -

بہت کم ہو - لیکن جب خرچ کم ہو جاتا ہے تو تنوع میں
لا محالہ اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ جب صنعت و حرفت کے
امور میں اصلاح و ترمیم ہوتی ہے تو محنت و صنعت کی بارآور
قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے - اس سے قیمت میں اعتدال ہوئے
بغیر نہیں رہتا - لہذا وہ امرا و رؤسا جو کسی زمانے میں محض
ایک پوشاک کی وجہ سے اپنا امتیاز قائم نہیں رکھ سکتے تھے،
اب پوشاکوں کی کثرت اور ان کے تنوع کے ذریعے اس امتیاز
کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں -

جن علل واسباب سے مصنوعات کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے - ان سے زراعت میں تنزل ہوتا ہے -

قبل ازیں یہ امر معرض بیان
میں آ چکا ہے ۱ کہ ہر قوم کی
تجارت کی نہایت اہم اور معرکۃ الارا
شاخ وہ ہوتی ہے جو اہل شہر
و قصبات اور اہل دیہات و قریات کے درمیان ہوتی ہے - اہل
شہر و قصبات اہل دیہات و قریات سے وہ سامان - خام حاصل
کرتے ہیں جو ان کی صنعت و حرفت کے لئے ضروری اور ان
کی خورونوش کے ذخیرے کے لئے لابدی ہوتا ہے - یہ اہل
شہر و اہل قصبات اپنی مصنوعات کا ایک حصہ دیہات و قریات
میں واپس بھیجتے ہیں - یہ حصہ اسی سامان خام سے بنتا ہے
جو دیہات سے حاصل ہوتا ہے اور فوری صرف کے لئے ضروری
ہوتا ہے - اسی طرح اہل شہر و اہل دیہات کے خام سامان
کا معاوضہ ادا کرتے ہیں - اہل قصبات و اہل دیہات قوم کے دو
طبقات ہیں - ان دونوں کے مابین جو تجارت ہوتی ہے وہ بالآخر
یہ ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے سے سامان خام لیتا اور اس
کے معاوضے میں اس کو مصنوعات کی ایک مقدار دیتا ہے -

۱ دفتر سوم باب اول -

مصنوعات اور ساختہ اشیا کی قیمت جس نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ سامان خام کی قیمت اسی نسبت سے کم ہوتی ہے اور جس چیز کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ مصنوعات کی قیمت کو گراں کر دے۔ اس کا رجحان اس طرف بھی ہوتا ہے کہ سامان خام کی قیمت کو کم کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زراعت و فلاحت کی ہمت پست ہو جاتی ہے۔ سامان خام کی ایک معینہ مقدار کے مقابلے میں مصنوعات کی مقدار جس قدر کم حاصل ہوتی ہے یا بہ الفاظ دیگر سامان خام کی معینہ مقدار کی قیمت کے معاوضے میں ساختہ اشیا کی مقدار جتنی خریدی جا سکتی ہے سامان خام کی قابل مبادلہ قیمت اسی قدر کم ہوتی ہے[1] اور جس نسبت سے سامان خام کی قابل مبادلہ قیمت میں کمی ہوتی ہے، اسی نسبت سے زمیندار اور زراعت کی حوصلہ افزائی میں کمی ہوتی ہے۔ یعنی زمیندار کے لئے اس امر کی تحریک نہیں ہوتی کہ وہ اراضی کی نوعیت میں اصلاح و ترمیم کرے اور زمین کی پیداوار کی مقدار بڑھائے۔ اسی طرح زراعت کار کے لئے اس تحریک کا کوئی موقع نہیں رہتا کہ کاشتکاری کی طرف توجہ کرے۔ اس کے علاوہ جن علل و اسباب کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ صناعوں اور کاریگروں کی تعداد میں تخفیف کرے ان کا رجحان اس طرف بھی ہوتا ہے کہ بازار وطن کا دائرہ تنگ اور محدود کر دیں اور ہر ملک کی خام پیداوار کے لئے سب سے زیادہ اہم اور ضروری بازار یہی بازار وطن ہوتا ہے۔ بازار کی اس تنگی کی وجہ سے زراعت و فلاحت کی ہمت اور بھی پست ہو جاتی ہے۔

---

۱ طبع اول میں قابل مبادلہ قیمت کی جگہ اصلی قیمت ہے۔

جو نظام صنعت اور غیر ملکی تجارت کی راہ میں رکاوٹیں پیش کرتے ہیں وہ زراعت کی ہمت شکنی کرتے ہیں۔

اس لئے جو نظام زراعت اور کشتکاری کو اور تمام کاروبار پر سبقت دیتے ہیں اور اس کو فروغ بخشنے کے لئے صنعت و غیر ملکی تجارت کی راہ میں گونا گوں رکاوٹیں پیش کرتے ہیں وہ خود اس مقصد کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس کی وہ تائید و حمایت کرنی چاہتے ہیں اور نادانستہ و بالواسطہ طور پر صنعت کی اسی شاخ کی ہمت شکنی کرتے ہیں جس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ اس باب میں یہ نظام اس سے بھی زیادہ معاند و مخالف ہے جتنا نظام تجارت ہے یہ نظام تجارت صنعت و حرفت اور غیر ملکی تجارت کی اس سے زیادہ ہمت افزائی کرتا ہے جس قدر زراعت و فلاحت کی کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرہ انسانی کے راس المال کا ایک حصہ زیادہ نفع بخش اور سود مند صنعت کی تائید و حمایت سے باز رہتا ہے اور کم نفع رساں صنعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ نظام بالآخر صنعت کی اس شاخ کی تائید و حمایت کرتا ہے جس کی ترقی کا یہ خواہاں ہے۔ نظام زراعت کی حالت اس کے برعکس ہے۔ یہ نظام بالآخر صنعت کی اسی شاخ کی ہمت شکنی کرتا ہے جس کی حمایت و اعانت کا یہ دم بھرتا ہے۔

پس جو نظام ہمت افزائی کرتا یا رکاوٹ پیش کرتا ہے وہ معاشرے کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔

اس لئے کچھ نظام تو ایسے ہیں کہ صنعت و حرفت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس غیر معمولی حوصلہ افزائی کے ذریعے اس امر کی کوشش کرتے

ھیں کہ صنعت و حرفت کی کسی خاص شاخ کی طرف اس سے زیادہ راس المال رجوع کر لیں جتنا قدرتی حالات میں اس کی طرف رجوع ھونا چاھئے اور کچھ نظام ایسے ھیں کہ اس کی ھمت شکنی کرتے اور اس امر میں کوشاں ھوتے ھیں کہ اپنی غیر معمولی ممانعات کے ذریعے صنعت اور حرفت کی کسی شاخ کی طرف سے وہ راس المال منحرف کر دیں جو قدرتی طور پر ان کی طرف راجع ھوتا ھے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں نظام اس مقصد کے خلاف ھیں جس کی تائید و حمایت کا وہ دعویٰ کرتے ھیں۔ ان میں سے کوئی نظام بھی سوسائٹی کی ترقی کی راہ میں سہولتیں پیدا نہیں کرتا بلکہ ھر ایک نظام اس ترقی کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرتا ھے جو حصول دولت و ثروت اور اکتساب شوکت و عظمت کے لئے لازم ھے۔ ان میں سے ھر ایک کی وجہ سے محنت اور اراضی کی سالانہ پیداوار کی قدر و قیمت میں کمی واقع ھوتی ھے اضافہ نہیں ھوتا۔

فطری آزادی کے نظام میں تاجدار کے ذمے تین فرض ھوتے ھیں۔

جب یہ دونوں نظام کما حقہ مرتفع ھو جاتے ھیں تو صرف ایک نظام باقی رہ جاتا ھے یعنی جب نظام ترجیح و مراعات اور نظام ممانعات باقی نہیں رھتے تو فطری آزادی کا نظام باقی رہ جاتا ھے۔ یہ سیدھا سادہ اور واضح نظام ھے کہ خود بخود قیام پذیر ھو جاتا ھے۔ ھر شخص اس باب میں بالکل آزاد اور خود مختار ھے کہ اپنے منافع و مفاد کے امور پر بطور خود غور و فکر کرے اور اپنی محنت و صنعت سے یا اپنے راس المال سے جس شخص کا مقابلہ کرے اور جن اشخاص سے چاھے ھمسری کا دم بھرے لیکن قوانین عدل اور آئین

انصاف کی خلاف ورزی نہ کرے اس اعتبار سے تاجدار ایک
ایسے فرض کی انجام دہی سے بری ہو جاتا ہے جس کو وہ
کسی طرح ادا نہیں کر سکتا اور جس کی انجام دہی کے لئے
اس کو گونا گوں فریبوں اور بوقلموں سرابوں کا شکار ہونا
پڑتا ہے اس فرض کی انجام دہی کے لئے نہ عقل فانی کافی ہے اور
نہ علم انسانی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ دنیا اور ما فیہا
میں کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ نجی اشخاص کی صنعت و
حرفت کی نگرانی کر سکے اور اس کے رخ کو ان امور کی طرف
پھیر سکے جو سوسائٹی کے مفاد کے لئے موزوں اور معاشرۂ انسانی
کے منافع کے لئے مناسب ہوں۔ اس فطری آزادی کے نظام کی
رو سے تین فرض ایسے رہ جاتے ہیں جن کی طرف متوجہ ہونا تاجدار
وقت کے لئے لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ یہ تینوں فرض اپنی ماہیت و نوعیت کے اعتبار سے نہایت
اہم اور قابل اعتنا ہیں بلکہ بالکل صاف اور قابل فہم ہیں۔

اول - دفاع

ان میں سب سے پہلا فرض دفاع و تحفظ
مملکت ہے۔ یعنی اس کا یہ فرض ہے
کہ اپنی رعیت کو غیروں کی دست برد اور ان کے حملے اور
تشدد سے محفوظ رکھے۔

دوم - انصرام عدالت

اس کا یہ فرض ہے کہ رعایا کے
افراد و ارکان کو اپنی رعایا کے
دیگر افراد و ارکان کے ظلم و تشدد سے بچائے اور جہاں تک
اس کے امکان میں ہو عدل و انصاف کو قائم رکھے۔

سوم - تعمیرات عامہ

اس کے بعد اس کا فرض یہ ہے کہ
عمارات عامہ بنوائے اور ان کے

رکھ رکھاؤ کا بار اپنے ذمے لے۔ اسی طرح اس کو چاہئے کہ ادارات عامہ قائم کرے اور ان کو بحال رکھے اس لئے کہ ان چیزوں سے کسی شخص واحد کے مفاد وابستہ نہیں ہوتے یہاں تک کہ افراد انسانی کے چھوٹے چھوٹے طبقات کے مفاد بھی ان امور عامہ سے مربوط نہیں ہوتے کہ ان کو ان کے بنانے اور قائم رکھنے کی تحریص اور ترغیب ہو سکے۔ اس لئے کہ ان سے منافعہ اس قدر نہیں ہوتا کہ افراد یا مختصر طبقات کے اخراجات کی باز یابی کا کفیل ہو سکے لیکن اسے معاشرۂ انسانی کے طبقہ کثیر کے اخراجات کی بازیابی بوجہ احسن ہوتی ھے بلکہ بسا اوقات فی‌الواقع اس سے بھی زیادہ ہوتی ھے۔

دفتر آئندہ میں تاجدار وقت کے ضروری اخراجات سے بحث کی جائے گی اور یہ دکھایا جائے گا کہ تمام سوسائٹی کے اخراجات کی وصولی کے کیا طریقے ھیں قرضہ جات عامہ کے علل و اسباب اور ان کے نتائج کیا ھیں۔

تاجداران وقت کے ان فرائض منصبی کی انجام دھی کے لئے اخراجات کی ایک خاص مقدار بھی لابدی اور ضروری ھے اور ان اخراجات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مداخل و محاصل اشد ضروری ھیں اس لئے دفتر آئندہ میں یہ کوشش کی جائے گی کہ مندرجۂ ذیل امور پر روشنی ڈالی جائے۔ اول، تاجدار وقت یا دولت مشترکہ کے اخراجات کیا کیا ھیں اور وہ کون کون سے اخراجات ھیں جن سے عام پبلک سے چندہ لیا جا سکتا ھے اور وہ اخراجات کون کون سے ھیں کہ پبلک کے ایک خاص طبقے سے وصول کئے جائیں یا جن کا بار معاشرۂ انسانی کے خاص خاص افراد و ارکان پر ڈالا جائے۔ دوم، وہ کیا طریقے ھیں جن کے مطابق

تمام سوسائٹی سے چندہ جمع کیا جائے کہ ان اخراجات کے بار سے عہدہ برآ ہو سکیں جو تمام معاشرۂ انسانی کے ذمے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی ذات میں کیا کیا کوتاهیاں مضمر ہیں اور سوم - وہ علل و اسباب کیا ہیں جنھوں نے قریب قریب تمام موجودہ حکومتوں کو اس امر کی طرف راغب کر دیا ہے کہ اپنے مداخل و محاصل کا ایک حصہ رہن کریں اور قرضہ لیں اور اصلی اور حقیقی دولت اور ثروت پر اور سوسائٹی کی صحت اور اراضی کی سالانہ پیداوار پر اس فرض کے اثرات کیا مرتب ہوئے - یہی باعث ہے کہ آئندہ باب فطری طور پر تین بابوں میں منقسم ہوگا -

دفتر پنجم

محاصل تاجداران وقت یا مداخل دولت مشترکه

باب اول

مصارف تاجداران وقت یا اخراجات دولت مشترکه

حصہ اول

مصارف دفاع

فوج کے اخراجات مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں۔

تاجداران وقت کا اولین فرض یہ ہے کہ رعایا کے افراد و ارکان کو حملۂ غیر سے بچائیں اور ان کو دیگر آزاد اور خود مختار اقوام کے ظلم و تشدد سے محفوظ رکھیں ۔ اس فرض کی انجام دھی کے لئے لازم ہے کہ ان کے پاس سپاہ و لشکر کی کافی تعداد موجود ہو جو زمانۂ امن و امان میں تیار کی جائے اور زمانۂ جنگ میں استعمال کی جائے۔ اس تیاری اور استعمال کے لئے معتدبہ مصارف کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ یہ مصارف مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں مختلف ہوتے ھیں اور یہ اختلاف اصلاح و ترقی کی حالت کے متناسب ہوتا ہے ۔

شکاری قوموں میں مصارف دفاع کچھ نہیں ہوتے ۔

معاشرۂ انسانی کی سب سے ادنیٰ اور غیر مہذب قوم وہ ہوتی ہے جو شکار پر گزارہ کرتی ہے ۔ اس قسم کی وحشی قومیں شمالی امریکہ

میں پائی جاتی ھیں۔ ان قوموں میں ھر شخص کھلاڑی اور ھر فرد عسکری ھوتا ھے۔ اس قسم کے عسکری شکاریوں کو کبھی کبھی اوروں سے نبرد آزمائی کرنا اور ان کے مقابلے میں جانا پڑتا ھے۔ کبھی تو یہ مقابلہ ان کو خود اپنی سوسائٹی کے دفاع و تحفظ کے لئے کرنا پڑتا ھے اور کبھی اس کی تہ میں ایک گونہ جذبۂ انتقام کار فرما ھوتا ھے اور یہ عسکری شکاری ان نقصانات کا بدلہ لینے کے درپے ھوتے ھیں جو اور قوموں کی طرف سے ان کو پہنچتے ھیں۔ اس جدال و قتال میں عسکری شکاری اپنا گزارہ صرف اپنی محنت سے کرتے ھیں اور اسی طرح رھتے سہتے ھیں جس طرح وطن میں رھتے چلے آئے ھیں۔ اندریں حالات نہ کوئی تاجدار ھوتا ھے اور نہ کوئی دولت مشترکہ وجود پذیر ھوتی ھے اس لئے اس قوم پر کسی قسم کے مصارف کا بار نہیں پڑتا نہ تو اس کو میدان جنگ کے لئے تیاری کرنی پڑتی ھے اور نہ سپاہ اور لشکر کے رکھ رکھاؤ کے لئے زیر بار ھونا پڑتا ھے۱۔

جب چرواھوں کی قوم بر سر پیکار ھوتی ھے تو اپنا تمام مال اپنے ساتھ لے جاتی ھے۔

چرواھوں اور چوپانوں کی قوم شکاریوں کی قوم سے ترقی اور تہذیب میں ایک منزل آگے ھوتی ھے۔ اس قسم کی گلہ بان قومیں عربوں اور تاتاریوں میں پائی جاتی ھیں۔ ان قوموں میں بھی ھر شخص بطور خود ایک سپاھی ھوتا ھے۔ یہ قومیں خانہ بدوش ھوتی ھیں۔ یہ کہیں بستی بسا کر نہیں رھتیں بلکہ ڈیروں اور خیموں میں رھتی ھیں یا ایسی گاڑیوں

---

۱ ملاحظہ ھوں خطبات نمبر ۱۴۔

میں بسر کرتے ہیں جن پر بالا پوش چڑھے ہوتے ہیں۔ یہ گاڑیاں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف آسانی سے منتقل ہو سکتی ہیں۔ ہر سال جب موسم بدل جاتا ہے تو یہ قبیلے بھی اپنا مقام بدل لیتے ہیں یا کوئی اور حادثہ پیش آتا ہے تو تمام قوم کی قوم ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا پڑتی ہے۔ جب اس قوم کے مواشی اور ریوڑ اس تمام گھاس اور چارے کو ختم کر چکتے ہیں جو کسی خاص علاقے میں پایا جاتا ہے تو یہ قوم کسی اور علاقے کی طرف نقل مکانی کرتی ہے اور اس کے بعد کسی اور طرف کا رخ کرتی ہے۔ خشک سالی کے زمانے میں یہ قوم دریاؤں کے کنارے آ جاتی ہے اور برسات کے موسم میں بالائی علاقوں کی طرف چلی جاتی ہے۔ جب یہ گلہ بان قوم کسی اور قوم سے بر سر پیکار ہوتی ہے تو اپنے مویشیوں اور بھیڑوں کے گلوں کو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی حفاظت و نگرانی میں نہیں چھوڑ جاتے اس لئے کہ یہ لوگ تو خود اتنے ضعیف اور ناتواں ہوتے ہیں کہ حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ یہ قومیں اپنی عورتوں، بچوں اور بوڑھے آدمیوں کو بھی بے سر و سامانی کے عالم میں پیچھے چھوڑنا پسند نہیں کرتے بلکہ کل قوم کی قوم ایک ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے میدان میں نکل آتی ہے اس لئے کہ زمانۂ امن و امان میں یہ قوم خانہ بدوشی کی عادی اور صحرا نشینی کی خوگر ہوتی ہے۔ خواہ یہ قوم سپاہ و لشکر کی حیثیت سے کوچ کرے یا چوپانوں اور چرواہوں کے گروہوں کے انداز سے سفر کرے۔ اس کا انداز حیات قریب یکساں ہی رہتا ہے اگرچہ اس کا مقصد سفر بدل جاتا ہے مگر اس کے

طرز ماند و بود میں کچھ فرق نہیں آتا اس لئے یہ تمام لوگ من حیث الکل میدان جنگ میں در آتے ھیں۔ ان میں سے ہر شخص انفرادی حیثیت سے سعی و کوشش کی داد دیتا اور وہ کچھ کرتا ھے جو وہ کر سکتا ھے۔ تاتاریوں میں بسا اوقات عورتیں بھی میدان جنگ میں آتی اور سپہ گری کے جوھر دکھاتی ھیں۔ اگر یہ لوگ مظفر و منصور ھوتے ھیں تو معاند اقوام کا تمام مال و متاع ان کی فتح کا صلہ متصور ھوتا ھے اور اگر یہ لوگ مفتوح و مغلوب ھوتے ھیں تو ھر چیز سے ھاتھ دھو بیٹھتے ھیں۔ ان کے مویشی اور زیور فتح مند دشمن کے حصے میں آتے ھیں اور ان کے زن و فرزند ان کا مال غنیمت سمجھے جاتے ھیں۔ جو بد نصیب میدان کار زار سے زندہ واپس آ جاتے ھیں ان میں سے اکثر لوگ اپنے آپ کو اس امر پر مجبور پاتے ھیں۔ کہ فتح یاب دشمن کے سامنے سر تسلیم خم کریں تاکہ فوری اخراجات کی کوئی سبیل نکل آئے۔ باقی ماندہ لوگوں کو عام طور پر جنگلوں اور بیابانوں میں منتشر اور پراگندہ ھونا پڑتا ھے۔

تاجدار پر کچھ صرف نہیں ھوتا۔

عربوں اور تاتاریوں کی روزانہ زندگی اور ان کی معمولی ورزشیں ان قوموں میں وہ صفات پیدا کر دیتی ھیں کہ جدال و قتال کے امور کی انجام دھی کے لئے کافی ھوتی ھیں۔ دوڑ دھوپ کرنا، کشتی کرنا، دوڑ کرنا، نیزہ بازی، کمان کشی اور گتکا بازی ان لوگوں کے روز مرہ کے مشاغل ھیں جو کھلی ھوا میں زندگی بسر کرتے ھیں اور یہی امور ھیں کہ جدال و قتال کا چربہ ھیں۔ جب عربی اور تاتاری قومیں فی الواقع

مشغول جنگ و جدل ہوتی ہیں تو ان کے مواشی اور ان کے گلے ان کے لئے سامان خور و نوش بہم پہنچاتے ہیں۔ اس اعتبار سے حالت امن و امان اور عالم جدال و قتال میں کچھ امتیاز نہیں ہوتا۔ ان کے سردار اور تاجدار ان کو میدان کارزار کے لئے تیار کرتے ہیں مگر ان کا قوم پر بار نہیں ہوتا۔ دوران جنگ میں ان کو صرف مال غنیمت کی توقع ہوتی ہے اور اس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔

چوپان اور چرواہے شکاریوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

شکاریوں کی فوج میں کل دو سو تین سو آدمی ہوتے ہیں اس سے زیادہ نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے لئے سامان خور و نوش کی بہم رسانی یقینی نہیں ہوتی اس کا حصول محض اتفاق پر موقوف ہوتا ہے۔ اندریں حالات یہ امر محال ہوتا ہے کہ تعداد کثیر عرصۂ دراز تک ایک جگہ جمع رہ سکے۔ اس کے برعکس چوپانوں اور چرواہوں کے لشکر کی تعداد بسااوقات دو دو تین تین لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ جب تک ان کے رستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی وہ ایک علاقے سے چلتے اور دوسرے میں پہنچتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ ایک مرغزار کی گھاس اپنے مویشیوں کو چراتے ہیں۔ جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو یہ لوگ کسی اور مرغزار کی طرف رخ کرتے ہیں۔ جب تک یہ لیل ونہار قائم رہتے ہیں، ان کی تعداد میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی اور یہ سب کے سب ایک ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ شکاریوں کی قوم ان مہذب اور متمدن قوموں پر کسی طرح کا رعب نہیں ڈال سکتی جو اس کے گرد و پیش آباد ہوتی ہیں۔ لیکن چوپانوں اور چرواہوں کی قوم ان کو مرعوب کر سکتی ہے۔ اتنی

نفرت خیز اور حقارت آمیز اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی جتنی شمالی امریکہ میں اصلی باشندوں اور آباد کاروں کی لڑائی ہوتی ہے۔ ان کے برعکس کوئی حملہ اس قدر مہیب اور خوفناک نہیں ہو سکتا جس قدر ایشیا میں تاتاریوں کے حملے ہوتے تھے تھیوسی - دائیدیس کا خیال ہے کہ یورپ اور ایشیا دونوں مل کر بھی استھیا والوں کے متفقہ حملے کو نہیں روک سکتے - اس خیال کو قرون مابعد کے تجربوں نے صحیح کر دکھایا ہے۱ - استھیا یا تاتار کے وسیع اور فراخ میدان میں بسنے والے جہاں نہ دفاع کا سامان تھا نہ تحفظ کا نشاں تھا، منتشر اور پراگندہ رہتے تھے مگر کبھی کبھی کسی گروہ یا قبیلے کا کوئی سردار ان پر غلبہ اور تصرف حاصل کر لیتا تھا - اس صورت میں یہاں کے باشندے اور سردار کی سیادت میں متفق و مجمع ہو جاتے ہیں مگر یہ لوگ جب متفق ہوجاتے تھے ایشیا میں طوفان مچاتے اور تباہی برپا کردیتے تھے - ان کا اجتماع ہمیشہ غارت گری اور بربادی کا پیش خیمہ سمجھا جاتا تھا - عرب بھی چوپانوں اور چرواہوں کی ایک قوم ہے- اس کے لق و دق صحرا بے آب و گیاہ میدان ہیں - ان میں نہ رہنے کا ٹھکانا نہ کھانے کا سامان ہے - یہاں کے باشندے بھی کبھی متفق و متحد نہیں ہوئے - ایک بار پیغمبر اسلام اور خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں متفق ہوئے تھے -۲ اس وقت بھی ان کا اجتماع جس قدر مذہبی

---

۱ جو کچھ تھیوسی-دائیدیس کہتا ہے - وہ یہ ہے کہ اگر استھیا والے آپس میں متفق اور متحد ہو جائیں تو یورپ اور ایشیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو ان کی مزاحمت کر سکے ملاحظہ ہو تاریخ جنگ پیلو پونیشیا - دفتر دوم - صفحہ ۹۷ - مصنفہ تھیوسی-دائیدیس -

۲ ملاحظہ ہوں خطبات صفحات نمبر ۲۰ اور ۲۱ -

جوش اور دینی جذبات پر مبنی تھا اس قدر دنیوی فتح و ظفر پر نہ تھا - اگر امریکہ کی شکاری قومیں مویشی پالنے اور گلہ بانی کرنے لگیں تو یورپ کی نو آبادیوں کے لئے اس سے کہیں زیادہ مہیب و خطرناک ثابت ہونگی جتنی آج کل ہیں -

کاشتکار، ادنلی تاجر اور چھوٹے موٹے کاریگر آسانی سے سپاہی بن سکتے ہیں - تاجداران وقت ان لوگوں کو آسانی سے میدان جنگ کے لئے تیار کر سکتے ہیں- ان پر کچھ صرف نہیں ہوتا-

معاشرۂ انسانی کی اس سے زیادہ ترقی یافتہ حالت وہ ہے کہ قوم زراعت پیشہ ہو، تھوڑی بہت غیر ملکی تجارت کرتی ہو اور ایسے چھوٹے موٹے گھریلو سامان تیار کر لیتی ہو کہ ہر خاندان اپنی ضروریات کے لئے بنا لیتا ہے - ایسی قوم میں یا تو ہر شخص بطور خود سپاہی ہوتا ہے یا آسانی سے بن جاتا ہے - جو لوگ زراعت کرتے ہیں وہ تمام دن کھلے میدان میں رہتے ہیں جہاں نہ گرمی سردی سے مفر ہوتا ہے نہ صعوبات و شدائد موسم کے خلاف کوئی چارۂ کار ہوتا ہے - ان لوگوں کو روزانہ زندگی میں طرح طرح کی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں اور یہی سختیاں ان کو صعوبات جنگ کے لئے تیار کر دیتی ہیں - ان صعوبات جنگ میں سے بعض صعوبتیں تو ایسی ہیں کہ ان کے روزانہ پیشوں کی صعوبتوں سے بہت کچھ مشابہ ہیں - مثلاً کچھ لوگ کھائیاں کھودتے اور خندقیں تیار کرتے ہیں - ان کا پیشہ ان کو مورچے بنانے اور استحکامات معسکر تیار کرنے میں مدد دیتا ہے - اس لئے کہ اس کام میں اور کھیتوں کے گرد احاطہ بندی کرنے میں ایک خاص مناسبت ہے - کسانوں اور چرواہوں کی تفریحات بھی بالکل یکساں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے فنون جنگ کا نمونہ ہوتی

ھیں - لیکن کسانوں کو اتنی فرصت نہیں ھوتی جتنی چرواھوں
کو ھوتی ھے - یہی باعث ھے کہ کسانوں اور کاشتکاروں کو
ان تفریحات سے حظ اندوز ھونے کے موقع کم ملتے ھیں - یہ
لوگ سپاھی تو ھوتے ھیں مگر ایسے سپاھی نہیں ھوتے کہ
اپنی ورزش میں پوری طرح طاق و مشاق ھوں - لیکن اس حالت
میں بھی میدان کارزار کے لئے تیار کرنے میں تاجدار وقت یا
دولت مشترکہ کو ان پر کچھ صرف نہیں کرنا پڑتا -

میدان جنگ میں ان کے رکھ رکھاؤ پر کچھ صرف نہیں ھوتا -

اقامت اورسکونت پذیری زراعت و کشتکاری
کے مفہوم میں داخل ھے ، خواہ
زراعت کتنی ھی ادنےٰ اور غیر ترقی
یافتہ حالت میں کیوں نہ ھو - جب کاشتکاری اختیار کی
جاتی ھے تو کسی نہ کسی جگہ بود و باش اختیار کرنی پڑتی
ھے اور جب اس بود و باش کو ترک کیا جاتا ھے تو نقصان
عظیم گوارا کرنا پڑتا ھے - نقصان عظیم کے بغیر ترک وطن محال
ھے اس لئے جب کوئی کسانوں اور کاشتکاروں کی قوم میدان
جنگ میں جاتی ھے تو اس قوم کے تمام افراد ایک ساتھ میدان
کارزار میں در نہیں آتے بلکہ کم از کم بچے عورتیں اور بوڑھے
پیچھے رہ جاتے ھیں اور گھر بار کی دیکھ بھال کرتے ھیں -
لیکن فوجی عمر کے تمام جوان میدان جنگ میں چلے جاتے ھیں
اور اس قسم کی قلیل التعداد اقوام میں بسا اوقات ایسا ھو بھی
گیا ھے - ھر قوم میں قابل جنگ نوجوان مردوں کی تعداد کل
قوم کا چوتھا یا پانچواں حصہ ھوتی ھے - اگر معرکۂ جنگ
دوران تخم ریزی کے بعد شروع ھوتا اور ھنگام درو سے پہلے
ختم ھو جاتا ھے تو کاشتکار اور کسان اور دیہاتی مزدور کھیتی کیاری

کے کام سے سبک دوش ہو جاتے ہیں اور اس سے کچھ زیادہ نقصان بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اس دوران میں جو کچھ کرنا ہوتا ہے، وہ عورتیں بچے اور بوڑھے اچھی طرح کر سکتے ہیں - لہذا اگر معرکۂ رزم چند روزہ اور قلیل المیعاد ہوتا ہے تو کاشتکار اور کسان اس میں خوشی سے در آتے ہیں او، کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتے - اس صورت میں تاجداران وقت اور دولت مشترکہ کو نہ تو اس فوج کی بنا پر کچھ صرف کرنا پڑتا ہے نہ اس کے رکھ رکھاؤ کا بار ان پر پڑتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یونان قدیم کی تمام ریاستوں کے باشندوں کو اسی طرح جبری خدمت انجام دینی پڑتی تھی اور یہ سلسلہ دوسری ایرانی جنگ تک جاری تھا اور ''پیلو پوئی سوس'' کے باشندوں کو جنگ پیلو پونیشیا کے اخیر تک اس قسم کی فوجی خدمت انجام دینی پڑتی تھی - تھیوسی دائیدیس کا بیان ہے کہ ''پیلو پونی سوس'' کے باشندے عموماً موسم گرما میں میدان رزم کو خیر باد کہتے اور فصلیں کاٹنے کے لئے اپنے گھروں کو واپس چلے آتے تھے - ۱ اس کے بعد عمومیہ رومہ کے قرون اولے میں اسی قسم کی فوجی خدمات انجام دینی پڑتی تھیں۲ - اس کے بعد یہ ہوا کہ کچھ لوگ اپنے گھروں میں ٹھہرنے لگے - لیکن جو لوگ گھروں میں ٹھہرتے تھے وہ ان لوگوں کے مصارف کے لئے چندہ دیتے تھے، جو میدان جنگ میں جاتے تھے - لیکن یہ بھی محاصرۂ ''وی'' کے بعد شروع ہوا اس

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر ہفتم تاریخ جنگ پیلو پونیشیا - مصنفہ تھیوسی دائیدیس - صفحہ ۲۷

۲ ملاحظہ ہو تاریخ رومۃالکبریٰ - مصنفہ لیوی - دفتر پنجم صفحہ ۲

سے پہلے نہیں تھا۔[1] سلطنت روما‌الکبریٰ کے زوال پر یورپ میں شخصی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں اکابر و امرا اور ان کے بلا واسطہ دست نگر لوگوں کو تاجداران وقت کی طرف سے جنگی خدمات اپنے خرچ سے انجام دینی پڑتی تھیں۔ یہ سلسلہ قانون جاگیر داری سے پہلے شروع ہوا اور اس کے بعد کچھ عرصے تک جاری رہا۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں اپنا گزارہ اپنے محاصل و مداخل پر کرتے تھے۔ اسی طرح میدان جنگ میں بھی اپنا گزارہ آپ کرتے تھے۔ ان کا گزارہ اس وظیفے یا اس مشاہرے پر ہوتا تھا جو ان کو کبھی کبھی خاص خاص موقعوں پر تاجدار وقت کی طرف سے ملتا تھا۔

قرون ما بعد میں یہ امر ضروری ہو گیا کہ ان لوگوں کو تنخواہ دی جائے جو میدان جنگ میں جاتے ہیں۔

جب معاشرۂ انسانی اس حد سے آگے ترقی کر لیتا ہے تو یہ امر محال ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ اپنے خرچ سے گزارہ کریں جو میدان جنگ میں کام کرتے ہیں۔ اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ وہ دو سبب حسب ذیل ہیں۔

اول۔ صنعت و حرفت میں اضافہ۔

دوم۔ فنون جنگ میں اصلاح و ترقی۔

صناعوں اور کاریگروں کا بار پبلک پر ہوتا ہے جب وہ میدان جنگ میں ہوتے ہیں۔

جب کسانوں اور کاشتکاروں سے فصل بونے اور فصل کاٹنے کے درمیانی عرصے میں جنگی خدمت لی جاتی ہے تو اس سے ان کے کام میں کچھ زیادہ حرج نہیں

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ روما‌الکبریٰ۔ مصنفہ لوی چہارم صفحہ ۵۹۔ الخ۔

ہوتا اور معاشرۂ انسانی کے محاصل و مداخل میں اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا - کاشتکاروں اور کسانوں کے کام کا بیشتر حصہ فطرت خود انجام دیتی ہے - اس میں کسانوں اور فلاحوں کی خدمت کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہوتی - لیکن جب کوئی کاریگر اپنی کار گاہ کو چھوڑتا ہے - مثلاً ایک لوہار یا بڑھئی اپنے کارخانے کو خیر باد کہتا ہے اور ایک جولاہا اپنی کار گاہ سے رخصت ہوتا ہے تو وہ ذریعہ ختم ہو جاتا ہے جس پر اس کی آمدنی کا انحصار ہوتا ہے - فطرت ان کے لئے کچھ نہیں کرتی - وہ جو کچھ کرتا ہے خود کرتا ہے - اس لئے جب یہ کاریگر دفاع عامہ کے لئے میدان کار زار میں جاتے ہیں ، ان کے پاس مداخل و محاصل کے وہ ذرائع نہیں رہتے کہ وہ اپنا گزارہ آپ کر سکیں - اس لئے لازم ہو جاتا ہے کہ پبلک ان کے مصارف کا بار اپنے اوپر لے - لیکن جن ملکوں میں آبادی کا بیشتر حصہ صنعت و حرفت میں مصروف ہوتا ہے تو میدان جنگ میں جانے والوں کی بیشتر تعداد اسی حصے میں سے نکالی جاتی ہے اس لئے ان کے مصارف کا بار پبلک پر پڑتا ہے اور جب تک یہ لوگ جنگی خدمت میں رہتے ہیں اس وقت تک پبلک کو یہ بار برداشت کرنا پڑتا ہے -

جب معرکۂ جنگ زیادہ طول کھینچ جاتا ہے تو بلا معاوضہ جنگ ہر شخص پر ایک بار عظیم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ چرواہے اور چوپان بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے -

زمانے کے ساتھ ساتھ فنون جنگ میں آہستہ آہستہ اور بتدریج ترقی ہوتی چلی آئی ہے - یہاں تک کہ آج کل یہ فن نہایت پیچیدہ اور منشعب ہو گیا ہے - اس زمانے میں جدال و قتال کا فیصلہ ایک آدھ چھوٹی موٹی جھڑپ سے نہیں

ہوتا جس طرح کبھی پہلے ہو جاتا تھا - اس دور میں مجادلہ و مجاہدہ گوناگوں غزوات میں منقسم ہو جاتا ہے - ان سب سے غزوہ سال کے بیشتر حصے میں جاری رہتا ہے اس لئے دنیا بھر میں یہ امر لابدی قرار پا گیا ہے کہ ان لوگوں کے مصارف کا بار خود پبلک برداشت کرے جو پبلک کی طرف سے میدان جنگ میں آتے اور پبلک کے لئے لڑتے ہیں - کم سے کم دوران جنگ میں اس فرض کی ادائیگی سے پہلو تہی نہ کرے - دوران امن و امان میں مجاہدین کا پیشہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر معرکۂ جنگ ایک ایسی خدمت ہے جس پر صرف از حد لازم ہے - اس خدمت پر جب تک زر کثیر صرف نہیں کیا جاتا اس وقت تک مجاہدین کے لئے اس خدمت کی انجام دہی بار گراں ہوتی ہے - یہی وجہ ہے کہ دوسری ایرانی جنگ کے بعد سے یونانی فوج تنخواہ دار سپاہیوں سے مرکب معلوم ہوتی ہے - اس میں اہل ملک بھی تھے اور غیر ملکی بھی تھے مگر سب کے سب تنخواہ دار تھے اور سب کو تنخواہ سرکاری خزانے سے ملتی تھی - محاصرہ ''وی'' کے بعد سے عساکر رومی کو بھی دوران جنگ کے لئے تنخواہ ملنے لگی تھی[۱] - اس کی جاگیر دارانہ حکومت میں یہ عالمگیر دستور قرار پا گیا کہ ایک مدت کے بعد امرائے کبار اور ان کے بلا واسطہ متوسل و متعلق اشخاص کو فوجی خدمت سے معذور کر دیا جاتا تھا اور اس کے معاوضے میں ان سے کچھ زر نقد وصول کر لیا جاتا تھا اور اس زر نقد سے ان لوگوں

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر پنجم کے پہلے باب کا پہلا حصہ

کے مصارف برداشت کئے جاتے تھے جوان کی جگہ فوجی خدمت انجام دیتے تھے۔

تہذیب و تمدن کے زمانے میں سپاہ و لشکر کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے۔

ہر قوم میں مجاہدین اور غیر مجاہدین کی تعداد میں ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔ جوں جوں کوئی قوم تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی جاتی ہے، مجاہدوں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے۔ مہذب اور متمدن معاشرۂ انسانی میں مجاہدوں کا تمام بار غیر مجاہد لوگوں پر ہوتا ہے اس لئے مجاہدوں کی تعداد صرف اتنی ہو سکتی ہے کہ غیر مجاہد لوگوں کی محنت اس کی کفیل ہو سکے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مجاہدوں کے مصارف بھی ان کے درجے اور رتبے کے متناسب ہوتے ہیں۔ اس میں ان کو خود اپنا اور افسران حکومت کے رکھ رکھاؤ کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے اس لئے کہ ان کا رکھ رکھاؤ ان کا فرض ہوتا ہے۔ ایام قدیم میں یونان چھوٹی چھوٹی زرعی ریاستوں میں منقسم تھا۔ ان ریاستوں میں آبادی کا چوتھا یا پانچواں حصہ سپاہ و لشکر متصور ہوتا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات یہ تمام حصہ میدان جنگ میں در آتا تھا۔ اس زمانے میں آبادی کا سواں حصہ بھی سپاہ و لشکر نہیں ہے۔ اس عہد کے اندازے کے مطابق اگر کسی ملک کا سواں حصہ میدان جنگ میں در آتا ہے وہ ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باقی ماندہ لوگوں کو مجاہدوں کے مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں[1]۔

---

۱ طبع اول میں ہے۔ جن کے مصارف پر وہ مصروف کار ہوتے ہیں۔ یہ بیان دفتر پنجم کے پہلے باب میں لفظ بہ لفظ دہرایا گیا ہے۔

معرکہ جنگ کی تیاری کے مصارف زمانۂ دراز تک ناقابل اعتنا تھے۔

ایک زمانہ تھا کہ سپاہ و لشکر کو معرکۂ کارزار کے لئے تیار کرنے کا بار تمام و کمال تاجدار وقت یا دولت مشترکہ پر نہ تھا۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا کہ یہ تمام بار تاجداران وقت یا دولت مشترکہ پر آ رہا۔ اس وقت تک بھی سپاہ و لشکر کی تیاری کا بار کچھ زیادہ قابل اعتنا نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد ضرور قابل اعتنا متصور ہونے لگا۔ یونان قدیم کی تمام عمومی ریاستوں میں یہ دستور تھا کہ دوران تعلیم میں ہر آزاد شہری کو تمام فنون جنگ میں طاق کر دیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہر میں ایک میدان عام ہوتا تھا۔ اس میدان میں تمام نوجوان جمع ہوتے اور ماہر اور کارداں استادوں سے فنون جنگ سیکھتے تھے۔ ایک مجسٹریٹ اس کام کی نگرانی پر معمور ہوتا تھا۔ یہ ایک سیدھا سادہ اور بے تکلف ادارہ تھا کہ اھل یونان کو فنون جنگ کی تعلیم دیتا تھا۔ اس پر کچھ زیادہ خرچ نہ ہوتا تھا اور جو کچھ اس پر خرچ ہوتا تھا وھی بار تھا جو مصارف جنگ کے متعلق حکومت یونان پر پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بار نہ تھا۔ یونان قدیم میں جو کام ورزش گاہ یا جم خانہ کرتا تھا، وھی خدمت رومۃالکبریٰ میں میدان مریخ یا مدرسہ ورزش انجام دیتا تھا۔ جاگیردارانہ حکومتوں میں اکثر ہنگامی قوانین اس امر کی تاکید کے لئے نافذ کئے گئے کہ ہر علاقے کے باشندوں کو چاھئے کہ تیر افگنی اور کمان کشی سیکھیں اور دیگر فنون جنگ میں مشق و مزاولت بہم پہنچائیں۔ ان تمام قوانین کا مقصد

یہی تھا کہ عامۃالناس میں فنون جنگ کے اکتساب کا شوق پیدا ہو۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوانین اس مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ ان افسروں کو اس کام میں کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی جو ان قوانین کی تعمیل پر مامور تھے یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ تھی۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان قوانین کی طرف سے ہر جگہ غفلت برتی گئی ہے اور جوں جوں ان جاگیردارانہ حکومتوں کو ترقی ہوتی گئی عامۃالناس کا رجحان فوجی ورزشوں کی طرف سے منعطف ہوتا گیا۔

یونان اور روم میں سپاہ کوئی جداگانہ جماعت نہ تھی۔ ابتدا ابتدا میں جاگیردارانہ حکومتوں میں بھی یہ کوئی جداگانہ جماعت نہ تھی۔

عہد قدیم میں یونان اور روم کی عمومی حکومتوں میں سپاہی کا پیشہ کوئی مستقل اور جداگانہ پیشہ نہ تھا۔ جن میں باشندوں کا ایک خاص طبقہ پورے طور پر مصروف ہو یا جو اس طبقے کا خاص مشغلہ ہو۔ جاگیردارانہ حکومتوں میں بھی عرصۂ دراز تک یہی حالت قائم رہی۔ ہر ریاست کی رعایا کا ایک فرد اپنے آپ کو سپاہی کی خدمات کی انجام دہی کے لئے موزوں اور مناسب خیال کرتا تھا۔ اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ وہ اپنی وجہ معاش کس پیشے سے حاصل کرتا ہے یا روٹی کس ہنر سے کماتا ہے اور اکثر اوقات وہ اس امر کا پابند ہوتا تھا کہ سپاہی بنے اور سپاہ گری کی خدمت انجام دے۔

لیکن فنون جنگ جوں جوں پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں تقسیم عمل ضروری ہوتی جاتی ہے تا کہ سپاہی فنون جنگ میں کمال پیدا کر سکیں -

لیکن فن جدال و قتال دنیا میں شریف ترین فن ہے اس فن شریف میں جس رفتار سے اصلاح و ترمیم اور ترقی ہوتی ہے اسی رفتار سے اس کی پیچیدگیوں اور باریکیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے - یہاں تک کہ یہ فن سب سے زیادہ پیچیدہ اور منشعب ہو جاتا ہے یہ فن شریف فن جر ثقیل اور دیگر مشینی فنون سے مربوط ہے - کسی خاص دور میں یہ فن جس حد کمال تک پہنچ جاتے ہیں، اسی حد تک پہنچنا فنون جنگ کے لئے بھی لابدی ہو جاتا ہے اور اس درجۂ کمال تک فائز ہونے کے لئے یہ لازم آتا ہے کہ یہ فن رعایا کے ایک خاص طبقے کا ایک خاص پیشہ قرار پا جائے اور اس کی اصلاح و ترمیم کے لئے تقسیم عمل لابدی و ضروری ہو - اس اعتبار سے اس میں اور دیگر فنون میں کچھ فرق نہیں ہے - اگر ہے تو صرف اس قدر ہے کہ دیگر فنون میں تقسیم عمل کے باب میں افراد انسانی اپنی بصیرت اور پیش بینی سے کام لیتے اور اس کو اپنے اپنے فن میں رائج کرتے ہیں - یہ افراد بطور خود اس امر کے قائل ہو جاتے ہیں کہ یہ امر خود ان کے منافع و مفاد کے لئے بہتر ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو محض کسی ایک پیشے کے لئے مخصوص کر لیں - یہ بہتر نہیں ہے کہ کئی کئی پیشے اختیار کریں لیکن اس امر کا انحصار ریاست کی عقل و دانش پر ہے کہ فن سپاہ گری کو قوم کے ایک خاص طبقے کے لئے خاص کر دے اور اس کو سوسائٹی کے ایک گروہ کا پیشہ قرار دے دے اور اس طرح فن سپاہ گری کو دیگر فنون سے بالکل

مختلف و ممتاز کر دکھائے۔ مثلاً افراد رعایا میں سے ایک خاص فرد ہے کہ زمانۂ امن و امان میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ عسکری ورزشوں میں صرف کرتا ہے اور عام پبلک کی طرف سے اس باب میں کسی قسم کی ہمت افزائی نہیں پاتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ شخص اپنی ذات میں خوب ترقی کرتا اور اپنا دل اچھی طرح بہلاتا ہے لیکن اس سے وہ اپنے منافع و مفاد میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کرتا۔ اس کا انحصار صرف ریاست کی عقل و دانش پر ہے کہ وہ ایسی فضا پیدا کر دے کہ اس قسم کی ورزشوں میں وقت کا بیشتر حصہ صرف کرنا خود اس کے منافع و مفاد میں اضافے کا باعث ہو جائے لیکن ریاستیں اکثر حالات میں اس قسم کی عقل و دانش سے بے بہرہ ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے حالات بھی ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان کو اس امر پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی فلاح و بہبود بلکہ ان کی ہست و بود کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسا کیا جائے۔

جب معاشرۂ انسانی ترقی کر جاتا ہے تو قوم غیر جنگ پسند ہو جاتی ہے۔

چوپانوں اور گلہ بانوں کو فرصت بہت زیادہ ہوتی ہے اس کے بعد کسان اور کاشتکاروں کی باری آتی ہے جب تک زراعت و فلاحت غیر ترقی یافتہ رہتی ہے لیکن صناعوں اور کاریگروں کو کبھی فرصت نہیں ہوتی۔ چوپانوں اور گلہ بانوں کے لئے یہ امر بالکل آسان ہے کہ جتنا وقت چاہیں فوجی ورزشوں میں لگائیں اس سے ان کا کچھ حرج نہیں ہوتا اس کے برعکس فلاح اور کاشتکار اپنا تمام وقت اس میں صرف نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی اس کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال سکتے ہیں لیکن صناع اور کاریگر اس قسم کی ورزشوں کے لئے ایک گھنٹہ بھی

نہیں نکال سکتے اگر نکالتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں ان کے لئے
لازم ہے کہ اپنی تمام توجہ اپنے منافع اور مفاد کی طرف مبذول
کریں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان ورزشوں کی
طرف سے غفلت کرنے اور سہل انگاری برتنے لگتے ہیں ۔ جوں
جوں علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں ترقی ہوتی جاتی ہے
زراعت و فلاحت میں بھی ترمیم و اصلاح ہوتی جاتی ہے ۔ یہاں
تک کہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ صناعوں اور کاریگروں
کی طرح مزارعوں اور کاشتکاروں کو بھی بالکل دقت نہیں رہتی ۔
اس حالت میں نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اہل شہر و
اہل قصبات کی مانند اہل دیہات و قریات بھی فوجی ورزشوں
کی طرف سے غافل اور بے پروا ہو جاتے ہیں اور تمام قوم
کی قوم جذبات جنگ پسندی سے دور ہو جاتی ہے ۔ دولت و
ثروت ہمیشہ فلاحت و زراعت کی اصلاح اور صنعت و حرفت کی
ترقی کے جلو میں چلتی ہے جس قدر ان چیزوں میں ترقی ہوتی
ہے دولت و ثروت کے اجتماع میں اسی نسبت سے آسانی ہوتی
ہے ۔ دولت و ثروت کے اس اجتماع سے گرد و پیش کی قوموں
کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور وہ حملے کرنے لگتی ہیں ۔
تمام قوموں میں حملۂ غیر کے لئے جو قوم سب سے زیادہ کشش
رکھتی ہے وہ دولت مند اور صنعتی ہوتی ہے ۔ اس لئے ریاست
کا فرض ہے کہ دفاع عامہ کے لئے ہمیشہ نت نئی تدبیریں اختیار
کرے اور ریاست کو حملۂ غیر سے محفوظ رکھے کیونکہ باشندوں
میں تو فطرتاً کچھ ایسی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جنگ
پسندی کے منافی ہوتی ہیں اور وہ طبعاً اس قابل نہیں رہتے کہ
اپنے دفاع و تحفظ کے فرائض خود ادا کر سکیں ۔

دفاع و تحفظ کے دو طریقے ہیں -

اندریں حالات دو طریقے ہیں کہ ریاست دفاع عامہ کے امور کے انتظام و انصرام کے لئے اختیار کر سکتی ہے -

اول - جبری فوجی ورزش اور جبری فوجی خدمت -

اول - یہ کہ فوجی ورزشیں بہ جبرو اکراہ رائج کی جائیں اور فوجی عمر کے تمام باشندوں کو یا ان میں سے بعض لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ فنون جنگ کی تعلیم حاصل کریں اور سپاہی کا کام سیکھیں، خواہ ان کا ذاتی پیشہ کچھ ہی ہو اور لازم ہے کہ اس کام کے لئے پولیس کی ایک سخت گیر جماعت مقرر کی جائے کہ لوگوں سے ان کے رجحان و میلان اور ان کے منافع و مفاد کے خلاف یہ خدمت لے سکے -

سپاہی کے پیشے کو بالکل جداگانہ پیشہ قرار دیا جائے -

دوم - یہ کہ باشندوں کی ایک خاص تعداد کو جنگی خدمت کے لئے وقف کر دیا جائے اور اس کے تمام مصارف کا بار اپنے ذمے لیا جائے اور ان کو دائمی طور پر فوجی کثرت اور جنگی مشق و ممارست پر مامور کردیا جائے - اس کا نتنجہ یہ ہوگا کہ سپاہی کا پیشہ ایک مستقل پیشہ قرار پا جائے گا جو اور تمام پیشوں سے جداگانہ اور ممتاز ہوگا -

بہ الفاظ دیگر ایک ردیفی فوج یا مستقل سپاہ قائم کی جائے -

اگران دونوں طریقوں سے ریاست پہلا طریقہ اختیار کرتی ہے تو ایک ایسی فوج تیار کرتی ہے جس کو شہری یا ردیفی فوج کہتے ہیں اور اگر دوسرا طریقہ اختیار کرتی ہے تو ایسا لشکر بناتی ہے کہ دائمی یا مستقل سپاہ کہلاتی ہے - مستقل سپاہ کے ارکان کا خاص کام یہ ہوتا ہے کہ فوجی کسرتوں کی

مشق و ممارست کریں اور ان میں کمال تک پہنچ جائیں بلکہ اس کے سوا ان کا اور کام ہی کچھ نہیں ہے۔ ان کے مصارف کا تمام بار ریاست کے ذمے ہوتا ہے جو ان کو تنخواہ دیتی ہے۔ یہ تنخواہ ان کے رکھ رکھاؤ کے لئے خاص ذخیرہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شہری یا ردیفی فوج کی حالت ہے۔ وہ فوجی ورزشوں کی مشق و مزاولت میں ہمیشہ مشغول نہیں رہتی بلکہ کبھی ان میں مصروف ہوتی ہے اور کبھی حصول معاش کے لئے کوئی اور کام کرتی ہے۔ اس کے مصارف کا تمام بار ریاست پر نہیں بلکہ اس کے رکھ رکھاؤ کے خاص اور معمولی ذخیرے کا ماخذ کوئی اور پیشہ ہوتا ہے۔ شہری یا ردیفی فوج میں سپاہی کا کردار مغلوب اور مزدور کا کردار غالب ہوتا ہے یعنی وہ ایسا اچھا سپاہی نہیں ہوتا جیسا اچھا کاریگر یا پیشہ ور ہوتا ہے۔ اس کے خلاف مستقل فوج کا حال ہے۔ اس میں سپاہی کا کردار غالب اور سب کردار مغلوب ہوتے ہیں اور سپاہ و لشکر کی ان دونوں قسموں میں یہی مابہ الامتیاز ہے اور یہی ان دونوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔

ایام قدیم میں شہری یا ردیفی سپاہ سے صرف ورزش کرائی جاتی تھی فوجی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

ایام قدیم میں شہری یا ردیفی فوج کی کئی قسمیں تھیں۔ بعض ملکوں میں ان باشندوں سے صرف ورزش کرائی جاتی تھی جس کو ریاست کے دفاع و تحفظ کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا۔ ان سے اور کسی طرح کا فوجی کام نہیں لیا جاتا تھا یعنی یہ لوگ علیحدہ علیحدہ اور نمایاں گروہوں میں منقسم نہیں ہوتے تھے۔ ہر گروہ کے لئے

خاص اور مستقل افسر ہوتے تھے جو اس گروہ سے ورزش کراتے تھے - ایام قدیم میں یونان اور رومۃ الکبریٰ میں یہ دستور تھا کہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ اور آزادانہ طور پر مشق و مزاولت کرتا تھا یا ایسے ہمسر احباب کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا تھا جن کو وہ پسند کرتا تھا - یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا تھا جب تک یہ لوگ اپنے اپنے وطن میں رہتے تھے - یہ لوگ اسوقت تک کسی خاص گروہ سے ملحق نہ ہوتے تھے جب تک ان کو فی الواقع میدان کارزار میں نہ جانا پڑتا تھا اور ملکوں میں یہ دستور تھا کہ شہری یا ردیفی فوج سے فوجی مشق اور سیادت بھی کرائی جاتی تھی اور دیگر فوجی خدمات بھی لی جاتی تھیں - مثلاً انگلستان میں سوئستان میں اور یورپ کے اور ملکوں میں ہر ردیفی سپاہی زمانۂ امن وامان میں میں بھی کسی نہ کسی گروہ کے ساتھ ملحق کردیا جاتا ہے اور یہ گروہ اپنے خاص اور مستقل افسروں کی ماتحتی میں فوجی کسرتوں کی مشق و مزاولت کرتا تھا - یہ ان ملکوں میں ہوتا تھا جہاں کسی قسم کی غیر مکمل ردیفی فوج قیام پذیر ہوتی تھی -

اسلحہ آتشین کی ایجاد سے ایک گونہ انقلاب پیدا ہو گیا - اس کی وجہ سے جسمانی چستی چالاکی زیادہ اہم نہ رہی -

قدیم زمانے میں وہ فوج ارفع و اعلیٰ گنی جاتی تھی، جس کے سپاہی فرداً فرداً چالاک اور چست اور آلات جنگ کے استعمال میں طاق ہوتے تھے - یہ اس وقت کی بات ہے کہ ابھی اسلحہ آتشیں ایجاد نہ ہوئے تھے - اس زمانے میں جو شے نہایت اہم اور ضروری تھی وہ قوت جسمانی اور دست و پا کی پھرتی تھی -

لڑائی میں فتح و شکست کا انحصار انہیں پر تھا - لیکن آلات جنگ کے استعمال میں یہ مہارت اور چستی اسی طرح حاصل کی جاتی تھی جس طرح آج کل گتکہ بازی میں مشاقی حاصل کی جاتی ہے - اس فن میں بڑے بڑے گروہ مل کر مشاقی حاصل نہیں کرتے، بلکہ ہر شخص الگ الگ اکھاڑے پر مشق کرتا ہے اور ایک خاص استاد سے یہ فن سیکھتا ہے - ہر شخص اپنے چیدہ چیدہ دوستوں کو ساتھ لیتا اور اُن کے ساتھ مل کر مشق و مہارت حاصل کرتا ہے - لیکن جب سے اسلحہ آتشیں ایجاد ہوئے ہیں حالت بدل گئی ہے - اب جسم کی چستی اور بدن کی قوت کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی - یہاں تک کہ آج کل آلات جنگ کے استعمال میں بھی کسی قسم کی غیر معمولی چابک دستی اور مشاقی کی ضرورت نہیں پڑتی - منشائے کلام یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ چیزیں اہم تو ہیں مگر اس قدر نہیں جس قدر پہلے تھیں - آج کل اسلحہ جنگ کی نوعیت پر بہت کچھ موقوف ہے - اگرچہ اسلحۂ جنگ کی عمدگی سے ایک مشاق اور ایک اناڑی بالکل برابر نہیں ہو جاتے، لیکن آج کل ان دونوں میں اس قدر فرق نہیں رہا جس قدر آلات آتشیں کی ایجاد سے پہلے تھا - اس دور میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آلات جنگ کے استعمال کے لئے جس قسم کی مہارت کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ اس صورت میں بھی بہ حسن و خوبی حاصل ہوسکتی ہے کہ بڑے بڑے گروہوں کو لیا جائے اور ان سے ان آلات اسلحہ کے استعمال کی مشق کرائی جائے -

اور نظم و ضبط کی اهمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ھے -

دور حاضر میں قوموں کی قسمت اور لڑائی میں فتح و شکست کا انحصار جس قدر سپاہ و لشکر کی باقاعدگی اور باضابطگی اور فرمانبرداری اور اطاعت شعاری پر ھے ، اس قدر سپاھیوں کی چستی و چالاکی اور آلات جنگ کے استعمال میں مہارت و چابک دستی پر نہیں ھے - لیکن اس دور میں ھر سپاھی اپنے آپ کو ھر ساعت ایک نادیدہ اور غیر مرئی موت کے لئے مفتوح پاتا ھے اور ابھی توپوں اور بندوقوں کی زد میں نہیں آتا کہ اسلحہ آتشیں کے شور اور دھویں سے حواس باختہ ھو جاتا ھے - ابھی معرکۂ کارزار شروع بھی نہیں ھونے پاتا کہ سپاہ کی باضابطگی اور اس کے نظم و ترتیب میں فرق آجاتا ھے اور آغاز جنگ سے بہت پہلے یہ حالت ھوتی ھے کہ احکام کی تعمیل اس قدر سرعت و تعجیل سے نہیں ھوتی جس قدر مطلوب ھوتی ھے - ھر سپاھی ان امور کی پابندی کو نہایت صعب و دشوار پاتا ھے - قدیم زمانے میں معرکہ جنگ میں کسی قسم کا شور نہ ھوتا تھا اور ھوتا تھا تو وھی ھوتا تھا جو لوگوں کی چیخ پکار اور آہ و بکا سے پیدا ھوتا تھا - اس دور میں دھویں کا نام اور نادیدہ موت کا نام و نشان بھی نہ تھا - اس وقت سپاھی کے دل و دماغ پر اس خیال کا غلبہ نہ تھا کہ غیر مرئی شے آئیگی اور اس کو زخمی کر جائیگی - ھر شخص آسانی سے دیکھ سکتا تھا کہ میرے مقابل کے پاس کوئی جانستاں ھتھیار نہیں ھے - اور اگر ھوتا تھا تو وہ اس کو فوراً دیکھ لیتا تھا اور اندریں حالت نظم وضبط اور باقاعدگی قائم رھتے تھے اور اس قدر دشواریاں پیش نہ آتی تھیں جس قدر آج کل آتی ھیں - اس

لئے کہ سپاھیوں کو اپنے زور بازو پر اعتماد اور اپنے اوزاروں کے استعمال پر وثوق ھوتا تھا - یہ حالت نہ صرف آغاز جنگ میں بلکہ تمام دوران میں رھتی تھی اور اُس وقت تک ختم نہ ھوتی تھی جب تک دونوں لشکروں میں سے کسی ایک کو شکست فاش نہ ھو جاتی تھی - اُس دور میں یہ باقاعدگی کی عادت، نظم و ضبط کی خصلت اور اطاعت شعاری کی خو صرف اُن گروھوں میں پیدا ھوسکتی ھے، جن سے کثیر التعداد جماعتوں میں فوجی ورزش اور کسرت اور جنگی امور کی مشق کرائی جاتی ھے -

ردیفی فوج مستقل فوج سے کم پایہ ھوتی ھے -

ردیفی فوج ھر طرح سے مستقل فوج سے ادنیٰ اور کم پایہ ھوتی ھے - خواہ اس فوج کے نظم ونسق میں اس کی مشق پر کتنی ھی محنت کیوں نہ کی جائے مگر مستقل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی - اس لئے کہ مستقل فوج کی مشق اور اس کے نظم وضبط میں بہت محنت کی جاتی ھے -

ردیفی فوج کم ماھر ھوتی ھے -

کچھ سپاھی ھیں کہ ان سے ھفتہ وار یا ماھانہ ورزش کرائی جاتی ھے اور کچھ ایسے ھیں کہ اُن سے روزانہ یا دوسرے دن یہ محنت لی جاتی ھے - ظاھر ھے کہ پہلی قسم کے سپاھی ھتھیاروں کے استعمال میں دوسری قسم کے سپاھیوں کا کبھی اور کسی حالت میں مقابلہ نہ کرسکینگے - اگرچہ یہ حالت آج کل اس قدر زیادہ اھم نہیں ھے جس قدر پہلے تھی - لیکن جرمنی کی فوج کی فوقیت مسلم الثبوت ھے اور بیان کیا جاتا ھے کہ اس فوقیت کا راز اس کی مہارت میں مضمر ھے، جو مشق کے طفیل اس کو حاصل

ھے - جب اس زاویہٴ نظر سے دیکھا جاتا ھے تو ھمیں اطمینان ھوجاتا ھے کہ یہ حالت آج کل بھی ایسی ھی معتدبہ اور قابل اعتماد ھے جتنی کبھی پہلے زمانے میں تھی -

اور اس ردیفی فوج میں نظم و نسق کی بھی کمی ھوتی ھے -

ردیفی فوج کے سپاھی ھفتے میں ایک بار یا مہینہ بھر میں ایک دفعہ اس امر پر مجبور ھوتے ھیں کہ اپنے افسر کا حکم بجا لائیں باقی ماندہ ایام میں یہ سپاھی آزاد اور خود مختار ھوتے ھیں اور اپنے معاملات کا انتظام و انصرام اپنی خواھش کے مطابق کرتے ھیں - اس باب میں وہ کسی کے تحت نہیں ھوتے اور ان کے افعال و کردار پر داروگیر کرنے والا کوئی نہیں ھوتا - اس کے برعکس مستقل فوج کے سپاھی ھر وقت افسروں کے تحت امر و نہی ھوتے ھیں - ان کے استفسارات کا جواب دینا اُن کا فرض ھوتا ھے - اُن کی تمام عمر اسی نظم و نسق میں گزرتی ھے - اُن کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا سب افسروں کے حکم سے ھوتا ھے - نیند آئے یا نہ آئے مگر وقت معینہ پر جاکر بستر پر لیٹ رھنا اُن کا فرض منصبی ھے - ان پر افسروں کا رعب اس حد تک طاری ھوتا ھے کہ اطاعت شعاری خو اور فرمانبرداری طبع ثانی بن جاتی ھے - لہذا نظم و ضبط کی پابندی کی توقع جس قدر مستقل فوج کے سپاھیوں کی ذات سے ھوتی ھے - ردیفی فوج کے سپاھیوں کی ذات سے نہیں ھوسکتی - یہ نظم و نسق کی پابندی جس چیز کا نام ھے، وہ محض اطاعت شعاری کی خو اور فرماں پذیری کی عادت ھے - اس شان میں ردیفی فوج کے سپاھی مستقل فوج کے سپاھیوں سے ھمیشہ ادنیٰ اور کم مایہ ثابت ھوتے ھیں - اگرچہ جسمانی ورزش اور اسلحہ جنگ

کے استعمال کی مشق و مہارت میں ردیفی سپاہی باقاعدہ سپاہی سے بہت پیچھے نہیں ہوتا، مگر ضابطے کی پابندی میں کبھی اس سے لگا نہیں کھا سکتا اور موجودہ فنون جنگ میں بھی جو اہمیت و عظمت نظم و نسق کو حاصل ہے، وہ مہارت وکاردانی کو نہیں ہے۔ یعنی جو سپاہی فورا بلا تامل حکم ماننے کو تیار ہوجاتے ہیں، وہ ماہر سپاہیوں سے اچھے گنے جاتے ہیں۔

بہترین ردیفی فوج وہ ثابت ہوتی ہے جو معرکۂ کارزار میں اُنہیں سرداروں کے تحت امرونہی کام کرتی ہے جو دوران امن میں ان پر حکومت کرتی ہے۔

بعض بعض ردیفی فوج ایسی ہوتی ہے کہ معرکۂ جنگ میں انہیں افسروں کے تحت امرونہی کام کرتی ہے، جن کی اطاعت کی وہ دوران امن میں عادی ہوتی ہے۔ اس قسم کی ردیفی فوج باقی ماندہ ردیفی فوجوں سے بہت بہتر ثابت ہوتی ہے۔ یہ شان عربوں اور تاتاریوں کی ردیفی فوج میں دیکھی جاتی تھی۔ افسروں اور سرداروں کے ادب و احترام میں اور فرماں پذیری اور اطاعت شعاری میں ان میں اور مستقل فوجوں میں کچھ فرق نظر نہیں آتا اور اگر ہوتا ہے تو یونہیں ذرا سا ہوتا ہے۔ یہی کیفیت ہالستانی ردیفی فوجوں کی تھی۔ جب یہ فوج خود اعیان و اکابر کی سرکردگی میں مصروف پیکار ہوتی تھی تو اسی قبیل کے مفاد سے بہرہ‌ور ہوتی تھی۔ مگر اہل ہالستان خانہ بدوش چوپان نہ تھے بلکہ مقیم گلہ بان تھے اور بستیاں بسا کر رہتے تھے۔ امن و امان کے زمانے میں اپنے افسروں اور سرداروں کے جلو میں جگہ جگہ نہ پھرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دوران جنگ میں بھی وہ ان کے جلو میں بہت دور جانے پر اراضی نہ ہوتے

تھے۔ اس طرح وہ معرکۂ کارزار میں زمانۂ طویل تک مقیم رہنے کے روادار نہ تھے۔ جب ان کو مال غنیمت ہاتھ آجاتا تھا تو پھر گھر جانا چاہتے تھے اور اعیان و اکابر کے امر و نواہی کو کچھ زیادہ خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس حالت میں افسروں اور سرداروں کے اختیار اس قدر زیادہ نہ تھے کہ اُن کو مراجعت وطن سے باز رکھتے۔ اطاعت شعاری اور فرمان پذیری میں یہ لوگ عربوں اور تاتاریوں کی ردیفی فوج سے ہمیشہ پیچھے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ھالستانی سپاہی کھلی ہوا میں کم وقت صرف کرتے تھے کیونکہ یہ بستیاں بسا کر رہتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ ورزش اور کسرت کے زیادہ عادی نہ تھے۔ اور اسلحہ جنگ کے استعمال میں اس قدر ماہر و کرتبی نہ تھے کہ عربوں اور تاتاریوں کے مقابلے میں پیش کئے جاسکتے۔

جب کوئی ردیفی فوج زمانہ دراز تک میدان جنگ میں رہ سکتی ہے تو مستقل فوج بن جاتی ہے۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب کوئی ردیفی فوج زمانۂ دراز تک میدان جنگ میں رہ چکتی ہے اور اکثر معرکوں میں سپاہ گیری کے کرتب دکھا چکتی ہے تو ہر اعتبار سے مستقل فوج بن جاتی ہے۔ اس کے سپاہیوں سے روزانہ فوجی ورزش کرائی جاتی ہے اور فنون سپاہ گری کی مشق کرائی جاتی ہے۔ ہمیشہ ایک افسر یا سرداز کے زیر امر و نہی کام کرتی ہے۔ اس لئے ان میں اطاعت و فرمان پذیری کے وہی جوہر نمودار ہو جاتے ہیں، جو مستقل فوج کے سپاہیوں میں ہوتے ہیں۔ اس امر سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ معرکۂ جنگ میں در آنے سے پہلے وہ کیا تھے اور کیا نہ تھے جب یہ لوگ چند معرکوں میں فوجی خدمات سرانجام

دے چکتے ھیں تو ان میں اور باضابطہ سپاھیوں میں کچھ فرق نہیں رھتا - اگر جنگ امریکہ میں ایک اور معرکہ رونما ھو جاتا تو امریکہ کی فوج ھر اعتبار سے مستقل فوج بن جاتی اور اس کے مقابلے میں ذرا پیچھے نہ رھتی[1] - جس بہادری کے جوھر اس جنگ میں ظاھر ھو چکے تھے[2] یا کم سے کم یہ ردیفی فوج اپنی بہادری اور مردانگی میں ھسپانیہ اور فرانس کی جنگ آزمودہ فوجوں سے کسی صورت میں بھی کم ثابت نہ ھوتی -

مستقل فوج کی برتری تاریخ سے ثابت ھے -

ردیفی فوج اور مستقل سپاہ میں جو کچھ فرق و امتیاز ھے، اس سے سب واقف ھیں یہ امر مسلم الثبوت ھے کہ تاریخ عالم کے ھر دور میں مستقل سپاہ کو ردیفی فوج پر نمایاں برتری حاصل رھی ھے - اس لئے کہ مستقل سپاہ ھر لحاظ سے با ضابطہ اور ھر اعتبار سے پوری طرح با قاعدہ ھوتی ھے -

مقدونیہ کی مستقل فوج نے یونان کی ردیفی فوج کو شکست دے دی تھی -

معتبر و مستند تاریخوں سے پتا چلتا ھے کہ سب سے پہلا بادشاہ جس نے مستقل فوج قائم کی، فیلفوس والئے مقدونیہ تھا اس کی اھل تھریس، اھل تھلی اور اھل الیریا سے اکثر معرکہ آرائیاں رھی تھیں اور کبھی کبھی ان شہروں سے بھی ھو جاتی تھی جو مقدونیہ کے گرد و نواح میں آباد ھیں - انہیں

---

۱ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مارچ ۱۷۷۶ء کے آغاز میں شائع ھوا تھا اس لئے لازم ھے کہ یہ کتاب اس جنگ کے آغاز کے ایک سال بعد لکھی گئی ھو - جو آٹھ سال تک جاری رھی تھی -

۲ جنگ ھفت سالہ ۱۷۵۶ء میں شروع ھوئی اور ۱۷۶۳ء تک جاری رھی تھی-

کی وجہ سے اس تاجدار کو ایک مستقل فوج قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ ابتدا ابتدا میں اس کی فوج بھی محض ردیفی فوج تھی ۔ مگر بعد میں یہی فوج رفتہ رفتہ مستقل ہو گئی اور اس میں وہ نظم و نسق قائم ہو گیا جو مستقل فوج کا امتیازی نشان ہے ۔ یہ تاجدار اس باب میں خاص طور پر محتاط تھا کہ دوران امن و امان میں اپنی فوج کو نہ توڑے ۔ کیوں کہ اس کے دوران حکومت میں امن و امان تھا ہی نہیں اور تھا تو بہت طویل تو کبھی نہ تھا ۔ عہد قدیم میں یونان کی بڑی بڑی عمومی ریاستوں کے ہاں نہایت بہادر اور قواعد دان ردیفی فوج تھی ۔ فیلفوس کی مستقل سپاہ میں اور ان ریاستوں کی ردیفی سپاہ میں اکثر خون ریز معرکہ آرائیاں ہوا کرتی تھیں ۔ جو مدتوں تک جاری رہتی تھیں ۔ بالآخر فیلفوس کی فوج نے آن سب کو مغلوب کرلیا اور سب کو مطیع کر لیا ۔ اس کے بعد اس تاجدار نے سلطنت فارس کی طرف رخ کیا اور اس سلطنت کی ردیفی فوج کو تاخت و تاراج کردیا ۔ اس میں اس کو کچھ زیادہ جد و جہد نہیں کرنی پڑی ۔ اس لئے کہ فارس کی کی فوج بزدل اور نامرد تھی اور فنون جنگ سے اچھی طرح واقف بھی نہ تھی ۔ سلطنت فارس کا زوال اور یونان کی عمومی ریاستوں کا انحطاط اس امر کا شاهد ہے کہ مستقل فوج کو ردیفی سپاہ پر ہر اعتبار سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اور ردیفی فوج اس فوقیت کی مزاحمت کسی طرح نہیں کر سکتی ۔ یہ اولین انقلاب عظیم ہے کہ معاملات انسانی میں رونما ہوا ۔ جس کی تفاصیل کو تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے ۔

کارتھیج اور روسۃالکبریٰ میں لڑائیوں میں مستقل افواج نے ردیفی سپاہ کو شکستیں دیں۔

کارتھیج کے زوال کے باعث روسۃالکبریٰ کو عروج نصیب ہوا اور یہ عروج و زوال تاریخ عالم میں دوسرا انقلاب عظیم ہے۔ یہ دونوں عمومی ریاستیں نہایت مشہور و معروف ہیں۔ ان کی گونا گوں دولت و ثروت کی تہ میں بھی صرف یہی ایک راز مضمر ہے۔

کارتھیج کی مستقل فوج نے زرم کی ردیفی فوج کو اطالیہ میں شکست دی۔

اول جنگ کارتھیج کے اخیر اور دوم جنگ کارتھیج کے آغاز تک کارتھیج کی فوجیں برابر میدان کارزار میں مقیم رہیں یہ فوجیں تین نامی گرامی سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کام کرتی تھیں۔ یہ تینوں سپہ سالار یکے بعد دیگرے کماندار بنائے گئے تھے۔ سب سے پہلا عامل کار تھا۔ اس کے بعد اس کا داماد عصدرالبال سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا عنی بال اس منصب جلیلہ پر متمکن ہوا۔ سب سے پہلے تو انھوں نے اپنے باغی اور نافرمان غلاموں کی گوشمالی کی۔ اس کے بعد افریقہ کی سرکش اور عنان تاب قوموں کو مطیع و منقاد کیا اور بالاخر ہسپانیہ کی عظیم الشان سلطنت کو مسخر کیا۔ عنی بال کی قیادت میں ایک فوج ہسپانیہ سے اطالیہ بھیجی گئی۔ ان تمام معرکہ آرائیوں میں یہ فوج لازمی طور پر نظم ونسق کی اس منزل تک پہنچ گئی تھی جس میں مستقل فوج ہوتی تھی۔ اس اثنا میں اہل روم کسی اہم اور معرکۃالآرا مہم میں مشغول نہ تھے۔ اگرچہ یہ لوگ بالکل امن و امان سے تو کبھی نہ رہتے تھے مگر بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے نظم و نسق میں بہت کچھ خلل پیدا ہوگیا تھا۔ عنی بال کو طربیہ تھریسی مینوس اور کنائہ کے میدانوں میں

رومی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا مگر یہ رومی فوج محض ردیفی فوج تھی جو عنی بال کی مستقل فوج کے مقابلے میں لائی گئی تھی اور گمان غالب یہ ہے کہ جدال و قتال کا فیصلہ جس قدر اس واقعے پر مبنی تھا اس قدر کسی اور واقعے پر نہ تھا۔

اسی طرح ھسپانیہ میں بھی شکستیں دیں۔

عنی بال نے ایک مستقل فوج اپنے پیچھے ھسپانیہ میں بھی چھوڑ دی تھی۔ یہ بھی ردیفی فوج سے اسی طرح فائق و سابق تھی جس طرح اس رومی فوج سے فائق و سابق تھی جو رومیوں نے اس کے مقابلے میں بھیجی تھی اور چند سال کا عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ اس مستقل فوج نے اس کے بھائی عصدرالبال ثانی کی سرکردگی میں اس تمام ردیفی فوج کو ملک سے نکال دیا تھا۔

جب روم کی ردیفی فوج نے مستقل فوج کی حیثیت اختیار کرلی تو اس نے اطالیہ میں کارتھیج کی مستقل فوج کو شکست دیدی۔

عنی بال کے پاس وطن سے سامان رسد ٹھیک طور پر نہ پہنچتا تھا۔ روم کی ردیفی فوج برابر میدان کارزار میں تھی اور مرور زمانہ سے دوران جنگ میں مستقل فوج کی حد تک ترقی کرگئی۔ اب نظم و نسق اور مشق و مزاولت کے اعتبار سے یہ فوج کسی سے سرمو کم نہ تھی۔ دوسری طرف عنی بال کی فوقیت و برتری میں روزمرہ کمی ھوتی جارھی تھی۔ عصدرالبال نے خیال کیا کہ یہ امر ضروری ھے کہ میں اپنی تمام ھسپانی مستقل سپاہ کو یا اسکے بیشتر حصے کو اپنے بھائی کی کمک کے لئے اطالیہ لے جاؤں۔ بیان کیا جاتا ھے کہ اس کوچ میں اس کے رھنما لوگوں نے اس کو دھوکا دیا۔ [۱] ملک غیر اور اجنبی تھا۔ اس کے

---

۱ طبائع اول دوم و سوم میں ھے۔ اس کے کوچ میں اس کے رھنماؤں نے اس کو دھوکا دیا۔

متعلق اس کی معلومات محدود تھیں ۔ اس حالت میں اس پر ایک اور مستقل فوج نے اچانک حملہ کر دیا یہ فوج ہر اعتبار سے اس کی فوج کے برابر تھی بلکہ چند در چند اعتبارات سے اس سے ارفع و اعلیٰ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوج کو شکست فاش کھانی پڑی ۔

اسی طرح اس نے کارتھیج کی ردیفی فوج کو ہسپانیہ میں شکست دی اور مستقل اور ردیفی فوجوں کو افریقہ میں ہزیمت دی ۔

جب عصدرالبال نے ہسپانیہ سے کوچ کیا تو سائپو اعظم کو معلوم ہوا کہ جو فوج مد مقابل ہے اس کی حیثیت ردیفی فوج سے کچھ زیادہ نہیں ہے اور یہ ردیفی فوج اس کی فوج سے ہر لحاظ سے ادنیٰ اور کم رتبہ تھی ۔ اس نے اس کو شکست دی اور مطیع کرلیا ۔ ان معرکہ آرائیوں کے دوران میں خود اس کی فوج رفتہ رفتہ ترقی کرتی رہی اور مرور زمانہ سے مستقل فوج کی حد تک جا پہنچی ۔ اب اس میں بھی نظم و نسق قائم ہوگیا اور وہ بھی فوجی مشق و مزاولت سے بہرہ ور ہوگئی اس کی یہ مستقل سپاہ افریقہ بھیجی گئی ۔ وہاں پہنچ کر اس فوج کو اس نے اپنے مقابلے میں صف آرا پایا وہ محض ردیفی فوج تھی ۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھی ۔ لہذا کارتھیج کے تحفظ کے لئے یہ ضروری قرار پایا کہ عنی بال کی مستقل فوج کو واپس بلایا جائے ۔ دل شکستہ اور ہزیمت خوردہ افریقہ کی ردیفی سپاہ ان کے ساتھ تھی ۔ زامہ میں معرکہ آرائی شروع ہوئی ۔ اس میدان کارزار میں عنی بال کی فوج کا بیشتر حصہ اسی ردیفی فوج پر مشتمل تھا ۔ اس دن کے واقعات نے دونوں حریف عمومی ریاستوں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا ۔

کارتھیج کی دوسری لڑائی کے خاتمے سے عمومیہ روم کے زوال تک رومۃ الکبریٰ کے ھاں کی فوج تھی وہ ھر لحاظ سے مستقل فوج تھی - اگر ان فوجوں کی مزاحمت کسی فوج نے کی تو وہ مقدونیہ کی فوج تھی - مقدونیہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی مگر اسی چھوٹی سی ریاست کو مطیع و منقاد کرنے کے لئے ان کو معراج کمال پر پہنچ کر بھی دو بڑی بڑی جنگیں اور تین چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں - اس کے باوجود بھی اس ریاست کی تسخیر میں اور بہت سی مشکلیں پیش آئیں مگر اسکا اخیر پادشاہ بزدل اور نامرد تھا - اس لئے یہ ریاست جلدی شکست کھا گئی - رومۃ الکبریٰ کی مستقل فوجوں نے انکا مقابلہ کیا مگر کچھ زیادہ مقابلہ نہ کرسکیں - غیر مہذب قوموں کی ردیفی افواج نے رومۃ الکبریٰ کی مستقل سپاہ کا مقابلہ کیا اور حق یہ ھے کہ زیادہ اچھی طرح کیا - کارتھیج کی دوسری جنگ کے بعد جن فوجوں نے رومۃ الکبریٰ کی مستقل سپاہ کا مقابلہ نہایت اچھی طرح کیا وہ استھیا والوں اور تاتاریوں کی ردیفی فوجیں تھیں - ان کو متھری دائی نے ان علاقوں سے جمع کیا جو بحیرہ یوجین اور بحیرہ اخضر کے شمال کی طرف واقع ھیں - پارتھیا والوں اور جرمنوں کی ردیفی سپاہ بھی ھمیشہ واجب الاحترام رھی ھے - کئی موقعوں پر انھوں نے رومۃالکبریٰ کی سپاہ کے مقابلے میں فوقیت و برتری کا ثبوت دیا ھے لیکن عام طور پر رومۃالکبریٰ کی سپاہ زیادہ ارفع و اعلیٰ معلوم ھوتی ھے اور خاص طور پر

اس کے بعد سے رومی فوج ھمیشہ مستقل فوج رھی ھے - اس فوج کو کسی اور فوج کی طرف سے کبھی کسی قسم کی مزاحمت پیش نہیں آئی صرف مقدونیہ اس سے مستثنیٰ ھے -

اس حالت میں تو ضروری ہوتی رہی جب رومی سپاہ کے افسر عمدہ اور کاردان ہوتے تھے اور اگر رومیوں نے پارتھیا اور جرمنی کو پوری طرح فتح کرنا اور اپنی سلطنت میں شامل کرنا نہیں چاہا تو اس کی تہ میں یہ راز مضمر تھا کہ یہ دونوں ملک وحشی اور بربری ہیں اوو سلطنت روم پہلے ہی ضرورت سے زیادہ وسیع و فراخ ہے۔ لہذا یہ امر قرین مصلحت نہیں ہے کہ ان وحشی ملکوں کو فتح کیا جائے اور اس سلطنت میں شامل کرلیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم پارتھیا والے ستھیایوں اور تاتاریوں کی نسل میں سے تھے اور ان میں ان کے آبا و اجداد کے اوضاع واطوار اب تک بہت کچھ موجود تھے۔ قدیم زمانے میں اہل جرمنی بھی خانہ بدوش چوپان اور گلہ بان تھے۔ اس اعتبار سے ان میں اور ستھیا والوں اور تاتاریوں میں کچھ فرق نہ تھا۔ اہل جرمنی بھی میدان کارزار میں انہیں افسروں اور سرداروں کی سر کردگی میں کام کرتے تھے جن کے ماتحت وہ روزانہ زندگی میں خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کی ردیفی فوج اور پارتھیا والوں اور تاتاریوں کی ردیفی فوج میں کچھ فرق نہ تھا اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ انہیں کی نسل سے تھے۔

شہنشاہوں کی ماتحتی میں یہ فوجیں انحطاط پذیر ہو کر محض ردیفی فوجیں رہ گئیں۔

رومی سپاہ کے نظم و نسق میں زوال و انحطاط پیدا ہوگیا۔ اس زوال و انحطاط کی تہ میں گوناگوں اسباب کار فرما تھے۔ شاید سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ یہ نظم و نسق نہایت شدید تھا۔ معراج کمال کے زمانے میں انھوں نے اپنے بھاری زرہ بکتر کو اتار پھینکا اس لئے کہ اب اس کی کچھ ضرورت نہ تھی اور وہ تھا بھی نہایت وزنی اور

ورزشوں اور کسرتوں کی طرف سے بھی غفلت کا ارتکاب ہونے لگا اس لئے کہ یہ بھی غیر ضروری اور تکلیف دہ تھیں اور اس سے بھی معقول وجہ یہ تھی کہ اب کوئی دشمن اس قابل نظر نہ آتا تھا کہ میدان کارزار میں درآئے اور اس سپاہ کا مقابلہ کرے۔ اس کے علاوہ رومۃالکبریٰ کے شہنشاہوں کے دور میں رومی سپاہ اپنے آقاؤں کے حق میں خطرناک ہوگئی اور وہ سپاہ خاص طور پر خطرناک ہوگئی جو جرمنی اور پانونیہ کی سرحدوں کی حفاظت و نگہداشت پر مامور تھی۔ ان آقاؤں کے مقابلے میں یہ لوگ اکثر اوقات خود اپنے سپہ‌سالار لاکھڑے کرتے تھے۔ ان کا رعب کم کرنے کے لئے انھوں نے ان کو ان سرحدوں سے منتقل کردیا جہاں یہ فوجیں کثیر تعداد میں مقیم رہتی تھیں اور عام طور پر دو تین جوق سے کم نہ ہوتی تھیں۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ یہ کام سب سے پہلے دائیوکلشین نے کیا اور بعض کا قیاس ہے کہ اس میں سبقت قسطنطین نے کی تھی۔ ان شہنشاہوں نے ان فوجوں کو وہاں سے منتقل کیا اور چھوٹے چھوٹے گروہ تجارتی شہروں اور صنعتی قصبوں میں معین کردئیے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ سپاہی خود بھی تجارت کرنے لگتے یا صناع و کاریگر بن بیٹھتے تھے کیونکہ وہ ان مقامات سے کبھی منتقل نہ کئے جاتے تھے۔ اس طرح ان کے مصافی کردار پر غیر مصافی کردار غالب آجاتا تھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ رومی سپاہ و لشکر میں زوال و انحطاط کے آثار پیدا ہوگئے اور اس میں وہ تمام خواص جلوہ گر ہوگئے جو کسی بےنظم و نسق ردیفی فوج میں ہوتے ہیں۔ اب یہ فوج تخریب‌پذیر اور غفلت شعار ہوگئی تھی اور اس لائق نہ

رھی کہ ستھیاوالوں اور جرمنوں کی ردیفی فوج کا مقابلہ کر
سکے - نتیجہ یہ نکلا کہ اس حالت کو کچھ زیادہ عرصہ نہ
گزرا تھا کہ ان قوموں نے سلطنت رومہ کے مغربی علاقے پر
حملہ کردیا - اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اپنے دفاع
و تحفظ کے لئے شہنشاھوں کو ایک قوم کی مزاحمت کے لئے
کسی اور قوم کی ردیفی فوج کو عارضی طور پر ملازم رکھنا
پڑتا تھا - اس مغربی سلطنت کا زوال معاملات انسانی میں تیسرا
انقلاب عظیم تھا جس کا تاریخ قدیم میں مفصل و مبسوط حال
مندرج ھے - اس انقلاب کا راز اس امر میں پوشیدہ ھے کہ غیر
مہذب اور ناشائستہ قوموں کی ردیفی فوج کو مہذب اور شائستہ
قوموں کی ردیفی فوج پر ایک گونہ فوقیت اور برتری حاصل
ھوتی ھے اور یہ برتری ناقابل مزاحمت ھوتی ھے یہاں تک کہ
چوپانوں اور گلہبانوں کی ردیفی فوج کو کاشتکاروں اور کسانوں
کی ردیفی فوج اور صناعوں اور کاریگروں کی ردیفی فوج پر بھی
فوقیت اور برتری حاصل ھوتی ھے - ردیفی سپاہ کو جو فتوحات
حاصل ھوئی ھیں وہ مستقل فوج پر نہیں ھوئی ھیں بلکہ دیگر
ردیفی سپاہ پر ھوئی ھیں جو نظم و نسق اور فوجی مشق و
مزاولت میں اس سے پیچھے ھوتی ھے - یونان کی ردیفی سپاہ کو
ایران کی ردیفی سپاہ پر جو فتح حاصل ھوتی تھی وہ اسی قبیل
کی تھی اور وہ فتوحات بھی اسی قبیل کی تھیں جو زمانہ مابعد
میں اھل سوئستان کی ردیفی سپاہ کو آسٹریا اور برگندی والوں
کی ردیفی سپاہ پر حاصل ھوئی تھیں -

یورپ میں ردیفی فوج کی جگہ رفتہ رفتہ مستقل فوج بنتی چلی گئی -

مغربی سلطنت کے زوال پر جرمنوں اور ستھیا والوں کو عروج حاصل ہوا - اب یورپ میں ان کی جگہ ان قوموں کی سلطنتیں قائم ہوئیں لیکن ان دونوں قوموں کی فوجی قوت ایک مدت تک نو آبادیات میں بھی اس منزل مین رہی جس میں اصلی ملکوں میں تھی - یہ قوت چوپانوں، گلہ بانوں اور کسانوں کی ردیفی فوج تھی - زمانہ جنگ میں یہ ردیفی فوج میدان کارزار میں اپنے افسروں اور سرداروں کی بندگی میں کام کرتی تھی جن کی ماتحتی میں زمانہ امن میں خدمات انجام دیتی تھی اس لئے ان کی اطاعت کی عادی اور فرمانبرداری کی خوگر ہوتی تھی - اس کا نظم و نسق خاصا عمدہ اور اس کی مشق و مزاولت کافی اچھی ہوتی تھی - لیکن جوں جوں علوم و فنون میں ترقی ہوتی گئی صنعت و حرفت میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ افسروں اور سرداروں کے اختیار و اقتدار میں زوال آتا گیا اور عامۃالناس کی جماعت کثیر کو اتنی فرصت نہ رہی کہ وہ فوجی کسرتوں اور ورزشوں کے لئے کچھ وقت نکال سکتی - نتیجہ یہ ہوا کہ نظم و نسق فنا ہو گیا اور مشق و مزاولت میں شدہ شدہ زوال و انحطاط پیدا ہو گیا اور یہی چیزیں جاگیردارانہ سپاہ کے لئے طرۂ امتیاز تھیں - اب اس ردیفی سپاہ کی جگہ آہستہ آہستہ مستقل فوج لینے لگی - اس کے علاوہ جب مستقل فوج کی ترکیب ایک مہذب قوم میں مقبول ہو گئی تو فطری طور پر یہ ضروری ہو گیا کہ گرد و پیش کی اور مہذب قومیں بھی اس کی مثال کی تقلید کریں اور مستقل فوج بنائیں - ان کو اس امر کا احساس ہو گیا کہ

امن و سلامتی کا راز اسی مستقل سپاہ میں مضمر ہے۔ ردیفی فوج کسی طرح اور کسی حالت میں بھی مستقل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دوران امن و امان میں مستقل سپاہ کی جرات و بہادری میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی۔

یہ امر متواتر اور پے در پے معرض ظہور میں آچکا ہے کہ مستقل فوج کے سپاہی اس جرات اور دلیری سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو جنگ آزمودہ سپاہیوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور جس وقت وہ میدان کارزار میں در آتے ہیں اسی وقت جنگ آزمودہ اور صعوبت کشیدہ سپاہیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے موزوں معلوم ہوتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر سپاہیوں نے کبھی دشمن کی صورت بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ ۱۷۵۶ء میں روسیوں نے پولستان پر چڑھائی کی تھی۔ اس وقت روسی سپاہیوں کی جرات ودلیری جرمن سپاہیوں سے کم معلوم نہ ہوتی تھی حالانکہ جرمن سپاہی اس وقت یورپ بھر میں بہترین اور سب سے زیادہ کار آزمودہ گنے جاتے تھے اور سب سے زیادہ محنتی اور جفاکش متصور ہوتے تھے حالانکہ سلطنت روس اس سے پہلے امن و امان کے بیس سال گزار چکی تھی اس لئے اس وقت ایسے سپاہی محض چند ہی ہونگے جنھوں نے کبھی پہلے میدان جنگ کی صورت دیکھی ہوگی۔ اسی طرح جب ۱۷۳۹ء میں جنگ ہسپانیہ کا آغاز ہوا تو انگلستان امن و امان کے پورے اٹھائیس سال بسر کر چکا تھا لیکن امن و امان کے طویل زمانے میں اس کے سپاہیوں کی صحت و تناوری میں سر مو فرق نہ آیا تھا بلکہ یہ جذبہ کبھی اس سے زیادہ نمایاں نہ ہوا تھا جتنا اس وقت ہوا جب کارتھیجیا پر

حمله کیا تھا - یہ اس بدنصیب جنگ میں سب سے پہلا کارنامہ تھا - جب امن و سکون کا زمانہ زیادہ طول کھینچ جاتا ہے تو کبھی کبھی سپہ سالار اپنی مہارت بھول جاتے ھیں لیکن جن ملکوں میں مستقل فوج رکھی جاتی ہے اور اس میں نظم و نسق کا خیال اور قواعد و ضوابط کی پابندی کا لحاظ رکھا جاتا ہے وھاں معلوم ھوتا ہے کہ سپاھی اپنی ھمت اور جوانمردی کو کبھی نہیں بھولتے -

اور مہذب و متمدن قوم کی حفاظت و سلامتی کا انحصار اسی پر ھوتا ہے -

جب کوئی مہذب و متمدن قوم دفاع و تحفظ کے امور میں محض ردیفی فوج پر تکیہ کر لیتی ہے وہ قوم ھمیشہ اپنے آپ کو اس امر کے لئے مفتوح کر لیتی ہے کہ گرد و پیش کی وحشی اور بربری قوم اٹھے اور اس پر چڑھ دوڑے - چنانچہ تاتاری وحشی قوموں نے ھمیشہ یہی کیا ہے کہ ایشیا کی مہذب اور ترقی یافتہ قوموں پر چڑھائی کی ہے اور ان کو تاخت و تاراج کر ڈالا ہے - ان سے یہ امر بخوبی واضح ھو جاتا ہے کہ وحشی اور بربری اقوام کی ردیفی فوج کو مہذب اور ترقی یافتہ اقوام کی ردیفی فوج پر ایک فطری فوقیت و برتری حاصل ہے - باقاعدہ اور منظم مستقل سپاہ کو ھر قسم کی ردیفی فوج پر ھر حالت میں فوقیت و برتری حاصل ھوتی ہے - اس قسم کی باقاعدہ اور مستقل سپاہ کے مصارف کا بار صرف مہذب متمدن اور متمول قومیں برداشت کر سکتی ھیں اور یہی باقاعدہ اور مستقل فوج ہے کہ متمدن اور متمول قوم کے دفاع وتحفظ کے امور سے عہدہ برا ھو سکتی ہے اور اس کو اس کے مفلس اور وحشی ھمسایہ قوموں کے حملے سے

بچا سکتی ہے۔ اگر کسی قوم کی تہذیب و شائستگی دائمی اور پائدار صورت اختیار کر سکتی ہے تو محض مستقل فوج کی بدولت کر سکتی ہے اس کے بغیر اپنی ترقی کو کچھ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رکھ سکتی۔

وحشی اور بربری قوموں مین تہذیب و شائستگی کی ترویج کا بھی یہی ذریعہ ہے۔

جس طرح منظم اور باضابطہ مستقل فوج مہذب اور متمدن اقوام کے دفاع و تحفظ کا ذریعہ ہے اسی طرح یہ منظم ور باضابطہ فوج ھی اس امر کا وسیلہ ہے کہ وحشی اور بربری قوموں میں تہذیب پھیلائے۔ اس مستقل فوج کے وسیلے سے تاجدار وقت کا قانون سلطنت کے دور دراز حصوں میں رائج ہو جاتا ہے اور ملک کے کونے کونے میں باقاعدہ حکومت قائم ہو جاتی ہے اس لئے کہ کوئی قوت اس فوج کی قوت سے مزاحمت نہیں کر سکتی۔ جہاں یہ مستقل فوج نہیں ہوتی وہاں کسی قسم کی باضابطہ حکومت نہیں ہوتی۔ پطرس اعظم نے روس میں گونا گوں اصلاحات اور ترمیمات کو رائج کیا۔ جو شخص ان کا غور و تامل سے مطالعہ کرتا ہے وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچتا ہے کہ وہ تمام اصلاحات و ترمیمات اپنی ھست و بود کے لئے مستقل فوج کی رھین منت اور ممنون احسان ھیں۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے کہ تمام قواعد و ضوابط کی پابندی کراتا ہے اور جملہ آئین و قوانین کا احترم کراتا ہے۔ روس میں ھمیشہ اندرونی امن و امان قائم رھا ہے اور کبھی کسی قسم کی خانہ جنگی ظہور پذیر نہیں ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ اس مستقل فوج کے اثرات ھیں۔

مستقل فوج کا وجود آزادی کے حق میں غیر مساعد نہیں ہے -

کچھ لوگ جمہور پسند ہوتے ہیں - یہ لوگ مستقل فوج کے وجود کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کو حریت و آزادی کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں - جہاں کہیں سپہ سالاروں اور بڑے بڑے افسرون کے مفاد ریاست کے دستوری اور آئینی نظام حکومت کی حمایت و تائید سے مربوط و وابستہ نہیں ہوتے وہ بلا شائبہ شک اس فوج کا وجود حریت و آزادی کے لئے خطرناک ہوتا ہے - چنانچہ جولیس قیصر کی مستقل سپاہ نے عمومیہ رومہ کا قلع قمع کردیا تھا - اسی طرح کرام ویل کی مستقل فوج نے طویل پارلیمنٹ کو نکال باھر کیا تھا١ - لیکن جہاں کہیں تاجدار خود سپہ سالار ہوتے ہیں اور شرفاء و رؤسا قوم کے بڑے بڑے افسر اور سردار ہوتے ہیں اور جن ریاستوں میں فوجی قوت ان لوگوں کے ھاتھ میں ہوتی ہے جن کے مفاد غیر مصافی حکومت کے ارباب حل و عقد کی حمایت و تائید سے وابستہ ہوتے ہیں مستقل سپاہ آزادی اور حریت کے لئے خطرناک نہیں ہوتی کیونکہ اس کے اختیار و اقتدار میں ارکان قوم کا بہت کچھ حصہ ہوتا ہے - اس کے برخلاف بعض بعض حالات میں اس مستقل فوج کا وجود آزادی کے حق میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے٢ اس لئے کہ اس کے طفیل تاجدار وقت کو ایک گونہ حفاظت و سلامتی نصیب ہو جاتی ہے اور وہ جذبات رشک و حسد سے بالاتر ہو جاتا ہے - اور جہاں کہیں

---

١ ملاحظہ ہوں - خطبات صفحہ ٢٩ -

٢ ملاحظہ ہوں خطبات - صفحہ ٦٦٢ -

ایسا نہیں ہوتا وہاں ذرا ذرا سے کام کو رشک وحسد کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اوز موجودہ جمہوری و عمومی ریاستوں کی یہی امتیازی خصوصیت ہے جو ہر وقت ہر شخص کے امن و سکون کو ملیا میٹ کرنے پر تلی رہتی ہے - جن ریاستوں میں عامۃالناس کو اطمینان و سکون حاصل نہیں ہوتا وہاں حاکموں کے امن و سکون کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے خواہ وہاں کے اکابر و اعیان ان کے معاون و مددگار ھی کیوں نہ ہوں - ایسی حالت میں ذرا سا فتنہ پھیلتا ہے اور چند گھنٹے کے اندر اندر انقلاب برپا کر دیتا ہے - ایسی حالت میں حکومت کا تمام اختیار و اقتدار اس امر میں صرف ہونا چاہئے کہ اس شخص کو سخت سزا دے جو افواہ پھیلائے اور حکومت کے خلاف لب کشائی کرے - ان تاجداروں کی شان اس کے خلاف ہے جن کو شرفاء و رؤسا قوم کی اعانت و تائید نصیب ہوتی ہے اور اس کے علاوہ ان کو ایک باقاعدہ تربیت یافتہ اور نظم و نسق پذیرفتہ مستقل فوج کی قوت بھی ہر وقت حاصل ہوتی ہے - ان کی سلطنت میں سرمو بھی فتنہ نہیں ہونے پاتا خواہ کتنی ھی شکایت و فریاد کیوں نہ کی جائے اور خواہ کیسی ھی جھوٹی اور بے بنیاد افواہیں کیوں نہ پھیلائی جائیں - ایسے تاجدار ان کی طرف سے غفلت برت سکتے ہیں اور ان کو معاف بھی کر سکتے ہیں - اس سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ ان تاجداروں کو اپنی قوت و عظمت کا احساس ہوتا ہے اس لئے یہ تاجدار مائل بہ عفو و کرم ہوتے ہیں - ایک منزل ایسی آتی ہے کہ آزادی قانون شکنی کی حد میں در آتی ہے - اس قسم کی آزادی صرف انہیں حکومتوں میں روا رکھی جا سکتی ہے جہاں تاجداران

وقت کے ہاں منظم اور باقاعدہ مستقل سپاہ ہوتی ہے اس لئے کہ اس کے طفیل تاجدار اپنے آپ کو محفوظ و مصئون سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی اس امر کی ضرورت پیش آتی ہے کہ امن عامہ کے تحفظ کے لئے تاجداران وقت اپنے اختیارات تمیزی سے کام لیں اور اس قسم کی ناجائز آزادی اور دیدہ دلیرانہ قانون شکنی کا قلع قمع کریں۔ لیکن جن ملکوں میں عمدہ اور تربیت یافتہ مستقل فوج موجود ہوتی ہے وہاں اس کی نوبت نہیں آتی۔

اس طرح امور دفاع و تحفظ پر صرف زیادہ ہونے لگتا ہے۔

تاجداران وقت کا اولین فرض ہے کہ اپنی قوم کو گرد و پیش کی دیگر آزاد اقوام کی دستبرد اور اس کے جور و ستم سے محفوظ رکھیں۔ معاشرۂ انسانی جس قدر سرعت اور تعجیل سے تہذیب و تمدن کی طرف قدم بڑھاتا ہے اس کے دفاع و تحفظ کا خرچ اسی قدر بڑھ جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ فوجی قوت کے رکھ رکھاؤ پر تاجداران وقت کو کچھ صرف نہ کرنا پڑتا تھا۔ دوران جنگ اور زمانہ امن و امان میں یہ فوح اپنے مصارف آپ برداشت کرتی تھی لیکن جب اصلاح و ترمیم اور تمدن و تہذیب میں ترقی ہو جاتی ہے تو دوران جنگ میں تاجداران وقت کو فوج کے مصارف خود برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے بعد دوران امن و امان میں بھی یہ اخراجات خود تاجداران وقت کے ذمے آ پڑتے ہیں۔

اسلحہ آتشین کی ایجاد سے اور اضافہ ہو گیا۔

اسلحۂ آتشین کی ایجاد سے فنون جنگ میں ایک گونہ انقلاب عظیم رونما ہو گیا۔ اس کی وجہ سے فوجی مصارف میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

اب زمانۂ امن و امان میں سپاھیوں کی ایک جماعت کی مشق و مزاولت پر اور ان کے نظم و نسق پر اور دوران جنگ میں اس سے کام لینے پر اس سے بہت زیادہ صرف ھوتا ھے جتنا کبھی پہلے ھوتا تھا۔ آج کل ان کے اسلحہ و آلات بھی زیادہ مہنگے ھو گئے ھیں اور گولا بارود میں بھی گرانی ھو گئی ھے۔ آج کل کی بندوقیں پہلے زمانے کی تیر کمان اور اس دور کی توپیں عہد قدیم کی غلیلوں اور آڑی کمانوں سے کہیں زیادہ گراں اور قیمتی ھیں۔ اس زمانے میں فوجی مشق و مزاولت اور قواعد پر بہت بارود صرف ھوتی ھے۔ یہ بارود بالکل بے کار جاتی ھے اور خرچ اس پر بہت زیادہ ھوتا ھے۔ پہلے زمانے میں تیر چلائے جاتے اور برچھے اور بھالے پھینکے جاتے تھے۔ فوجی مشق و قواعد کے اختتام پر ان کو پھر اٹھا کر ایک جگہ جمع کر لیتے تھے حالانکہ یہ آلات ویسے بھی کچھ زیادہ گراں قدر نہ ھوتے تھے۔ ان کے برعکس توپیں نہایت گراں قیمت اور گراں بار ھوتی ھیں۔ آڑی کمانیں اور نیزے ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ان بھاری مشینوں کے بنانے اور میدان جنگ میں لے جانے میں صرف کثیر کی ضرورت پیش آتی ھے۔ آج کل توپخانہ بھی پہلے کے توپخانے کی نسبت بہت زیادہ فائق و سابق ھے اس لئے آج کل شہروں کی قلعہ بندی بہت مشکل ھو گئی ھے اگر اس زمانے میں کسی شہر کی قلعہ بندی اس طرح کی جائے کہ کسی عمدہ توپخانے کی گولہ باری کی مزاحمت صرف چند ھفتے تک کر سکے تو اس کے لئے بہت زیادہ مصارف مطلوب ھوتے ھیں اس کے علاوہ دور حاضر میں اور بھی بہت سے علل و اسباب

ہیں کہ معاشرۂ انسانی کے دفاع و تحفظ کو اور بھی صعب و گراں خرچ بنا دیتے ہیں - اراضی کی حیثیت میں اصلاح و ترمیم رونما ہوئی تو ترقی ناگزیر ہو گئی - مزید براں فنون جنگ میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا اس کی وجہ سے ترقی کی رفتار میں اور بھی اضافہ ہو گیا - اس کے علاوہ بارود کی ایجاد کی وجہ سے فنون جنگ میں بھی ترقی کے مواقع پیدا ہو گئے -

اسلحہ آتشیں سے متمول قوموں کو فائدہ ہوتا ہے اور یہ فائدہ تہذیب و تمدن کے حق میں سازگار ہوتا ہے -

دور حاضر کی لڑائیوں میں فتح و شکست تمام و کمال اسلحہ آتشیں پر موقوف ہے اور اسلحہ آتشیں نہایت قیمتی اور مہنگے ہوتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ موجودہ جدال و قتال میں ان قوموں کو فتح نصیب ہوتی ہے جو اوروں سے زیادہ متمول ہوتی ہیں اور اسلحہ آتشیں کے مصارف کا بار برداشت کر سکتی ہیں - اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ مہذب و متمدن قوموں کو مفلس اور غیر مہذب قوموں پر سیادت و برتری حاصل ہو جاتی ہے - عہد قدیم میں حالت اس کے برعکس تھی - اس دور میں مہذب و متمدن اقوام کے لئے یہ نہایت صعب و دشوار تھا کہ اپنے آپ کو مفلس اور غیر متمدن اقوام کی دستبرد سے محفوظ رکھیں - آج کل غریب نادار اور ناشائستہ اقوام کے لئے یہ محال ہے کہ دولت مند اور ترقی یافتہ اقوام کے ہاتھ سے اپنے آپ کو محفوظ و مصئون رکھ سکیں - اسلحہ آتشین کی ایجاد بادی النظر میں مہلک اور تباہ کن معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں تہذیب و تمدن کے حق میں سازگار ہے اس لئے کہ ان کی وجہ سے اس میں وسعت پیدا ہوتی

ہے اور انھیں سے اس کو دوام و ثبات نصیب ہوتا ہے۱

---

۱ داود ہیوم ' رقم طراز ہے ۔ توپ نہایت مہیب اور خطرناک مشین ہے
جو سلطنتوں کی تباہی اور مخلوق کی بربادی کے لئے عالم وجود میں آئی
ہے لیکن اس کی وجہ سے جنگوں کی خونریزی میں بہت کمی پیدا ہو گئی
ہے اور غیر مصافی معاشرات کو اس کی وجہ سے بہت کچھ ثبات و استحکام
نصیب ہو گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو تاریخ مصنفہ ہیوم مطبوعہ ۱۷۷۳ء
جلد دوم صفحہ ۴۳۲ ۔ لیکن داؤد ہیوم کے دلائل اس کتاب کے مصنف
کے دلائل سے قدرے مختلف ہیں ۔ بظاہر یہ باب ''کتاب اسلحہ'' کے
حصہ پنجم پر مبنی ہے اور یہ کتاب خطبات کا ایک جزو ہے ۔ ملاحظہ
ہوں صفحات ۲٦۰ تا ۲٦۴ اور اسی طرح خطبات میں فنون جنگ کی
رفتار اور اس کے عروج و زوال کے متعلق ایک مقالہ ہے ۔ یہ باب اس
مقالے پر بھی مبنی ہے ۔ ملاحظہ ہو حصہ اول ۔ صفحات ۲٦ تا ۳۴ ۔

حصہ دوم

مصارف عدالت

مصارف عدالت مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں۔

تاجداران وقت کا دوسرا فرض یہ ہے کہ حتی المقدور قوم کے ہر فرد کو دیگر افراد قوم کی دستبرد سے بچائے اور ان کے جور و ستم سے محفوظ رکھے۔ بالفاظ دیگر اس کا یہ فرض ہے کہ عدالتیں قائم کرے اور عدل و انصاف کا انصرام فرمائے۔ اس فرض سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے دو مختلف زمانوں میں دو مختلف مصارف کی ضرورت پیش آتی ہے۔

جب معاشرۂ انسانی میں مال اندوزی کے آئین رواج پذیر ہوتے ہیں تو غیر مصافی حکومت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

شکاری اقوام کے پاس اول تو کسی قسم کا مال و متاع ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا ہے تو اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنا ان کے دو تین دن کی محنت سے جمع ہو سکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ نہ ان میں کوئی مستقل حاکم ہوتا ہے اور نہ کوئی باقاعدہ منصرم عدالت مقرر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ مفلس و قلاش ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو جسمانی آزار پہنچا سکتے ہیں یا اس کے ننگ و ناموس پر دھبا لگا سکتے ہیں۔ جب کوئی دشمن کسی کو قتل کر ڈالتا ہے تو مقتول کی تو جان جاتی ہے مگر قاتل کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص دوسرے کو زد و کوب کرتا اور زخمی کر دیتا ہے تو مضروب کو

تو آزار پہنچاتا ہے مگر خود کچھ حاصل نہیں کرتا۔ ایسی
صورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ ایک شخص کسی کے ننگ
و ناموس پر داغ لگاتا ہے کہ دوسرے کو تو بدنام کر دیتا
ہے۔ خود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ لیکن مال و متاع کی حالت دگر
گوں ہے۔ اس صورت میں ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان
ہوتا ہے اور ایک کو فائدہ اتنا ہی ہوتا ہے جتنا دوسرے
کو نقصان ہوتا ہے۔ جو کسی شخص کو جسمانی آزار پہنچاتا
ہے یا اس کے ننگ و ناموس پر داغ لگاتا ہے رشک و حسد
سے متاثر ہو کر یا بغض و عداوت سے مغلوب ہو کر ایسا
کرتا ہے، لیکن اکثرالناس پر بسا اوقات ان جذبات کا غلبہ نہیں
ہوتا یہاں تک کہ اشرالناس پر بھی یہ جذبات محض گاہے
گاہے طاری ہوتے ہیں۔ جب ان جذبات کو پورا کر لیا جاتا
ہے خطاکار لوگوں کو کوئی اصلی اور دائمی فائدہ نہیں پہنچتا
اگرچہ بعض بعض کے لئے بہت خوشگوار معلوم ہوتا ہے لیکن
اکثرالناس میں اس قبیل کے جذبات مغلوب اور دور بینی
اور عافیت اندیشی کے جذبات غالب ہوتے ہیں۔ یہ امر حیز
امکان میں ہے کہ انسان معاشرۂ انسانی میں مل جل کر
زندگی بسر کرے اور کم و بیش سکون و عافیت سے وقت گزارے
خواہ اس معاشرۂ انسانی میں حاکم ہوں یا نہ ہوں جو عدل
قائم رکھنے اور ضعیفوں کو جور و ستم سے بچانے پر مامور
ہوتے ہیں۔ لیکن امیر اور دولت مند لوگوں میں حرص و آز
اور حب جاہ و جلال کے جذبات موجزن ہوتے ہیں اور
غریبوں اور ناداروں کے دلوں میں محنت و مشقت سے نفرت
ہوتی ہے۔ ان پر آرام طلبی اور راحت پسندی کے جذبات

غالب ہوتے ہیں اور امیروں اور غریبوں کے یہی جذبات ہیں کہ اوروں کے مال و متاع پر حملہ کرنے اور دوسروں کی دولت لوٹنے کے محرک ہوتے ہیں۔ یہ جذبات زیادہ قوی اور دیرپا ہیں اور ان کا اثر عالمگیر ہے۔ جہاں کہیں مال و دولت کی افراط ہوتی ہے وہاں نشیب و فراز بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی ایک شخص کے پاس زیادہ دولت ہوتی ہے تو کم از کم پانسو آدمی زیادہ غریب اور نادار ہوتے ہیں۔ جب دولت محض چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے تو اکثرالناس بالکل نادار اور محتاج ہوتے ہیں۔ دولت مندوں کی دولت کو دیکھ کر غریبوں کے دلوں میں غم غصے کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اس اشتعال کی تہ میں کچھ تو رشک و حسد کے جذبات موجزن ہوتے ہیں اور کچھ حوائج و ضروریات کی تلخیاں کار فرما ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب غربا امراء و رؤسا پر چڑھ دوڑتے اور ان کے مقبوضات پر حملے کر دیتے ہیں۔ جب تک معاشرۂ انسانی کو کسی شہری حاکم کی پناہ نصیب نہیں ہوتی، اس وقت تک اس کے امراء و رؤسا ایک شب بھی راحت و آرام سے نہیں سو سکتے اور اس دولت و ثروت کی حفاظت نہیں کر سکتے جو سالہا سال کی محنت کا ماحصل ہے بلکہ جس کے حصول میں کئی پشتیں گزری ہیں۔ ایسے شہری حاکموں کی عدم موجودگی میں زردار لوگ نا دیدہ دشمنوں کے نرغے میں محصور ہوتے ہیں۔ ان دشمنوں کے حرص و آز کے جذبات کو یہ زردار لوگ کبھی پورا نہیں کر سکتے اور یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ زردار لوگ مفلس اور نادار لوگوں کے دلوں میں اشتعال پیدا کریں

جو شے امراء و رؤسا کو مفلس و قلاش لوگوں کی بے انصافی اور قانون شکنی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ وہ حاکم شہر کی زبردست ہستی ہوتی ہے۔ جب تک حاکم شہر کا قوی اور زبردست ہاتھ نادار و نامراد لوگوں کو سزا دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، امراء و رؤسا کا مال و متاع محفوظ نہیں رہتا۔ بہت زیادہ قیمتی اور قابل قدر مال و متاع جمع کرنے کے لئے لازم ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی غیر مصافی حکومت قائم کی کی جائے۱ جہاں کہیں مال و دولت ہے وہاں حکومت کی ضرورت ہے۔ جہاں مال و دولت نہیں ہے حکومت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اتنی دولت کے لئے بھی حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی دو تین دن کی محنت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مال و دولت کی افراط سے خضوع اور خشوع کے اسباب میں اضافہ ہوتا ہے۔

غیر مصافی حکومت کی ذات میں ایک گونہ خضوع و خشوع کے اسباب مضمر ہیں لیکن جس نسبت سے کسی قوم میں دولت و ثروت کی افراط ہوتی جاتی ہے اسی نسبت سے شہری اور غیر مصافی حکومت کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ علل و اسباب بھی بڑھتے جاتے ہیں جن کی وجہ سے عاجزی اور فروتنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

خشوع و خضوع کے چار اسباب ہیں۔

وہ علل و اسباب تعداد میں چار معلوم ہوتے ہیں جو از روئے فطرت کسی قوم میں عجزو نیاز کی خو پیدا کرتے ہیں۔ وہ حالات تعداد

---

۱ طبع اول میں ''اور'' کی جگہ ''یا'' ہے۔

میں چار ھیں ، جن کے طفیل چند آدمیوں کو اپنے ابنائے جنس کی تعداد کثیر پر فوقیت و برتری حاصل ھوتی ہے - جب تک یہ حالات و اسباب موجود نہیں ھوتے اس وقت تک کسی جگہ کوئی شہری یا غیر مصافی حکومت قائم نہیں ھوتی -

اول - ذاتی اوصاف کی برتری -

ان علل و اسباب اور ان حالات میں سب سے اعلیٰ درجہ ذاتی اوصاف و صفات کو حاصل ہے اور ان کا تعلق جسمانی طاقت و قوت چستی چالاکی یا حسن و خوبصورتی سے ہے یا ان کا ماخذ عقل و دانش اور فہم و فراست ہے یا ان کا راز نیک نیتی اور پاک طینتی میں مضمر ھوتا ہے یا ان کا انحصار عدل و انصاف پر ھوتا ہے - ان کا سر چشمہ اعتدال و میانہ روی اور پیش بینی و مال اندیشی ھوتا ہے - معاشرۂ انسانی میں ایسا وقت کبھی شاذ و نادر ھی آیا ھوگا کہ محض قوت جسمانی سے اقتدار حاصل ھوتا ھوگا ورنہ عام طور پر اس کی تائید و حمایت کے لئے قوت دماغی کی ضرورت پیش آتی ہے - کوئی شخص خواہ کتنا ھی طاقتور و توانا کیوں نہ ھو محض اپنی قوت بازو کے ذریعے دو ضعیف و نا تواں آدمیوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا - جس قوت سے اقتدار و اختیار نصیب ھوتا ہے وہ دماغی قوت ہے لیکن دماغ کی قوتیں نادیدہ اور غیر مرئی ھیں - یہ ھمیشہ قابل نزاع ھوتی ھیں اور عام طور پر مابہ‌الاختلاف ھوتی ھیں - کوئی سوسائٹی تمدن و تہذیب کے کسی دور میں ان نادیدہ اوصاف و صفات کی بنیاد پر اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکی کہ اقتدار و اختیار اور عجز و نیاز

کے مدارج کیا ھیں اور کن کن اصول و قواعد پر ان کا انحصار ھے - جب اس نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ھے تو مہذب اور غیر مہذب معاشرات انسانی میں کچھ فرق نہیں پایا جاتا - اس کے برعکس اس قسم کے تصفیے کے لئے کچھ ایسے اصول مطلوب ہوتے ھیں جو زیادہ واضح اور نمایاں ہوں -

دوم - سن و سال کی بزرگی -

ان اسباب و علل اور ان حالات میں دوسرا درجہ پیرانہ سالی اور سن و سال کی بزرگی کو حاصل ھے - دو ہم مرتبہ اور ہم سر لوگوں میں جس ادب و احترام کی نظروں سے سن رسیدہ بزرگوں کو دیکھا جاتا ھے نو عمر نو نہالوں کو نہیں دیکھا جاتا خواہ یہ دونوں ہمسر دولت و ثروت میں اور لیاقت و قابلیت میں بالکل برابر ھی کیوں نہ ہوں لیکن شرط یہ ھے کہ پیرانہ سنی ضعف عقل کی حد تک نہ پہنچ گئی ہو - شکاری قبائل میں اختیار و اقتدار کا معیار محض پیرانہ سری اور کبر سنی ھے - ایسے قبائل شمالی امریکہ میں آباد ھیں - ان قبائل میں پدر ارفع و اعلیٰ کا، برادر ہم چشم و ہمسر کا، اور پسر ادنیٰ و کمتر کا لقب ھے - مہذب اور متمول قوموں میں بھی عمر کا خیال رکھا جاتا ھے مگر صرف ان ہمسر لوگوں کے درمیان اس سے اقتدار و اختیار کی کمی بیشی کا تصفیہ کیا جاتا ھے جو تمام اعتبارات سے بالکل برابر ہوتے ھیں اس لئے کہ اس صورت میں کوئی اور معیار ایسا موجود نہیں ہوتا جس سے اس اقتدار و اختیار میں کمی بیشی کا فیصلہ کیا جا سکے - بھائیوں اور بہنوں میں ہمیشہ فوقیت و برتری بڑی بہن اور بڑے بھائی کے حصے میں آتی ھے

والدین کے ترکے میں اگر کوئی شے نا قابل تقسیم ہوتی ہے تو وہ بڑے بیٹے کے حصے میں آتی ہے - جیسے القاب و خطابات و اعزاز - معیار سن و سال سیدھا سادہ اور واضح معیار ہے - اس میں کسی قسم کے اختلاف و نزاع کی گنجائش نہیں ہے -

سوم - مال و دولت کی برتری -

ان علل و اسباب اور ان حالات میں تیسرا درجہ دولت و ثروت کو نصیب ہے - مال و دولت کی برتری ارتقائے انسانی کے ہر دور میں مسلم رہی ہے - لیکن یہ برتری جس قدر غیر مہذب اور ناشائستہ قوموں میں ہوتی ہے اتنی شائستہ اور ترقی یافتہ قوموں میں نہیں ہوتی اس لئے کہ سوسائٹی جس قدر تہذیب و تمدن سے بیگانہ ہوتی ہے اسی قدر نشیب و فراز کی دلدادہ ہوتی ہے ، مثلاً ایک تاتاری سردار ہے اس کے پاس بھیڑوں اور بکریوں کی اس قدر تعداد ہے کہ وہ ایک ہزار آدمیوں کے مصارف کا کفیل ہو سکتا ہے - وہ اس آمدنی سے ایک ہزار آدمی ملازم رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اس سے اور کوئی کام نہیں لے سکتا - جس ماحول میں وہ زندگی بسر کرتا ہے وہاں تہذیب کا نام ہے نہ تمدن کا نشان - نہ وہاں مصنوعات میسر ہیں نہ زیورات ہیں اور نہ نمائش کا دوسرا سامان مل سکتا ہے - وہ اس آمدنی سے خریدے تو کیا خریدے اور کچھ نہ خریدے تو اس کو کام میں کیونکر لائے - اس لئے کہ یہ آدمی تو اس کے مصارف سے بالا تر ہے اس لئے یہ سردار ایک ہزار آدمی ملازم رکھ لیتا ہے - یہ ایک ہزار انسان مصارف کے لئے اس کے دست نگر اور خور و نوش کے لئے اس کے محتاج ہیں - اس لئے زمانۂ امن و امان میں اس کے

تابع فرمان اور دوران جنگ میں جاں نثار و حکمبردار ہوتے ہیں - اس حیثیت سے یہ سردار ان کا قاضی اور ان کا سپہ سالار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی سپہ سالاری اور اس کی سرداری کا راز اس کے دولت و مال میں مضمر ہے - مہذب و متمدن سوسائٹی میں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ کسی شخص کے قبضے میں اس سے زیادہ دولت ہو لیکن اس کا حکم ایک درجن آدمیوں پر بھی نہ چلتا ہو - حالانکہ اس کے مصارف کی آمدنی ایک ہزار آدمیوں کے مصارف کی کفیل ہو سکتی ہے اور بسا اوقات وہ فی‌الواقع ایک ہزار آدمیوں کے اخراجات کی کفیل ہوتی بھی ہے، بلکہ اس سے زیادہ تعداد کے مصارف بھی برداشت کر سکتی ہے - لیکن اس کے باوجود بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو اس کا محتاج سمجھتا ہو - اس لئے کہ یہ لوگ اس سے جو کچھ لیتے ہیں قیمت دے کر لیتے ہیں - اور وہ جو کچھ دیتا ہے کسی نہ کسی شے کے معاوضے یا مبادلے میں دیتا ہے - یونہی کسی کو کچھ نہیں دیتا - اس لئے یہ لوگ اپنے آپ کو اس کا دست نگر نہیں سمجھتے - لہذا اس کا حکم جن لوگوں پر چلتا ہے - وہ صرف چند خانگی ملازم ہیں - لیکن اس کے باوجود بھی مہذب اور ترقی یافتہ قوموں میں بھی دولت و ثروت کے طفیل بہت کچھ اختیار و اقتدار حاصل ہو سکتا ہے اور یہ اقتدار و اختیار اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو سن و سال کی بزرگی اور ذاتی اوصاف کی برتری کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے - چنانچہ تاریخ عالم کے ہر دور میں اس کی شکایات سننے میں آئی ہیں اور ان قوموں میں زیادہ تر سننے میں آئی ہیں

جن میں دولت و ثروت کے باب میں زیادہ نشیب و فراز روا رکھا جاتا ہے - ارتقائے انسانی میں پہلا دور شکاری قبائل کا ہوتا ہے - اس دور میں کسی قسم کا نشیب و فراز نہیں ہوتا - وہاں سب برابر ہوتے ہیں کیونکہ سب مفلس و قلاش ہوتے ہیں - ۱ اس لئے سن و سال کی بزرگی اور ذاتی صفات کی برتری اقتدار و اختیار کا معیار ہوتا ہے - اور یہی خضوع و خشوع کی میزان بھی ہوتی ہے ، اگرچہ یہ میزان کمزور ہوتی ہے - ان چیزوں کی بنیاد انھیں پر ہوتی ہے ، اس لئے ارتقائے انسانی کے اس دور میں اقتدار و اختیار کے مدارج یا خشوع و خضوع کے منازل کچھ زیادہ نہیں ہوتے - اس کے برعکس چوپانوں اور گلہ بانوں کی جماعت ہے - یہ ارتقائے انسانی کا دوسرا دور ہے - اس میں نشیب و فراز بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اس میں دولت و ثروت کی افراط و تفریط بہت نمایاں ہوتی ہے - اس دور میں اختیار و اقتدار کا تمام تر انحصار دولت و ثروت پر ہوتا ہے - اس دور میں اقتدار و اختیار اور عجز و نیاز کی حدیں معین ہو جاتی ہیں - بلکہ یہ حدیں جس قدر نمایاں اس دور میں ہوتی ہیں اس قدر نمایاں کسی دور میں بھی نہیں ہوتیں - چنانچہ شریف عرب کا اقتدار و اختیار بالکل واضح اور نمایاں ہوتا ہے - اور تاتاری خان تو بالکل مطلق العنان اور خود مختار ہوتا ہے -

ذات پات کی بزرگی -

ان علل و اسباب اور ان حالات میں چوتھا درجہ ذات پات کی بزرگی اور

---

۱ طبعات چہارم و پنجم میں ہے ''آن کی عالم گیر مساوات ان کے عالم گیر افلاس پر مبنی ہے -''

حسب نسب کی برتری کو حاصل ہے - اسی ذات پات کی بزرگی میں یہ امر بھی مضمر ہے کہ مدعی کے خاندان کو دولت و ثروت کی برتری بھی مدت سے حاصل ہے - اگرچہ قدامت کے لحاظ سے سب خاندان برابر ہیں - شہزادگان عالی تبار کے آبا و اجداد فقرا و مساکین کے بزرگوں سے افضل ہوتے ہیں - لیکن تعداد میں اس سے زیادہ نہیں ہوتے - خاندان کی قدامت کے معنی دولت و ثروت کی افراط کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں - قدیم خاندانوں کو جو عظمت و بزرگی حاصل ہوتی ہے ، اس کی بنیاد محض دولت و ثروت پر ہی ہوتی ہے - یا پھر اسی قسم کی اور چیزوں پر ہوتی ہے ، جو دولت و ثروت سے مربوط و وابستہ ہوتی ہیں - نوخیز خاندانوں کو کبھی اس قدر عزت و توقیر کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا جس قدر قدیم خاندانوں کو دیکھا جاتا ہے - [1] قدیم فرماں رواؤں کے لئے محبت اور غاصبوں کے لئے نفرت میں یہی راز مضمر ہے - عامۃالناس نوخیزوں اور غاصبوں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہیں اور قدیم فرماں رواؤں کو عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں - فوجی افسر اپنے افسران بالا کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور ان کے امر و نہی کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتے ہیں - لیکن یہ افسر بھی اس امر کو کبھی گوارا نہیں کرتے کہ کسی ادنیٰ شخص کو ان کا حکمران مقرر کر دیا جائے - عامۃالناس کے رگ و پے میں یہ امر سرایت کر گیا ہے کہ

---

۱ ملاحظہ ہو ''خطبات'' صفحہ نمبر ۱۰ -

وہ اس شخص کے اقتدار و اختیار کے سامنے آسانی سے گردن جھکا دیتے ھیں جس کے آبا و اجداد کے سامنے اُن کے بزرگ گردن جھکاتے چلے آئے ھیں اور جب کوئی اور خاندان ان پر مسلط ھوتا ھے ، تو غم و غصے سے بھڑک اٹھتے ھیں - اس لئے کہ یہ لوگ اس خاندان کی عظمت و بزرگی کے قائل نہیں ھوتے -

شکاری قبائل میں حسب و نسب کی برتری نہیں پائی جاتی -

ذات پات کا دار و مدار جو کچھ ھے دولت و ثروت کی افراط و تفریط پر ھے - یہی باعث ھے کہ شکاری قبائل میں اسکا وجود معدوم و مفقود ھے - ان قبائل کے تمام ارکان دولت و ثروت میں برابر ھوتے ھیں - اسی لئے ذات پات اور حسب و نسب میں سب مساوی ھوتے ھیں البتہ اگر ان میں بھی کوئی شخص دانشمند اور بہادر آدمی کا بیٹا ھوتا ھے اور اس کے مقابلے میں کوئی اور شخص بد نصیبی سے بیوقوف اور بزدل کا لڑکا ھوتا ھے تو دانشمند بہادر کے بیٹے کو بیوقوف بزدل کے لڑکے سے قدرے زیادہ عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ھے خواہ لیاقت و قابلیت میں یہ دونوں شخص بالکل برابر ھی کیوں نہ ھوں لیکن ان میں یہ فرق کچھ زیادہ نہیں ھوتا - مجھے یقین ھے کہ دنیا میں ایک خاندان بھی ایسا نہیں ھے جس کی عظمت و شان کا انحصار تمام و کمال عقل و دانش پر یا نیکی اور خوش کرداری پر ھو -

لیکن چوپانوں اور گلہ بانوں میں برتری کا دار و مدار ہمیشہ حسب و نسب اور ذات پات پر ہوتا ہے -

چوپانوں اور چرواہوں کی قوم میں ذات پات کا امتیاز اور حسب و نسب کا احترام ممکن ہے اور نہ صرف ممکن ہے بلکہ فی‌الواقع پایا ہی جاتا ہے - ایسی قومیں ہمیشہ عیش و عشرت سے نا محرم اور راحت و آرام سے بیگانہ ہوتی ہیں اور فطرت کی فیاضیوں اور نا عاقبت اندیش تبذیر کی غلط بخشیوں سے ان کو کثیر دولت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ دولت ان کے درمیان کبھی مشکل ہی سے منتشر ہوتی ہو تو ہوتی ہو ، ورنہ ایک ہی خاندان میں قائم رہتی ہے اس لئے اس قوم میں ایسے خاندان کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا ادب و احترام محض اس لئے ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ نامی گرامی آبا و اجداد کی اولاد ہیں - ایسی قومیں بہت کم ہیں جو اس باب میں اس قوم کا مقابلہ کر سکتی ہیں اس لئے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ اس میں مال و دولت اتنی مدت تک محض ایک ہی گھرانے کے قبضے میں چلی آئے -

چرواہوں اور گلہ بانوں میں ذات پات کی بزرگی اور حسب‌و‌نسب کی برتری کے جذبات نہایت قوی ہوتے ہیں اسی طرح دولت و ثروت کی عظمت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے -

یہ امر اظہر من‌الشمس ہے کہ ذات پات اور مال و دولت دو چیزیں ہیں جن کے طفیل ایک شخص کو دیگر اشخاص پر شرف حاصل ہوتا ہے - یہی دو سر چشمے ہیں جن پر ذاتی امتیازات اور شخصی فخرومباہات کی بنیادیں قائم ہیں اور یہی دو علل و اسباب ہیں کہ فطری طور پر اقتدار و اختیار اور عجز و نیاز کے ذمہ دار ہیں -

چرواهوں اور گله بانوں میں فخرومباهات کے یه دونوں اسباب بوجه اتم کار فرما هوتے هیں - چرواهوں کے چودهری اور چوپانوں کے سردار دولت سے مالا مال هوتے هیں اس لئے عزت وحرمت کی نظروں سے دیکھے جاتے هیں - ان کے هاں ایسے ملازموں کی تعداد کثیر هوتی هے جو خورو نوش کے لئے ان کے محتاج اور مصارف حیات کے لئے ان کے دست نگر هوتے هیں - یه چرواهے عالی نسب هوتے هیں اس لئے واجب التکریم گنے جاتے هیں - ان کے خاندان ایام قدیم سے مغرور اور سر بلند هوتے هیں - ان کے خاندان کی قدامت تاریخ کی یاد سے بالا تر هوتی هے - ان کے ماتحت اور بھی گروه اور فرقے هوتے هیں وه ان سے کم رتبه اور فرومایه گنے جاتے هیں - ان چودهریوں کو ان پر فطری طور پر سیادت حاصل هوتی هے - چودهری کے ماتحت ایک فوج کثیر هوتی هے - یه ان سب کی کمان اپنے هاتھ میں رکھتا هے اور لوگوں کو اس قدر کثیر فوج کی کمان حاصل نہیں هوتی - دوران جنگ میں یه سب لوگ سمٹ سمٹا کر آتے اور چودهری کے جھنڈے کے نیچے جمع هوجاتے هیں - یه لوگ کسی اور کے جھنڈے کے نیچے جمع هونا پسند نہیں کرتے - حسب نسب اور مال و منال کے طفیل چودهری کو ایک گونه قوت عامله نصیب هوجاتی هے - اس سے چودهری کو اس قسم کے مواقع بھی نصیب هوتے هیں که لوگوں کی تعداد کثیر کی کمان کرے اور لوگوں کو اس کے مقابلے میں اس قسم کے مواقع کم ملتے هیں - اس سے اس میں فرمانروائی کے اوصاف پیدا هوجاتے هیں - اب اگر کوئی شخص کسی اور شخص کو

کسی طرح کا آزار پہنچاتا ھے تو یہ چودھری اسکو مجبور کر سکتا ھے کہ خطا کار ضرر رسیدہ کے نقصان کی تلافی کرے۔ معاشرۂ انسانی میں کچھ لوگ لامحالہ امن و حفاظت کے لئے چودھری کی طرف رجوع کرتے ھیں۔ ان ضعیفوں اور غریبوں کو جو آزار و نقصان پہنچاتا ھے اس کی تلافی اور داد رسی کے لئے بھی وہ اس چودھری سے فریاد کرتے ھیں۔ ایسے حالات میں سب لوگ اس کے فیصلے کو تسلیم کرتے ھیں یہاں تک کہ مستغاث علیہ بھی اس کی مداخلت سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ کسی اور شخص کے فیصلے کے سامنے لوگ اس قدر آسانی سے گردن جھکانی پسند نہیں کرتے۔ لہذا اس چودھری کی ذات میں اس کے حسب نسب اور اس کے مال و متاع کے طفیل ایک گونہ قوت عادلہ بھی پیدا ھوجاتی ھے

چرواھوں کی قوم میں دولت کے لحاظ سے نشیب و فراز پیدا ھو جاتے ھیں اوران کے تحفظ کے لئے غیر مصافی حکومتیں قائم کی جاتی ھیں۔

ارتقائے انسانی میں دوسرا درجہ چوپانوں اور گلہ بانوں کو حاصل ھے۔ اس دور کو دور چوپانی کہتے ھیں۔ اس دور میں دولت و ثروت میں نشیب و فراز رونما ھونے لگا ھے۔ اس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ ان میں اختیار و اقتدار اور خشوع وخضوع کے مدارج جلوہ گر ھوجاتے ھیں۔ اس دور چوپانی سے پہلے نہ دولت و ثروت ھوتی ھے نہ افسری اور ماتحتی دکھائی دیتی ھے۔ ان چیزوں کی وجہ سے ایک گونہ غیر مصافی حکومت معرض وجود میں آجاتی ھے اور یہ حکومت حفظ مال و منال کے لئے ضروری اور لابدی ھوتی ھے معلوم ھوتا ھے کہ حفظ مال و متاع حکومت کی فطرت میں

داخل ہے ۔ خواہ اس کی ضرورت کا لحاظ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے یہ حکومت اپنا فرض منصبی ضرور انجام دیتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جب اس ضرورت کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ بعد میں اس کی وجہ سے حدود مراتب قائم ہوجاتی ہیں اور حفظ مراتب کا احترام کیا جاتا ہے ۔ خاص کر اہل دولت حضرات اس باب میں لابدی طور پر زیادہ دلچسپی لیتے ہیں کہ اس صورت حالات کو کچھ تائید وحمایت نصیب ہو کیونکہ یہی صورت حالات ہے کہ ان کے مفاد مقبوضات کو محفوظ و مصئون رکھ سکتی ہے جن لوگوں کے پاس دولت و ثروت کی مقدار قلیل ہوتی ہے ۔ وہ متفقہ و متحدہ طور پر ان لوگوں کی تائید و حمایت کرتے ہیں جن کے پاس دولت و مال کی مقدار کثیر ہوتی ہے ۔ تاکہ یہ لوگ بھی ان کی تائید و حمایت کریں اور ان کے مقبوضات ان کے قبضے میں رہیں ۔ ادنلی چوپان اور کم مایہ گلہ بان یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری فلاح و بہبود اور ہمارے گلوں اور ریوڑوں کی امن و عافیت اسی میں مضمر ہے کہ اعلی چوپان اور بلند پایہ گلہ بان سلامت رہیں اور ان کے ریوڑوں اور گلوں کو آزار نہ پہنچے ۔ اگر بڑے چوپانوں اور گلہ بانوں کے اختیار و اقتدار میں فرق آئے گا تو ادنی اور کم مایہ چرواہوں کا اقتدار بھی مٹ جائے گا اور اگر ہم لوگ ان کے سامنے گردن نہ جھکائیں گے تو ہمارے ماتحت ہمارے ساتھ خشوع و خضوع سے پیش نہ آئیں گے ۔ اگر ہم اکابر کے سامنے سر خم کریں گے تو ان کو وہ اختیار و اقتدار حاصل رہے گا کہ وہ ہمارے ماتحتوں کو ہماری اطاعت

و فرماں پذیری پر مجبور کرسکیں یه ایک طرح کا گروہ شرفا ہوتا ہے جن کے مفاد اس سے وابسته ہوتے ہیں که تاجدار صغیر کی جائیداد و جاگیر کو محفوظ رکھیں اور اس کے اختیار و اقتدار کی تائید و حمایت کریں اور اس تمام سے ان کا مدعا یه ہوتا ہے که وہ ان کی املاک و جاگیر کی حفاظت اور ان کے اختیار و اقتدار کی تائید کرے۔ امر واقعه یه ہے که غیر مصافی حکومت کا منشا یہی ہوتا ہے که اہل زر حضرات کے مال و متاع کو مفلس و قلاش لوگوں کی دست برد سے محفوظ رکھا جائے۔ به الفاظ دیگر معاشرۂ انسانی میں کچھ خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں که دولت و املاک سے بہرہ‌یاب ہوتے ہیں اور اکثر نادار و نامراد لوگ ان چیزوں سے محروم ہوتے ہیں۔ غیر مصافی حکومت کا مقصد بھی یه ہوتا ہے که صاحب مقدور حضرات کے مقبوضات کی حفاظت کی جائے[۱]

اختیارات عدالت مدت تک
ذریعه مداخل رہے۔ وجه
مصارف نہیں رہے۔

تاجداران وقت کے اختیارات عدالت زمانه طویل تک ذرائع مداخل رہے۔ وجه مخارج کبھی نہیں ہوئے جو لوگ ان سے دادگستری کی درخواست کرتے تھے وہ اس دادگستری کے ادا کرنے پر آمادہ ہوتے تھے اور یه درخواست کے ساتھ

---

۱ خطبات میں لکھا ہے که جب تک دولت و املاک معرض وجود میں نہیں آتی اس وقت تک غیر مصافی حکومتیں قائم نہیں کی جاتیں لہذا اس کا مقصد بھی یه ہوتا ہے که دولت و ثروت کی حفاظت کی جائے اور اہل دولت حضرات کو بے زر لوگوں سے بچایا جائے ملاحظه ہو صفحه نمبر ۱۰۵- اس کے مقابلے میں لاک اپنی تصنیف ''غیر مصافی حکومت'' میں لکھتا ہے که ''حکومت کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا که دولت و ثروت کی حفاظت کی جائے'' ۔ ملاحظه ہو صفحه ۹۴ -

نذرانہ بھی پیش کرتے تھے - اس اصول کی خلاف ورزی کبھی نہ کرتے تھے - اس سے ایک تو سلاطین وقت کے اختیارات مسلم ھوجاتے تھے دوسرے مجرم اور خطا کار اس امر پر مجبور ھوتا ھے کہ فریق ثانی کے نقصان کی تلافی کرے اور اس کے علاوہ خرچہ عدالت بھی خزانہ شاھی میں داخل کرے - مجرم یا خطاکار باعث آزار ثابت ھوا ھے - اس نے نقص امن کا ارتکاب کیا ھے - اس نے اپنے آقا اور پادشاہ کے امن و سکون میں خلل اندازی کی ھے - ان جرائم کی پاداش میں اس کو تاوان ادا کرنا چاھئے - ایشیا کی تاتاری حکومتوں میں اور یورپ کی جرمن اور سیتھین حکومتوں میں دادگستری اور انصرام عدالت مداخل و محاصل کے ذرائع متصور ھوتے تھے - ان ذرائع میں سلاطین روزگار اور امرا کبار دونوں کا حصہ ھوتا تھا - کیونکہ یہ امرائے کبار بھی سلاطین روزگار کی قیادت میں انصرام عدالت کی خدمات انجام دیتے تھے - یہ خدمات یہ امرائے کبار یا تو خاص خاص قبائل میں انجام دیتے تھے یا خاص خاص اضلاع میں بجا لاتے تھے - ارتقائے انسانی کے ابتدائی دور میں سلاطین زماں اور امرا و عیان یہ خدمات بذات خود انجام دیتے تھے - اس کے بعد وہ دور آیا کہ انھوں نے یہ اختیارات اوروں کو تفویض کردئے اور قرق امینوں اور قاضیوں کو اپنا قائم مقام کردیا ھے - اس لئے کہ یہ زیادہ قرین سہولت تھا - یہ قائم مقام حضرات اس امر کے پابند تھے کہ تقرر کنندے یا آقائے نامدار کو حساب سمجھائے اور یہ بتائے کہ اس کے علاقے سے کس قدر محاصل حاصل ھوتے ھیں - ھندی دوم کے عہد میں دورہ کرنے والے ججوں کے نام خاص خاص ھدایات صادر کی

جاتی تھیں جو محض ان ہدایات کا مطالعہ کرتا ہے صاف طور پر دیکھ سکتا ہے کہ یہ جج ایک گونہ دورہ کنندہ عمال یا دائر و سائر کارندے تھے جو اطراف ملک میں اس غرض سے بھیجے جاتے تھے کہ پادشاہ کی طرف سے خاص خاص قسم کے مداخل وصول کریں ۔ [۱] ان ایام میں انصرام عدالت اور دادگستری خاص خاص مداخل و محاصل کا ذریعہ تھی اس کے علاوہ ان مداخل و محاصل کا حصول تاجدار کے لئے چند دیگر مفاد کا باعث بھی تھا جو تاجداران وقت انصرام عدالت اور دادگستری کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتے تھے ۔

اس سے بڑی بڑی بدنظمیاں اور بے اعتدالیاں پیدا ہوئیں ۔

یہ ایک ایسی تجویز تھی کہ دادگستری اغراض محاصل کے تابع تھی اس لئے لازم تھا کہ اس کی وجہ سے گونا گوں بدنظمیاں اور بے اعتدالیاں معرض وجود میں آئیں ۔ اس کے سوا چارہ کار نہ تھا ۔ جو شخص داد خواہی کی درخواستیں کرتا تھا اور اس درخواست کے ساتھ گراں بہا نذرانہ بھی پیش کرتا تھا وہ عدل و انصاف سے کچھ زیادہ حاصل کرسکتا تھا اور جو شخص اپنی درخواست کے ساتھ کم نذرانہ پیش کرسکتا تھا وہ اس سے کم فائدے کی توقع کرسکتا تھا اس صورت میں انصرام عدالت میں تاخیر کا احتمال بھی ہوتا تھا اور یہ توقع بھی ہوتی تھی کہ نذرانہ کا اعادہ پکا کیا جائیگا اس کے علاوہ

---

۱ یہ ہدایات ٹائی ریل کی تاریخ انگلستان میں موجود ہیں ۔ اس تاریخ کا پورا نام ہے ۔ عام تاریخ انگلستان کلسائی و شہری ۔ مصنفہ ٹائی ریل ۔ مطبوعہ ۱۷۰۰ء ۔ ملاحظہ ہو جلد دوم ۔ صفحات ۵۷۶ تا ۵۷۹ ۔ اس تاریخ میں اس بادشاہ کا نام شاہ رچرڈ اول ہے ۔ شاہ ہنری دوم نہیں ہے ۔

اس امر کے محرکات بھی نہایت قوی تھے کہ مستغاث علیہ کو مجرم قرار دیا جائے تاکہ اس سے زیادہ جرمانہ وصول ہوسکے خواہ حقیقت میں وہ خطاکار ہو یا نہ ہو۔ یورپ کی قدیم تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ہر ملک میں اس قبیل کی بدنظمیاں اور بے اعتدالیاں عام طور پر ظہور پذیر ہوتی چلی آئی ہیں۔

اس سے بحث نہیں کہ تاجداران وقت انصرام عدالت کے فرائض بہ نفس نفیس انجام دیتے ہیں یا اس کے لئے قائم مقام مقرر کرتے ہیں۔

کبھی کبھی تو تاجداران وقت انصرام عدالت کے فرائض بہ نفس نفیس ادا کرتے تھے اور کبھی اس کام کے لئے قائم مقام اور نائب مناب مقرر کردیتے تھے۔ جب وہ اس فرض کو بہ نفس خود ادا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ بدنظمیوں اور بے اعتدالیوں کے ارتکاب پر قادر ہوتے تھے اور جو کچھ وہ کردیتے تھے اس کے خلاف کسی قسم کی چارہ جوئی کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ اس دور میں ایسا صاحب اقتدار کون ہوسکتا تھا کہ تاجداران وقت سے جواب طلب کرسکتا۔ لیکن جب وہ انصرام عدالت کے فرائض بذات خود ادا نہیں کرتے تھے تو ان کے قائم مقام اور نائب مناب حضرات خدمات انجام دیتے تھے۔ اگر یہ لوگ چارہ جوئی اور دادرسی میں قصور کرتے تھے تو تاجداران وقت ان کی سزا دہی میں ہمیشہ تامل نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کو مجبور بھی کرتے تھے کہ آزار و نقصان کی تلافی کریں۔ لیکن اگر قائم مقام حضرات تاجداران وقت کے منافع و مفاد کے لئے بے قاعدگیوں کا ارتکاب کرتے تھے تو دادرسی قریب قریب ایسی مشکل ہوتی تھی جیسی خود تاجداران وقت کے صادر کردہ فیصلے کے خلاف ہوتی تھی اور اگر اس

بدعنوانی کی تہ میں اس شخص کی رضاجوئی مضمر ہوتی تھی
جو اس قائم مقام کو مقرر کرتی تھی اور جس کی خواہش
بھی یہ ہوتی تھی کہ یہ شخص اس قبیل کی بدعنوانیوں کا
ارتکاب کرے تو بھی حصول انصاف کی کوئی صورت باقی
نہیں رہتی تھی۔ یہی باعث ہے کہ تمام بربری اور وحشی
حکومتوں میں حصول انصاف محال رہا ہے۔ خاص طور پر یورپ
کے ان ملکوں میں مدتوں تک انصرام تخریب پذیر رہا ہے۔
جو سلطنت رومۃ الکبری کے زوال پر عالم وجود میں آئی تھیں
یہاں تک کہ بہترین شاہوں اور سلطانوں کے دور میں بھی
دادگستری میں غیر جانب داری سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ہمیشہ
اس سے بہ مدارج دور رہتا اور خراب پادشاہوں کے عہد حکومت
میں تو سراسر صراط مستقیم سے منحرف رہا ہے۔

ان بے اعتدالیوں کا تدارک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تاجداران روزگار کے مداخل و محاصل کے ذرائع لگان اراضی اور کورٹ فیس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتے۔

چوپانوں اور گلہ بانوں کی قوم میں
تاجدار وقت یا سردار قوم وہ ہوتا ہے
جو اپنے گروہ یا اپنے قبیلے میں سب
سے بڑا گلہ بان ہوتا ہے۔ اس کے
مصارف اس آمدنی پر منحصر ہوتے
ہیں جو اس کو گلوں کی افزونی سے حاصل ہوتے ہیں اس
باب میں اس میں اس کی رعیت کے دیگر افراد میں کچھ فرق
نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فلاحوں اور مزارعوں کی قوم کا نمبر
آتا ہے جو زمینداری کی منزل میں زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہوتیں
بلکہ محض تازہ وارد ہوتی ہیں۔ جنگ ٹرائے کے زمانے میں
یونانی قوم اسی منزل میں تھی اور جرمن اور سیتھین قومیں
بھی اسی منزل میں تھیں، جب تک مغرب میں سلطنتیں

قائم کر کے نہ رہنے لگی تھیں - ان قوموں میں تاجدار وقت یا سردار قوم سب سے بڑا زمیندار ہوتا ہے - اس کی آمدنی کا انحصار اس کی ذاتی اراضیات کی پیداوار پر ہوتا ہے یا ان اراضیات کی آمدنی پر ہوتا ہے جن کو آجکل یورپ میں ملکیت خاص کہتے ہیں - اس باب میں تاجداران وقت اور دیگر زمینداروں میں کچھ فرق نہیں ہوتا - معمولی موقعوں پر اس کی رعایا اس کی حمایت میں اس کا ہاتھ نہیں بٹاتی البتہ اس وقت اس کی اعانت و امداد میں حصہ ضرور لیتی ہے جب اس کو تاجداران وقت کے اختیار و اقتدار کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب رعایا کے بعض افراد اپنے آپ کو دیگر افراد کے جور و تغلب سے مامون و مصئون کرنا چاہتے ہیں -[۱] ایسے موقعوں پر رعایا کے افراد تاجداران وقت کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے ہیں - انہیں نذرانوں پر عام طور پر ان کے محاصل و مداخل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور یہی نذریں ان کی کل آمدنی ہوتی ہیں جو قیادت و سیادت سے حاصل ہوتی ہے - ہومر کہتا ہے کہ ''ایگیمیم نن'' نے ''ایکیلیز'' کے سامنے دوستی کے صلے میں سات شہروں کی شہریاری پیش کی - اس شہریاری سے ایکیلیز کو صرف یہ فائدہ حاصل ہو سکتا تھا کہ اہل شہر اس کے سامنے ادب و انکسار سے پیش آئیں گے اور اس کی خدمت

---

۱ طبع اول کے الفاظ حسب ذیل ہیں - البتہ وہ حالت اس سے مستثنی ہوتی ہے کہ بعض افراد رعایا کو اس امر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ تاجداران وقت اپنے اختیار و اقتدار سے مداخلت کریں تاکہ ان افراد کو دیگر افراد کے جور و تغلب سے محفوظ رکھیں -

میں نذریں گزاریں گے۔۱ جب تک تاجداران وقت کو ان کی
تاجداری کے صلے میں اسی قسم کے نذرانے ملتے رہیں گے یا
جب تک انصرام عدالت سے اس قبیل کی آمدنی ہوتی رہے گی
یا جب تک دنیا میں اجرت عدالت کا دستور باقی رہے گا اور
تاجداران ملک کو انہیں کی آمدنی کا سہارا ہوگا ان کے علاوہ
ان کے لئے مداخل و محاصل کا کوئی اور ذریعہ نہ ہوگا اس
وقت تک اس امر کا امکان نہ ہوگا کہ تاجداران وقت ان
کو ترک کریں گے اور حق تو یہ ہے کہ از روئے معقولیت
ان سے یہ توقع بھی نہیں ہوتی کہ وہ ان کو ترک کریں
یہاں تک کہ از روئے انصاف ان سے یہ درخواست بھی نہیں
کی جا سکتی کہ وہ ان کے ترک کرنے کے خیال پر غور
فرمائیں لیکن ان سے یہ درخواست کی جا سکتی ہے کہ ان
میں ایک گونہ باقاعدگی پیدا کریں اور ان کی حدود معین و
مشخص کر دیں اور اگر ان میں پوری طرح باقاعدگی بھی پیدا
کر دی جائے اور ان کی حدیں اچھی طرح معین و مشخص
کر دی جائیں تب بھی یہ امر حیز امکان سے خارج نہیں کہ
ایک زبردست شخص اٹھے اور ان حدود و قیود کو توڑ
ڈالے اور اس باقاعدگی کو ملیامیٹ کر دے۔ اس شخص کو
اس حرکت سے باز رکھنا اگر بالکل محال نہیں ہے تو دشوار
بلکہ بہت۔ دشوار ضرور ہے جب تک اس قسم کے حالات قائم
رہتے ہیں انصرام عدالت میں خرابیاں ضرور باقی رہتی ہیں

---

۱ ملاحظہ ہو ہومر کی کتاب ''الیڈ'' باب نہم۔ صفحات ۱۴۹ تا ۱۵۶۔
لیکن یہاں اس امر کا اظہار نہیں ہے کہ اس شہریاری سے ان نذروں کے
علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس لئے کہ خرابیاں ان نذرانوں کا لازمی نتیجہ ہیں اور یہ نذرانے خود بھی اپنی نوعیت کے لئے غیر معین اور غیر مشخص ہیں اور کسی قانون و اصول کے تابع نہیں ہیں - اندریں حالات انصرام عدالت کے باب میں کوئی تدارک نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی تدارک کیا جاتا ہے تو بے اثر و بے نتیجہ ثابت ہوتا ہے -

لیکن جب محصولات ضروری ہوگئے تو پبلک نے مطالبہ کیا کہ اب ججوں کو نذرانہ نہ لینا چاہئے -

لیکن چند در چند علل و اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ تاجداران وقت کی ذاتی املاک اور نجی جاگیر و جائداد مصارف تاجداری کی ادائگی کے لئے کافی نہ رہی سر تا سر ناکافی ثابت ہونے لگی - ان میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بلکہ تاجداران وقت کو ہمیشہ اپنی قوم کے افراد کو دیگر اقوام کے حملوں سے بچانا پڑتا تھا اور اس کے لئے مصارف کثیر کی ضرورت پیش آتی تھی - اب اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ پبلک اس دفاع و تحفظ کے لئے مختلف قسم کے محصول دینے گوارا کرے - جب حالات اس منزل میں پہنچ گئے تو پبلک کا مطالبہ ہونے لگا کہ انصرام حکومت کے لئے کسی قسم کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے اور خواہ کچھ ہی حیلہ بہانہ کیوں نہ کیا جائے تاجداران وقت اور ان کے کارندوں اور نمائندوں کو چاہئے کہ کبھی یہ نذرانے قبول نہ کریں - معلوم ہوتا ہے کہ پبلک نے یہ امر فرض کر لیا تھا کہ یہ نذرانے آسانی سے بالکل منسوخ ہو سکتے ہیں مگر ان میں کسی قسم کی باقاعدگی پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ان کی تعین و تشخیص ہو سکتی ہے - اب وہ دور آ گیا کہ ججوں

کو مقررہ تنخواہیں ملنے لگیں - اس سے ان کے نقصان کی تلافی ہو گئی اس لئے کہ انصرام عدالت کے لئے جو نذرانے پیش ہوتے تھے ان میں ججوں کا حصہ بھی ہوتا تھا - جب نذرانے بند ہو گئے تو وہ حصہ بھی موقوف ہو گیا اور یہ امر ججوں کے لئے موجب نقصان ٹھہرا مگر محصولات سے تاجداران وقت کے نقصان کی تلافی ہو گئی بلکہ اس کے علاوہ کچھ نہ کچھ بچت بھی ہونے لگی - اب انصرام عدالت مفت اور بلا معاوضہ ہونے لگا -

داد گستری کبھی بلا معاوضہ نہیں ہوتی -

لیکن واقعہ یہ ہے کہ داد گستری کبھی بھی کسی ملک میں مفت اور بلا اجرت نہیں ہوتی بلکہ فریقین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وکیلوں اور مختاروں کے مصارف برداشت کریں - اگر فریقین یہ مصارف برداشت کرنا پسند نہ کریں گے تو وکیل اور مختار اپنا فرض ادا نہ کریں گے اور کرینگے تو اس سے بھی بری طرح کریں گے جیسا وہ اب کرتے ہیں - ہر عدالت میں ہر سال وکیلوں اور مختاروں کو حق الخدمت دیا جاتا ہے وہ ججوں کی تنخواہوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے چونکہ یہ تنخواہیں تاجداران وقت کی طرف سے دی جاتی تھیں اس لئے ان کی وجہ سے مقدمات کے انصرام میں ضروری خرچ میں کبھی کمی نہیں ہو سکتی لیکن مقصود بالذات یہ نہ تھا کہ خرچ میں کمی کی جائے بلکہ یہ تھا کہ انصرام عدالت اور داد گستری میں تخریب و فساد کا انسداد کیا جائے - یہی باعث ہے کہ ججوں کے لئے یہ امر ممنوع قرار پایا کہ وہ کسی فریق سے فیس لیں یا نذرانہ قبول کریں -

مہذب قوموں میں انصرام حکومت پر جو مصارف ہوتے ہیں ججوں کی تنخواہ اس کا ایک جزو ضعیف ہوتی ہے -

جج اور مصنف کا منصب اپنی ذات سے نہایت ذی اعتبار اور صاحب اعزاز ہے - یہی وجہ ہے کہ پبلک اس کے حصول کی شائق ہوتی ہے اگرچہ اس منصب کی تنخواہ بہت قلیل ہوتی ہے - ناظم فوجداری کا منصب اس کی نسبت کم رتبہ اور ادنیٰ ہوتا ہے - اس کی انجام دہی میں مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے اور بسا اوقات معاوضہ بھی مطلق نہیں ملتا لیکن اس کے باوجود دیہاتی شرفا کی تعداد کثیر کی ہمت اس کے حصول پر مبذول ہوتی ہے - ادنیٰ اور اعلیٰ رتبہ کے جج کے لئے تنخواہ لازم ہے - انتظام و انصرام عدالت کے لئے مصارف لابدی ہوتے ہیں - بسا اوقات ان مصارف کے باب میں کفایت شعاری اور جزرسی کو روا نہیں رکھا جاتا لیکن ان تمام امور کے باوجود بھی ججوں کی تنخواہوں پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ ان مصارف کا محض ایک جز ہے جو مہذب و متمدن ملکوں میں حکومتوں کے انتظام و انصرام پر برداشت کئے جاتے ہیں -

ججوں کی تنخواہ رسوم عدالت سے نکل سکتی ہے -

عدل گستری اور داد رسی کے امور پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ تمام و کمال رسوم عدالت سے حاصل ہو سکتا ہے اور مداخل و محاصل عامہ کو ایک یقینی بار سے سبک دوشی نصیب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ بار محض خفیف ہوتا ہے اور اس طریق سے اس امر کا بھی احتمال نہیں ہے کہ انصرام عدالت اور انتظام داد گستری کو اس سے کسی طرح کا اصلی اور حقیقی بد دیانتی کا خطرہ لاحق ہوگا - موثر اور کارگر انداز سے

رسوم عدالت کا تعین و تشخیص دشوار ہے اس لئے کہ
تاجدار وقت جیسا ذی اقتدار شخص ان میں شریک اور حصہ
دار ہوتا ہے اور اس کے مداخل و محاصل کا معتدبہ جزو
ان سے ماخوذ ہوتا ہے لیکن جب کوئی جج ان میں شریک
اور حصہ دار ہوتا ہے تو اس قسم کی تعین و تشخیص میں
کوئی دقت نہیں ہوتی۔ قانون ججوں کو آسانی سے اس امر پر
مجبور کر سکتا ہے کہ وہ آئین و ضوابط کا احترام کریں لیکن
تاجداران وقت کو اس امر پر آمادہ کرنے میں اسے شاذ و
نادر ہی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جب رسوم عدالت
میں باقاعدگی ملحوظ رکھی جاتی ہے اور ان کی تعین و
تشخیص میں کمی بیشی نہیں کی جاتی جہاں ہر کس و ناکس
ان کو بلا چوں و چرا فوراً ادا کر دیتا ہے اور یہ رسوم
ہر ایک کارروائی کے دوران میں ایک وقت مقررہ پر خزانچی
کی تحویل میں یا کسی قبول کنندے کے قبضے میں پہنچ جاتی
ہیں تاکہ اس کارروائی کے اختتام کے بعد ایک خاص تناسب
معلومہ سے مختلف ججوں میں تقسیم کر دی جائیں لیکن انفصال
مقدمہ سے پہلے تقسیم نہ کی جائے تو اس صورت میں تخریب
و فساد کا اندیشہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے
تو صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنا اس صورت میں ہوتا ہے
جب یہ رسوم بالکل ممنوع الوقوع ہو جائیں۔ اس صورت میں اس
امر کا امکان ہوتا ہے کہ یہ رسوم انصرام عدالت کے تمام
مصارف کی ادائگی کے لئے بہمہ وجوہ کافی ثابت ہوں اور ان
سے مصارف مقدمہ میں بھی کسی قسم کا کوئی نمایاں اضافہ
رونما نہ ہو۔ اگر یہ رسوم ججوں کو اس وقت تک نہیں پیش

کی جاتیں جس وقت تک کسی کارروائی کا تصفیہ نہیں ہو چکتا تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے ججوں کے دل میں جذبات پیدا ہوں کہ مقدمات کے انفصال میں تکلیف اٹھائیں اور محنت سے کام کریں - بعض عدالتوں میں ججوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے ان میں ہر جج کے حصے کا تناسب مقرر کیا جائے اور اس تناسب کا انحصار ان گھنٹوں اور دنوں کی تعداد پر ہو جو انھوں نے اس کارروائی کی تنقیح میں صرف کی ہو - خواہ یہ خدمت اس نے عدالت کے حکم سے حدود عدالت میں انجام دی ہو یا کسی کمیٹی میں کی ہو - اس صورت میں ان رسوم کی وجہ سے ہر ایک جج کے دل میں محنت کا رجحان پیدا ہوگا - خدمات عامہ صرف اسی صورت میں بوجہ احسن انجام پذیر ہوتی ہیں جب ان کا معاوضہ ان کی انجام دہی کے بعد دیا جاتا ہے اور اس معاوضے کی مقدار میں اس محنت کے تناسب کا خیال رکھا جاتا ہے ، جو ان خدمات کی انجام دہی میں گوارا کرنی پڑتی ہے - فرانس میں مختلف مجالس مقننہ ہیں - ان میں رسوم عدالت ججوں کی تنخواہ کا بیشتر جزو ہوتی ہے - مجلس مقننہ طولوس اپنی حیثیت و شان میں صرف مجلس مقننہ شاہی سے دوسرے درجے پر ہے - اس مجلس میں ججوں کی سالانہ تنخواہ تمام منہائیوں کے بعد صرف ڈیڑھ سو لیور یا قریب قریب چھ پونڈ گیارہ شلنگ طلائی ہوتی ہے - کوئی سات سال کا عرصہ گزرا کہ اسی طولوس میں یہی رقم ایک معمولی پیادے کو سالانہ اجرت میں دی جاتی تھی - ان رسوم عدالت کی توزیع و تقسیم میں بھی ججوں کی محنت و تندہی کا خیال

، کہا جاتا ہے۔[۱] محنت کش اور جفا کش ججوں کو ان کے مناصب کے محاصل و مداخل میں سے متوسط حیثیت کا معاوضہ ملتا تھا۔ جس پر یہ جج آرام سے گزارہ کرسکتے تھے۔ کاہل اور غفلت شعار ججوں کو ان کی تنخواہ سے کچھ یونہی زیادہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ شاید اکثر اعتبارات سے یہ مجالس مقننہ آرام رساں عدالت ہائے انصاف نہیں ہیں لیکن کبھی کسی نے ان کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا یہاں تک کہ کبھی کسی شخص نے ان پر تخریب و فساد کا شک تک نہیں کیا۔

انگلستانی عدالتیں ابتدا ابتدا میں رسوم عدالت سے چلتی تھیں اور یہی امران کے تسلط ناجائز کا موجب ہوا۔

انگلستان میں دادگستری اور انصاف رسانی کے لئے گوناں گوں عدالتیں قائم تھیں۔ ابتدا ابتدا میں یہی رسوم عدالت تھیں کہ ان کے مصارف کی کفیل ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں ہر ایک عدالت اس امر کی کوشش کرتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ تعداد مقدمات کو اپنی طرف کھینچ لے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ عدالتیں ایسے مقدمات کی سماعت کے لئے رضامند ہوجاتی تھیں جو ان کے اختیارات سماعت سے خارج ہوتے تھے۔ عدالت شاہی اس لئے بنائی گئی تھی کہ مقدمات فوجداری کی سماعت کرے لیکن یہ عدالت مقدمات دیوانی کی بھی سماعت کرنے لگی تھی۔ مدعی اس امر کا ادعا کرتا تھا کہ مدعا علیہ مداخلت بےجا یا جرم صغیرہ کا مرتکب ہے اس لئے کہ اس نے مدعی کی حق تلفی کی ہے۔ عدالت

---

۱ یہ ڈاکٹر آدم سمتھ فروری یا مارچ ۱۷۶۴ء سے اگست ۱۷۶۵ء تک طولوس میں مقیم رہے تھے۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۱۷۴ ، ۱۷۵ اور ۱۸۸ ۔ ازحیات آدم اسمتھ ۔ مصنفہ رے ۔

خزانہ کا صرف یہ منشا تھا کہ مداخل و محاصل شاہی کو وصول کرے اور لوگوں کو صرف ایسے قرضہ جات کی ادائگی پر مجبور کرے جو صرف تاجدار وقت کو واجب الوصول ہوتے تھے لیکن یہ عدالت ان قرضہ جات کی سماعت بھی کرنے لگی جو اور اور معاہدات کی رو سے لئے جاتے تھے۔ مدعی اس امر کا ادعا کرتا تھا کہ میں قرضہ جات شاہی ادا نہیں کرسکتا کیونکہ مدعا علیہ میرا قرضہ ادا نہیں کرتا۔ ان جعلی کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر مقدمات میں اس امر کا انحصار صرف فریقین مقدمہ پر ہوگیا کہ ان کا مقدمہ سماعت کے لئے کس عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس حالت میں ہر عدالت کا طبعی رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ مقدمات کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنی طرف مائل کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ عدالت سرعت و تعجیل اور غیر جانب داری کا زیادہ سے زیادہ ثبوت دیتی تھی۔ دور حاضر میں انگلستان کی عدالتوں کے آئین قابل تعریف اور ان کے دستور لائق توصیف ہیں شاید یہ اسی مقابلے اور دیکھ دکھاؤ کا ماحصل ہے کہ دور گزشتہ میں ججوں کے درمیان رونما ہوتا تھا۔ ہر ایک جج یہ کوشش کرتا تھا کہ انفصال مقدمات میں نہایت سرعت و عجلت سے کام لے اور نہایت موثر اور کارگر دادرسی کا مظاہرہ کرے اور ہرقسم کی ناانصافی اور بے ضابطگی کا اس حد تک انسداد کرے جس تک حد قانون اجازت دیتا ہے۔ ابتدا ابتدا میں قانونی عدالتیں صرف نقص معاہدہ کی صورت میں ہرجانہ دلاتی تھیں اس لئے عدالت چانسلر یا عدالت عالیہ انگلستان نے عدالت ضمیر کی حیثیت اختیار کرلی اور عدالت دادگستری کے خدمات انجام دینے لگی۔

سب سے پہلے اس عدالت نے یہ کام اپنے ذمے لیا کہ فریقین معاہدہ کو معاہدات کی شرائط کی پابندی پر مجبور کرے۔ جب نقص معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ زر نقد ادا نہیں کیا جاتا تو نقصان کی تلافی کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہوتی تھی کہ مجرم فریق کو ادائے زرنقد کا حکم دیا جائے اور یہی تعمیل معاہدہ کا نعم البدل متصور ہوتا تھا۔ ایسے مقدمات میں وہ دادرسی کافی متصور ہوتی تھی جو عام قانونی عدالتوں کی وساطت سے ظہور میں آتی تھی۔ دیگر مقدمات کی حالت اس کے برعکس تھی۔ ان میں یہ دادرسی کافی نہ سمجھی جاتی تھی۔ مثلاً ایک مزارع اپنے آقا کے خلاف استغاثہ دائر کرتا اور کہتا تھا کہ اس نے مجھے ناحق نکال دیا ہے۔ اس صورت میں اگر اس مزارع کو اس اراضی کا قبضہ از سرنو دلادیا جائے تو اس سے اس کے نقصان کی تلافی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس قبیل کے مقدمات عرصہ دراز تک عدالت چانسلر یا عدالت دادگستری کے سامنے پیش ہوتے رہے۔ اس سے عام عدالت هائے قانون کو کافی نقصان پہنچتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اب عام عدالت هائے قانون نے ایک مصنوعی اور فرضی حکمنامہ بیدخلی ایجاد کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اس قبیل کے مقدمات کو واپس لیا جائے اس کے علاوہ اور کوئی منشا نہ تھا۔ یہ حکمنامہ بیدخلی غیر منصفانہ بیدخلی کی دادرسی اور جابرانہ قبضے کے انسداد کے لئے نہایت موثر اور کارگر حکمنامہ تھا[1]

---

[1] ملاحظہ ہوں۔ خطبات صفحہ ۹۴ اور کتاب هذا کے دفتر سوم کا دوسرا باب۔

عدالتیں صرف اپنے مقدمات
کی رسوم سے بھی اپنے
مصارف نکال سکتی ھیں
مگر اس سے بھی ان کو
ازدیاد مقدمات کی تحریص
ھوتی ھے -

اگر عدالت کے تمام مقدمات پر رسوم عدالت مقرر کردی جائے اور ان کو اسی عدالت کے لئے واجب الوصول قرار دیا دے جائے اور یہ بھی طے کر دیا جائے کہ یہ رسوم ان ھی ججوں اور دیگر عہدہ داروں کی تنخواھوں پر صرف ھونگی تو اس سے بھی کافی مداخل و محاصل کا امکان ھے جس میں سے انصرام عدالت کے تمام مصارف کے نکلنے کی امید ھوسکتی ھے - مزید برآں اس سے معاشرہ انسانی پر کسی اور بار کا بھی اندیشہ لاحق نہیں ھوسکتا البتہ اس امر کا امکان ضرور موجود رھتا ھے کہ اس صورت میں ججوں کے دل میں یہ تحریص پیدا ھو گی کہ مقدمات کی کثیر تعداد کو اپنی طرف کھینچیں - حالانکہ اس کی ضرورت قطعاً نہیں ھوتی لیکن پھر بھی ان کی خواھش یہی ھوتی ھے کہ ان رسوم سے آمدنی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے - آج کل یورپ میں دستور ھوگیا ھے کہ اکثر حالات میں ان مصارف میں باضابطگی پیدا کردی جاتی ھے جو مختاروں اور عدالت کے محرروں پر کئے جاتے ھیں - اس باضابطگی کے حصول میں ان اوراق و صفحات کا لحاظ رکھا جاتا ھے جو ان مختاروں اور محرروں کو لکھنے پڑتے ھیں - البتہ عدالت کو یہ امر بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ھے کہ ھر صفحے میں کتنی سطریں اور ھر سطر میں کتنے الفاظ ھوں - اب مختاروں اور محرروں نے اپنی اجرتوں میں اضافہ کرنے کی غرض سے یہ ترکیب ایجاد کی کہ الفاظ کی تعداد میں زیادتی کی جائے اور ان کو ضرورت سے زیادہ کرکے دکھایا جائے - مجھے یقین ھے کہ

یہ اسی امر کا نتیجہ ہے کہ یورپ کی قانونی زبان میں ایک گونہ تخریب و فساد رونما ہے اور یہ امر بھی حیز امکان میں ہے اگر قانونی کارروائیوں کی صورت میں خرابی پیدا ہوگی تو ان میں بھی اسی قسم کی تحریص پیدا ہوجائے گی۔

حصول استغنا و بے نیازی کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عدالتوں کو جائداد کے مداخل و محاصل عطا کردئے جائیں۔

انصرام عدالت کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عدالتوں کو اس انداز پر چلایا جائے دوسرے یہ کہ وہ اپنے مصارف کی کفیل آپ ہوسکیں۔ یہ کہ ججوں کی تنخواہیں ان کو کسی اور فنڈ میں سے دے دی جائیں لیکن دونوں طریقوں میں سے خواہ کوئی سا طریقہ اختیار کیا جائے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ عاملہ کو اس فنڈ کے انتظام یا تنخواہوں کی ادائگی سے کچھ تعلق ہو۔ ممکن ہے کہ یہ ذخیرہ زر بھی جاگیروں کے لگان سے حاصل ہوتا ہو اور ہر ایک جاگیر کا انتظام و بندوبست کسی خاص عدالت کے سپرد ہو اور اس عدالت کے مصارف اس جاگیر میں سے نکلتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس ذخیرے کا ماخذ کسی رقم زر نقد کا سود ہو جس کا قرضے پر دینا اس عدالت کے سپرد ہو اور اس عدالت کے مصارف اسی سود میں سے نکلتے ہوں۔ اس کاچستان میں سیشن ججوں کی ایک تعداد کی تنخواہوں کا ایک حصہ اسی قسم کی زر نقد کی ایک رقم کے سود سے دیا جاتا ہے اگرچہ یہ حصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فنڈ یا ذخیرے کو استقلال نصیب نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر بالکل نامناسب ہے کہ ایک ابد قرار ادارے کے مصارف کا بار ایک بے استقلال ذخیرے پر

ڈال دیا جائے۔

جب امور عاملہ میں اضافہ ہوگیا تو اختیارات عادلہ اور اقتدارات عاملہ میں علیحدگی لازم ہوگئی۔

ارتقائے انسانی میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے کہ معاملات انسانی میں زیادہ اضافہ ہوجاتا ہے - یہ اضافہ اصلاح و ترمیم کی ترقی پر منحصر ہوتا ہے - اس منزل میں پہنچ کر اختیارات عادلہ اور اقتدارات عاملہ میں علیحدگی لازم ہوجاتی ہے - اس حالت میں انصرام عدالت نہایت پیچیدہ اور دقت طلب ہو جا تا ہے اور جب اربابِ بست و کشاد اس کی طرف اپنی غیر منقسم اور کامل توجہ مبذول نہیں کرتے - اس کی انجام دھی دشوار ہوجاتی ہے اور اقتدارات عامہ اور معاملات وسطانیہ جس شخص کے سپرد کئے جاتے ہیں آس کو خود اس قدر فرصت نہیں ہونے پاتی کہ خانگی معاملات اور نجی مقدمات کے انفصال کی طرف توجہ مبذول کرسکے - اس لئے ایک نائب مقرر کیا جاتا ہے - وہ اس شخص کی طرف سے ان مقدمات کو فیصل کرتا ہے - سلطنت رومۃالکبریٰ کے عروج کے زمانے میں قونصل زیادہ تر سلطنت کے سیاسی معاملات کے انصرام میں منہمک ہوتے تھے - ان کو اس قدر مہلت نہ ملتی تھی کہ وہ انصرام عدالت کے فرائض کی طرف توجہ مبذول کرسکیں اس لئے ایک مجسٹریٹ مقرر کیا جاتا تھا - وہ ان کی طرف سے انفصال مقدمات کی خدمات انجام دیتا تھا - موجودہ یورپ کی اکثر سلطنتیں سلطنت رومۃالکبریٰ کے زوال و انحطاط کے باعث عالم وجود میں آئی ہیں - ان سلطنتوں کو جوں جوں ترقی نصیب ہوتی گئی ان کے تاجدار اور آمراء کبار ہرجگہ یہ محسوس کرنے لگے کہ

انصرام عدالت ہماری شان کے شایاں نہیں ہے اور دقت طلب بھی بہت ہے لہذا اس فرض سے عہدہ برا ہونے کے لئے یہ لوگ اپنے نائب قائم مقام اور جج مقرر کردیتے تھے - جب اختیارات عادلہ اور اقتدارات عاملہ ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں تو عموماً عدل و انصاف کو اختیار و اقتدار کی قربان گاہ پر قربان ہونا پڑتا ہے اور اسی کو عرف عام میں سیاست یا تدبیر کہتے ہیں - کچھ حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ ہمیشہ سیاسی معاملات کے انتظام و انصرام میں مصروف ومشغول ہوتے ہیں - کبھی کبھی وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ امر ضروری اور لابدی ہے کہ شخصی حقوق اور انفرادی مفاد کو سیاسی معاملات پر قربان کردیا جائے اور یہ بھی اسی صورت میں ہوتا ہے کہ یہ فرض کرلیا جائے کہ ان کی نیت میں فتور نہیں ہوتا اور جب نیت میں فتور ہوتا ہے تو معاملات خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں لیکن شخصی حریت اور انفرادی آزادی کے لئے لازم ہے کہ انصرام عدالت بے لوث ہو - اس میں کسی مدد و اعانت کو دخل نہ ہو - ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میرے ذاتی امن و حفاظت کا دار و مدار اسی بے لوث اور غیر جانب دارانہ انصرام عدالت پر ہے - ہر فرد بشر کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ میرے تمام مقبوضات بالکل محفوظ و مامون ہیں اور چند حقوق اور تمام منافع و مفاد خطرات کی حدود سے باہر ہیں - اس قسم کے احساس کے لئے لازم ہے کہ اختیارات عادلہ اور اقتدارات عاملہ بالکل علیحدہ ہوں

لازم ہے کہ اختیارات عادلہ نہ صرف اقتدارات عاملہ سے علیحدہ ہوں بلکہ جماعت عاملہ سے بالکل بے نیاز ہوں -

اور حتی الامکان جماعت عادلہ انجمن عاملہ سے بالکل آزاد اور بے نیاز ہو اور انجمن عاملہ کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ کسی جج کو اپنی مرضی اور اپنی رائے سے اس منصب جلیلہ سے علیحدہ کرسکے - لہذا ججوں کی تنخواہ میں باقاعدگی ہو - اس تنخواہ کی ادائگی کا انحصار انجمن عاملہ کی خوشنودی پر نہ ہو - یہاں تک کہ اس کا دار و مدار انجمن عاملہ کی خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ بھی مربوط و مبسوط نہ ہو -

حصہ سوم

تعمیرات عامہ کے مصارف

ادارات عامہ کے اخراجات

تاجداران وقت کا تیسرا فرض یہ ھے کہ ایسی تعمیرات عامہ بنائے اور ایسے ادارات عامہ قائم کرے جو مفید و کار آمد ھوں مگر افراد معاشرہ کو ان سے کوئی ذاتی فائدہ نہ ھو اس لئے تاجداران وقت کو چاھئے کہ ان کے مصارف کے کفیل وہ خود ھوں ۔

تاجداران وقت یا دولتھائے مشترکہ کا تیسرا فرض یہ ھے کہ تعمیرات عامہ بنائیں اور ادارات عامہ قائم کریں ۔ یہ تعمیرات و ادارات معاشرہ انسانی کے لئے بدرجۂ غایت مفید اور سود مند ھیں لیکن ان تعمیرات ادارات کی نوعیت ایسی ھے کہ افراد معاشرہ یا مختصر گروھائے معاشرہ اگر ان کا اھتمام اپنے ذمے لیں تو ان مصارف کی بازیابی سے قاصر رھتے ھیں جو ان کی تعمیر پر صرف اور ان کے رکھ رکھاؤ پر خرچ ھوتے ھیں اس لئے اس امر کی توقع رکھنا محال ھے کہ افراد معاشرہ یا مختصر گروھائے معاشرہ ان امور کی انجام دھی سے عہدہ برا ھو سکیں گے ۔ اس فرض کی انجام دھی کے لئے مختلف اوقات میں مختلف مصارف کی ضرورت لاحق ھوتی ھے ۔

یہ ادارات ھیں جنسے تجارت میں سہولتیں بہم پہنچتی ھیں اور جن سے تعلیم میں ترقی ھوتی ھے ۔

معاشرہ انسانی کو دفاع و تحفظ کے لئے خاص خاص تعمیرات و ادارات عامہ کی ضرورت پیش آتی ھے ۔ اسی طرح

انصرام عدالت کے لئے بھی ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب یہ تعمیرات و ادارات عامہ معرض وجود میں آ چکتے ہیں تو ان ادارات کی طرف توجہ مبذول ہونی چاہئے جو تجارت و سوداگری سے وابستہ ہیں یا جن کا تعلق معاشرہ انسانی کی تعلیم و تربیت سے ہے۔ تعلیمی ادارات دو قسموں میں منقسم ہیں۔ اول وہ ادارت جو صرف نو عمر اور نوجوان لوگوں کی تعلیم کے لئے وقف ہوں اور دوسرے وہ ادارات جن میں بلا لحاظ عمر ہر سن و سال کے آدمیوں کو بار حاصل ہو اس باب کا یہ حصہ تین حصوں میں منقسم ہے اور ان میں سے ہر ایک حصے میں یہ غور کیا جائے گا کہ ان تعمیرات و ادارات عامہ کے مصارف کس طرح بوجہ احسن سر براہ ہو سکتے ہیں۔

مد اول

تعمیرات و ادارات عامہ

برائے سہولت تجارت

(اول) تعمیرات و ادارات عامہ۔ برائے سہولت تجارت عامہ۔[۱]

اس قبیل کے اداروں کے مصارف ترقی پذیر ہوتے ہیں۔

کچھ تعمیرات عامہ ایسی ہوتی ہیں جن سے ملک کی تجارت میں سہولتیں بہم پہنچتی ہیں۔ مثلاً عمدہ پختہ سڑکیں، قابل جہازرانی نہریں، بندرگاہیں اور پل وغیرہ، اس کے بنانے اور قائم رکھنے پر بہت خرچ ہوتا ہے اور اس خرچ کی مقدار معاشرہ

۱ یہ دو سطریں طبعات اول و دوم میں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے دفتر پنجم کا باب اول۔

انسانی کے مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی ہے ۔ یہ امر مسلم الثبوت ہے ۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہر ملک میں پکی عام سڑکوں کا ہونا ضروری ہے ۔ اس کے بنانے اور قائم رکھنے پر رقوم کثیر خرچ کی جاتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ خرچ اسی نسبت سے بڑھتا ہے جس نسبت سے اس ملک کی سالانہ محنت اور اراضیات کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے یا اس خرچ میں اور مال کی اس مقدار وزن میں ایک تناسب ہوتا ہے جس کی نقل و حرکت ان سڑکوں پر ضروری ہوتی ہے ۔ مثلاً پل اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ گاڑیوں کی آمد و رفت کو برداشت کر سکے اور اس مقدار وزن کو سہار سکے جو ان پر بار ہو اور نہروں کی گہرائی اور پانی کی مقدار جہازوں اور کشتیوں کی تعداد اور ان کے وزن کی مقدار کے متناسب ہونی لازم ہے ۔ اسی طرح بندرگاہ کی لمبائی چوڑائی اور وسعت میں ان جہازوں کی تعداد کی اعانت پیش نظر ہونی چاہئے جن کے اس میں ٹھہرنے کی توقع ہوسکتی ہے ۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ خرچ محاصل عامہ سے نکالا جائے ۔

یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ ان تعمیرات عامہ کے مصارف ایسے محاصل عامہ سے نکالے جائیں جن کا اکثر ملکوں میں وصول کرنا اور خرچ کرنا جماعت عاملہ کے اختیار میں ہوتا ہے ۔ اس قبیل کی تعمیرات عامہ کے بیشتر حصہ کا انتظام اس انداز سے ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک خاص قبیل کے محاصل کی توقع ہو سکے اور اس کے مصارف اسی آمدنی میں سے نکل سکیں ۔ اس سے محاصل عامہ پر کسی قسم کا مزید بار نہیں پڑیگا ۔

یہ مصارف محصول گذرگاہ اور دیگر محصولات میں سے نکل سکتے ہیں۔

اکثر اوقات شارع، عام قابل جہازرانی نہر اور پل وغیرہ کے بنانے اور ان کے قائم رکھنے کے لئے اخراجات ایک گونہ مختصر سے محصول گزرگاہ سے نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح بندرگاہ میں آنے جانے والے جہازوں پر ایک محصول لگایا جاتا ہے اور جس قدر مال ان جہازوں پر چڑھایا اور اتارا جاتا ہے اس پر فی ٹن کے حساب سے کچھ وصول کیا جاسکتا ہے۔ تسکیک بھی ایک ادارہ ہے کہ سہولت تجارت کے لئے وضع کیا جاتا ہے اور یہ ادارہ اکثر ملکوں میں اپنے مصارف آپ نکال لیتا ہے اس کے علاوہ اسی میں تاجدار کو بھی کچھ آمدنی ہو جاتی ہے جس کو حق الضرب کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے ڈاکخانہ عالم وجود میں آتا ہے۔ یہ ادارہ بھی اپنے تمام اخراجات آپ نکال لیتا ہے اور ان تمام مصارف کی ادائگی کے بعد مداخل تاجدار کے لئے بھی بہت کچھ بچا لیتا ہے۔

گزرگاہوں کے محصول گاڑیوں پر وزن کے اعتبار سے اور جہازوں میں گنجائش کے لحاظ سے ہونے چاھئیں۔ یہ بالکل قرین عدل و انصاف ہے۔

گاڑیاں شاھراھوں پر چلتی اور پلوں پر سے گزرتی ھیں۔ جہاز نہروں میں سفر کرتے ہیں۔ جب ان گاڑیوں اور جہازوں پر وزن کے تناسب سے محصول گزرگاہ پر لگایا جاتا اور فی ٹن کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے تو یہ محصول ان سے ان تعمیرات عامہ کے رکھ رکھاؤ کے لئے وصول کیا جاتا ہے اور یہ محصول ٹھیک اس شکست و ریخت کے متناسب ہوتا ہے جو ان تعمیرات عامہ میں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے رکھ رکھاؤ کے لئے یہ محصول بالکل

قرین عدل و انصاف ھے - اس سے قرین عدل و داد اور کوئی محصول نہیں ھو سکتا - اس محصول گزرگاہ کا بار بھی تمام و کمال صارفوں پر پڑتا ھے اگرچہ بظاھر یہ برندگان مال کی جیب سے نکلتا ھے اس لئے کہ یہ لوگ اس محصول کو مال کی قیمت میں سے نکالتے ھیں لیکن تعمیرات عامہ کے باعث مصارف برندگی میں بہت کچھ کفایت ھو جاتی ھے اس لئے اس قبیل کے محصولات کے باوجود بھی مال صارفوں کو اس سے ارزاں تر ملتا ھے جتنا بصورت دیگر مل سکتا ھے - محصول گزرگاہ کی وجہ سے مال کی قیمت میں اتنی بیشی نہیں ھوتی جتنی مصارف برندگی کی ارزانی کی وجہ سے اس قیمت میں کمی ھو جاتی ھے - وہ شخص جو بالآخر یہ محصول ادا کرتا ھے کچھ نہ کچھ فائدے میں ضرور رھتا ھے کیونکہ اس کے ادا کرنے سے اس کو اتنا نقصان نہیں ھوتا جتنا اس سے فائدہ ھوتا ھے - اس صورت میں اس کا خرچ اس کی آمدنی کے بالکل متناسب ھے - درحقیقت یہ اس نفع کا ایک جزو ھے جس سے دست برداری پر وہ مجبور ھوا ھے کہ باقی ماندہ جزو کو بچائے - اس سے زیادہ نہیں ھے - محصول لگانے کا کوئی اور طریقہ اس سے زیادہ قرین عدل و انصاف تصور میں نہیں آ سکتا -

اگر محصول گزر گاہ ان گاڑیوں پر زیادہ لگایا جاتا ھے جن میں سامان عشرت لادا جاتا ھے تو اس سے آسانی سے غریبوں کو امداد ملتی ھے -

کبھی کبھی ان گاڑیوں پر جن پر سامان عشرت بار ھوتا ھے ان کے وزن کے تناسب سے زیادہ محصول لگا دیا جاتا ھے تو اس سے سست، کاھل اور نمائش پسند امیروں پر بار

پڑتا ہے اور غربا و مساکین کو امداد پہنچتی ہے ۔ اس طریق کار کی وجہ سے بھاری بوجھ آسانی سے اطراف ملک میں پہنچ جاتے ہیں اور کرایہ کم صرف ہوتا ہے ۔

سڑکیں اور نہریں صرف وہیں بنتی ہیں جہاں ضروری ہوتی ہیں۔

جب ایک طرف عام شاہ راہیں اور نہریں تجارت کی بنا پر معرض وجود میں آتی اور اس کی آمدنی سے قائم رکھی جاتی ہیں تو وہ وہیں تعمیر کی جاتی ہیں جہاں ان کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہی حال پلوں کا ہے ۔ ایسی جگہ ان کا بنانا ضروری ، موزوں اور مناسب بھی ہوتا ہے ۔ ان کے رکھ رکھاؤ کے مصارف اور ان کی شان و شوکت اس تجارت کے متناسب ہوتی ہے جو اس کے مصارف کی کفیل ہوتی ہے ۔ تجارت جتنی زیادہ ہوتی ہے یہ چیزیں زیادہ مہتم بالشان ہوتی ہیں ۔ اس اعتبار سے ان کو ایسا ہونا چاہئے جیسا ہونا ان کی شان کے شایاں اور ان کی حیثیت کے لئے موزوں ہو ۔ جنگل بیابان میں عالیشان شاہراہیں عام نہیں بن سکتیں اس لئے کہ وہاں تجارت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو کچھ یونہی برائے نام ہوتی ہے یا یہ عالیشان شاہراہ محض اس لئے نہیں بنائی جاتی کہ یہ کسی ذی اقتدار منیجر کے دیہاتی محل کی طرف جاتی ہے یا کسی ذی وجاہت نواب کے عشرت کدے کی طرف جاتی ہے جس کی سلامتی کے لئے اس شاہراہ عام کی وجہ سے اس ذی اقتدار منیجر کی راہ میں سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اسی طرح پل کبھی دریائے ذخار پر اسی جگہ پر نہیں بنایا جا سکتا ہے ، جہاں سے کوئی اس دریا کو عبور نہیں کرتا یا محض اس لئے نہیں بنایا جاتا کہ قرب و جوار

کے محلات کے لئے باعث آرائش و موجب آرائش ثابت ہو۔ بعض بعض ایسے ملک ہیں جہاں اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں مگر ان ملکوں میں اس قسم کی تعمیرات عامہ ایسے مداخل و محاصل سے بنتی ہیں جو کسی اور ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں ۔ ان محاصل و مداخل سے نہیں بنتی جو خود ان کی ذات سے حاصل ہوتے ہیں ۔

نہریں نجی اشخاص کے ہاتھ میں کمشنروں کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہیں ۔

یورپ کے اکثر ملکوں میں گزر گاہ انبار کا محصول نجی اشخاص کا مال متصور ہوتا ہے ۔ ان نجی اشخاص کا منافعہ و مفاد ان کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ وہ نہروں کی دیکھ بھال رکھیں ۔ اگر ان کو عمدہ اور قابل استعمال حالت میں نہیں رکھا جاتا تو جہاز رانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ اس تمام آمدنی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جو اس سے وابستہ ہوتی ہے ۔ جب گزرگاہوں کے محصولات کو کمشنروں کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے تو وہ ان تعمیرات کے رکھ رکھاؤ پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کرتے جن سے یہ محصولات حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ خود ان کا مفاد ان سے وابستہ نہیں ہوتا ۔ نہر ''لانگو داگت'' کی ساخت و تعمیر پر شاہ فرانس اور باشندگان صوبہ کے تیرہ ملین لیور سے زیادہ صرف ہوتے تھے اور اگر اٹھائیس لیور کو ایک نقری مارک کے برابر سمجھا جائے تو یہ تیرہ ملین لیور تو نو لاکھ طلائی پونڈ کے برابر ہوتے ہیں ۔ (اور گزشتہ صدی کے اخیر میں زر فرانس کی قدر و قیمت یہی تھی) ۔ جب یہ عظیم الشان کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا تو اس کی دائمی مرمت اور درستی

کے سوال پر غور کیا گیا اور یہ قرار پایا تھا کہ اس کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ محصول معبر کو ریکٹ کے سامنے بطور نذرانہ پیش کیا جائے اس لئے کہ اسی انجینیر نے اس کا نقشہ تیار کیا تھا اور اسی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا - اس محصول کی آمدنی سے آج کل ایک عظیم‌الشان جاگیر بن گئی ہے جو صاحب موصوف کی نسل کی مختلف شاخوں میں منقسم ہے - یہ نہر اب تک عمدہ حالت میں ہے اس لئے کہ ان لوگوں کے منافعہ و مفاد اس کے رکھ رکھاؤ اور اس کی مرمت و درستی کے ساتھ وابستہ ہیں - اس کے برعکس انہیں محصولات کو کمشنروں کی تحویل میں دے دیا جاتا تو غالباً ان کو نمائش اور غیر ضروری امور پر صرف کر دیا جاتا اور ضروری اور اہم امور کو پس پشت ڈال دیا جاتا کیونکہ ان کمشنروں کا مفاد اس سے وابستہ نہ تھا -

شاہراہ عام پر جو محصول لیا جاتا ہے وہ ذاتی ملکیت نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ متولیوں کی تحویل میں دیا جاتا ہے

شاہراہ عام کے رکھ رکھاؤ کے لئے بھی محصول کی ضرورت ہوتی ہے - اس قبیل کے محصول کو کسی خاص شخص کی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیا جاتا ہے اس لئے کہ سڑک خواہ کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے لیکن قابل استعمال پھر بھی رہتی ہے - اس کے برعکس اگر نہر خراب ہو جاتی ہے تو قابل استعمال نہیں رہتی اس لئے شاہراہ عام کے محصولات کے مالک سڑکوں کی مرمت کی طرف سے غفلت کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور اس کے باوجود بھی محصول وصول کئے جاتے ہیں اس میں کسی

قسم کا فرق نہیں آتا - اس لئے لازم ہے کہ شاہراہوں سے
جو محصولات وصول ہوں ان کے انتظام و انصرام کے لئے
کمشنر اور متولی مقرر کئے جاتے ہیں -

برطانیہ میں محصولات گزرگاہ کے متعلق شکایت قابل لحاظ نہیں ہے -

برطانیہ میں محصولات گزرگاہ کے انتظام
و انصرام کے باب میں کمشنروں اور
متولیوں نے گوناگوں بدعنوانیوں کا
ارتکاب کیا ہے - اکثر موقعوں پر لوگوں نے ان کی شکایت کے باب
میں لب کشائی کی ہے اور اس میں وہ لوگ حق بجانب بھی
تھے - بیان کیا جاتا ہے کہ اکثر چکری دار چوکیوں پر
جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ بسااوقات دو چند سے زیادہ
ہوتی ہے یعنی جو کام یہاں کیا جاتا ہے اگر وہ نہایت
حسن و خوبی سے کیا جائے تو بھی اس سے آدھی رقم مطلوب
ہوتی ہے اور یہاں تو کام کیا جاتا ہی نہیں - یہ امر قابل لحاظ ہے
کہ گزرگاہوں پر محصول لگانا اور اس محصول سے سڑکوں کی
مرمت کرانا کوئی قدیم طریقہ نہیں ہے اس لئے یہ طریقہ اگر اب تک
تشنۂ تکمیل ہے اور اس منزل تک نہیں پہنچا ہے جہاں
تک پہنچنے کی صلاحیت معلوم ہوتی ہے - اس میں حیرت
و استعجاب کی کوئی بات نہیں ہے - نااہل و ناموزوں
اشخاص کو متولی مقرر کردیں گے اور ان کے روپے کی دیکھ
بھال اور ان کے ساختہ پرداختہ کی جانچ پرتال کے لئے
کوئی عدالت معائنہ مقرر نہیں کی تھی کہ ان محصولات کی
مقدار میں کمی کرتی اور ان کو مقدار کے مطابق کرتی -
جو مرمت و درستی کے اخراجات و مصارف کے لئے ضروری
ہے - اب اس قسم کا ایک ادارہ عالم وجود میں آیا ہے

اس کے وجود سے ان نقائص و عیوب کی توجیہ بھی ہوتی ہے اور ان کے لئے تائید وحمایت کا کام بھی دیتی ہے - پارلیمینٹ کی دانشمندی اور کاردانی سے توقع ہے کہ ان بدعنوانیوں کے بیشتر حصے کی اصلاح و درستی ہو سکے گی مگر آہستہ آہستہ اور اپنے وقت پر ہوگی -

یہ امر زیر غور ہے کہ حکومت ان چوکیوں کو اپنی تحویل میں لے لےاور ان کے محصولات سے اپنے محاصل میں اضافہ کرے -

برطانیہ کی چوکیوں سے اس قدر محصول وصول ہوتا ہے کہ وہ ان مصارف سے زیادہ ہوتا ہے جو سڑکوں کی مرمت و درستی کے لئے مطلوب ہیں کہ اس سے اس قدر بچت ہوسکتی ہے کہ اگر کفایت اور جز رسی سے کام لیا جائے تو ریاست کے ذرائع آمدنی میں ایک بڑا ذریعہ سمجھا جائے - یہاں تک کہ اکثر وزراء ریاست کا بھی اس باب میں یہی خیال ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت ان چوکیوں کا انتظامیہ اپنے ہاتھ میں لے لے - اور سپاہیوں سے کام لے تو سڑکوں اور گزر گاہوں کو عمدہ حالت میں رکھ سکتی ہے اس لئے سپاہیوں کو ان کی تنخواہ کے علاوہ اس کام کے لئے بہت کم وظیفہ دینا پڑے گا اور اگر یہ کام متولیوں کے خزانے سے کیا جائے گا تو خرچ بڑھ جائے گا - اس لئے کہ متولی اس کام پر جن آدمیوں کو لگائیں گے ان کے تمام مصارف کا بار انہی محصولات پر ڈالیں گے - اس باب میں اس امر کا ادعا کیا جاتا ہے کہ اس طریق کار سے مداخل و محاصل کی کثیر مقدار حاصل ہوسکتی ہے اور عامۃالناس پر کوئی مزید بار بھی نہیں ڈالا جاتا - بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مقدار نصف

ملین ہے[۱] اور سڑکوں اور گزر گاہوں کے محصولات سے ریاست کے عام اخراجات کے لئے ایسی ہی بچت نکل آتی جیسی آج کل ڈاک خانوں سے نکلتی ہے -

اس تجویز پر مندرجہ ذیل اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں

اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس طریق کار سے مداخل و محاصل کی ایک معتدبہ مقدار حاصل ہوسکتی ہے اگرچہ یہ مقدار اس قدر زیادہ نہیں جتنی معترض حضرات فرض کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق کار پر چند اہم اعتراض وارد ہوسکتے ہیں -

محصولات میں اضافہ ہو جائے گا اور تجارت پر زیادہ بار پڑے گا

اول - مختلف سڑکوں اور شاہراہوں سے جو محصولات وصول ہوتے ہیں اگر ان کی نسبت یہ خیال کرلیا جائے کہ ان کا شمار بھی ان ذرائع مداخل و محاصل میں ہے جو حکومت کے مصارف کے لئے ضروری ہیں تو اس امر کا امکان ہوگا کہ ان محصولات میں اضافہ کردیا جائے اور اضافہ بھی اتنا کیا جائے کہ حکومت کی ضروریات کے اعتبار سے موزوں ہو اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان محصولات کی مقدار میں بہت جلد

---

۱ اس امر کے باور کرنے کے لئے مدلل و معقول وجوہ موجود ہیں کہ اس کتاب کے دو پہلے طبقات سے لے کر اب تک برطانیہ مین شاہراہ عام کے محصولات کے مداخل و محاصل کی مقدار نصف ملین تک نہیں پہنچی - اگر سڑکوں اور شاہراہوں کی مرمت و درستی کا کام اہتمام حکومت کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ رقم اس قابل نہ ہوتی کہ اس سے اس ملک کی پانچ شاہراہوں کو اچھی حالت میں رکھا جاسکتا - یہ نوٹ اور اس سے اگلا نوٹ دونوں سب سے پہلے طبع سوم میں درج کئے گئے -

اضافہ ہوجائے گا اور یہ اضافہ برطانیہ کی پالیسی کے مطابق ہوگا - ان محصولات سے مداخل و محاصل کی مقدار کثیر آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے - اس سے ارباب حل و عقد کو اس امر کی تحریک ہوگی کہ اس ذریعہ آمدنی کی طرف بار بار رجوع کیا جائے اور اس سے جلدی جلدی کام لیا جائے - یہ بالکل مشتبہ ہے کہ موجودہ محصولات میں سے نصف ملین کی بچت ہوسکتی ہے خواہ کتنی ہی کفایت و جزرسی سے کام کیوں نہ لیا جائے اس قدر بچت کسی طرح نہیں ہوسکتی لیکن اگر انہیں محصولات کی مقدار کو دوچند کردیا جائے تو ان میں سے ایک ملین کی بچت نکل سکتی ہے اور اگر سہ چند کردیا جائے تو دو ملین کی بچت کا امکان ہوسکتا ہے -۱ یہ بڑی آمدنی بھی حاصل ہوسکتی ہے اور اس کے وصول کرنے کے لئے ایک افسر کے تقرر کی ضرورت بھی لاحق نہیں ہوتی لیکن جب اس طرح سے سڑکوں اور شاہراہوں کے محصول میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا تو اندرونی تجارت میں وہ سہولتیں باقی نہ رہیں گی جو آج کل ہیں بلکہ اس کے برعکس اس میں دشواریاں پیدا ہوجائیں گی اور یہ محصولات تجارت پر بار ہوجائیں گے - بھاری بھاری مال و اسباب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے جو مصارف مطلوب ہیں ان میں بہت زیادہ اضافہ ہوجائے گا اور اس قسم کے مال و اسباب کے بازار کی وسعت میں بہت

---

۱ اس امر کے باور کرنے کے لئے مدلل و معقول وجوہ موجود ہیں کہ یہ مفروضہ رقوم واقعی رقوم سے بہت زیادہ ہیں -

جلد تنگی رونما ہوجائے گی اور ان کی پیداوار میں انحطاط
کے آثار نمودار ہوجائیں گے اور اس ملک کی خانگی صنعت
و حرفت کی اہم اور ضروری شاخیں بالکل فنا ہوجائیں گی -

گاڑیوں پر جب وزن کے تناسب سے محصول لگایا جاتا ہے تو اس کا بار زیادہ تر غریبوں پر پڑتا ہے

دوم - گاڑیوں پر محصول ان کے وزن کے تناسب سے لگایا جاتا ہے وہ نہایت مساوی محصول ہوتا ہے - جب اس کی غرض و غایت محض سڑکوں کی مرمت اور شاہراہوں کی درستی ہوتی ہے لیکن یہی محصول بالکل نا مساوی ثابت ہوتا ہے - جب اس کی غرض و غایت کچھ اور ہوتی ہے کہ اس سے ریاست کی عام ضروریات پوری کی جائیں - جب اس محصول کا اطلاق صرف مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے لئے ہوتا ہے تو اس سے یہ فرض کرلیا جاتا کہ ہر ایک گاڑی اس قدر محصول ادا کردیتی ہے جس قدر اس شکست و ریز کی مرمت کے لئے ضروری ہے جو اس گاڑی کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے اور جب اس محصول کا اطلاق کسی اور غرض کے حصول کے لئے ہوتا ہے تو یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ ایک گاڑی اس سے زیادہ محصول دیتی ہے جتنا اس شکست وریز کی مرمت کے لئے ضروری ہے اور ریاست کی دیگر ضروریات کی بہم رسانی میں حصہ لیتی ہے - لیکن اس محصول کے باعث اشیاء کی قیمت میں ان کی قدر و قیمت کے تناسب سے اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے وزن کے تناسب سے ہوتا ہے اس لئے اس کا بار ان صارفوں پر پڑتا ہے جو بھاری اور موٹی چیزیں استعمال کرتے ہیں - ان پر نہیں پڑتا جو ہلکی اور نفیس

چیزیں برتتے ہیں - اس لئے یہ محصول چاہے ریاست کی کیسی ہی اہم ضرورت کی بہم رسانی کے لئے کیوں صرف نہ کیا جائے اس کا بار خاص طور پر غریبوں پر پڑتا ہے امیروں پر نہیں پڑتا - بہ الفاظ دیگر یہ باراں لوگوں پر پڑتا ہے جو بالکل اس کی برداشت نہیں کر سکتے اور ان پر نہیں پڑتا جو اس کی برداشت نہایت اچھی طرح کر سکتے ہیں -

سڑکوں کی طرف سے غفلت کا ارتکاب ہونے لگے گا -

سوم - اگر حکومت کسی وقت شاہراہوں اور سڑکوں کی مرمت و درستی کی طرف سے غفلت و سہل انگاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس وقت یہ امر آجکل کی نسبت اور بھی زیادہ مشکل ثابت ہوگا کہ اس کو مجبور کیا جائے کہ اس محصول کا اطلاق زیادہ موزوں اور مناسب انداز سے کرے یا اس کے کسی جزو کے استعمال میں زیادہ معقولیت سے کام لے اس طریق سے عامۃالناس سے ایک گراں قدر آمدنی تو وصول کرلی جاتی ہے لیکن اس کا کوئی جزو اس مقصد کے حصول پر صرف نہیں کیا جاتا جو اس کے حصول سے مقصود بالذات متصور ہوتا ہے - محصولات شاہراہ کے متولی اور منیجر اس قدر کم حیثیت اور سبک مایہ لوگ ہیں کہ ان کو اس امر پر مجبور کرنا دشوار ہے کہ وہ اس نقصان کی تلافی کریں جو ان سڑکوں اور شاہراہوں کو پہنچا ہے تو اس حالت میں اس دقت اور دشواری میں دس گنا اضافہ ہوجائے گا جو اس وقت تجویز کی جارہی ہے کیونکہ اس صورت میں جو لوگ ان متولیوں اور مینجروں کے جانشین ہوں گے وہ صاحب دولت اور ذی وجاہت ہوں گے -

فرانس میں شاھراھیں جماعت عاملہ کی سرکردگی میں ھیں -

فرانس میں وہ تمام ذخائر بلاواسطہ جماعت عاملہ کی ھدایت و نگرانی میں ھیں جو سڑکوں اور شاھراھوں کی مرمت و درستی کے لئے مخصوص ھیں - یہ ذخائر کچھ تو روزانہ اجیروں کی ایک خاص جماعت پر مشتمل ھیں - [1] جو یورپ کے اکثر ملکوں میں سڑکوں اور شاھراھوں کی مرمت اور درستی کے لئے مجبور ھے اور کچھ ریاست کے اصل و مداخل عامہ کے اس حصے پر مشتمل ھے جو پادشاہ وقت دیگر اخراجات سے نکال کر اس کام پر صرف کرنا پسند کرتا ھے -

یہاں صرف بڑی بڑی شاھراھیں اچھی حالت میں ھیں چھوٹی چھوٹی سڑکیں غفلت کا شکار ھیں -

یورپ کے بیشتر ملکوں میں قدیم زمانے سے یہ قانون چلا آرھا ھے کہ دیہاتوں اور گاؤں کے رھنے والوں کی محنت کسی مقامی حاکم یا صوبے کے کسی مجسٹریٹ کی ھدایت و نگرانی میں ھوتی تھی اس کا انحصار بلاواسطہ مقامی کونسل پر نہیں ھوتا تھا - ایام قدیم سے فرانس میں بھی یہی قانون نافذ ھے [2] لیکن دور حاضر میں ملک کے اجیر بالکل کسی کارندے کے ماتحت ھوتے ھیں اسی طرح وہ لوگ بھی کسی نہ کسی کارندے کے تحت امرونہی ھوتے ھیں جن کو پادشاہ وقت کسی خاص صوبے میں سڑکوں کی مرمت اور شاھراھوں کی درستی کے لئے مامور کرنا پسند کرتا تھا - یہ کارندہ ایک ایسا افسر ھوتا ھے جس کی تقرری اور

---

۱ طبع اول میں ھے کچھ تو چھ روزہ اجیروں پر مشتمل ھے -

۲ طبع اول میں ''دیہاتیوں کی محنت'' کی جگہ ھے - ''چھ روزہ اجیر'' -

برخاستگی شاہی کونسل کے اختیار میں ہوتی ہے۔ یہ کارندہ اس کونسل کے زیر امر ونہی ہوتا ہے اس سے سلسلہ خط و کتابت ہمیشہ قائم رکھتا ہے یا تاجداران وقت جوں جوں خود مختار اور مطلق العنان ہوتے جاتے ہیں جماعت عاملہ کے اختیارات بڑھتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اور تمام جماعتوں کے اختیار بھی سمٹ سمٹا کر اس جماعت کے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ یہ جماعت محاصل و مداخل کی تمام شاخوں کے انتظام و انصرام پر قبضہ کر بیٹھی ہے جو دراصل مقاصد عامہ کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ البتہ فرانس میں ڈاک کی سڑکیں عمدہ حالت میں رکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح ان سڑکوں کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح کی جاتی ہے جو بڑے بڑے شہروں کے درمیان واقع ہوتی ہیں اور بعض بعض صوبوں میں تو انگلستان کی چکری‌دار محصولی سڑکوں کے بیشتر حصے سے بھی ارفع و اعلیٰ ہیں لیکن چوراہے اور دیہاتی سڑکیں تو بالکل خراب حالت میں ہیں۔ اکثر مقامات پر تو یہ حالت ہے کہ بھاری گاڑیاں نہیں چل سکتیں۔ بعض بعض جگہ گھوڑوں پر سوار ہوکر چلنا خطرناک ہوتا ہے۔ ان مقامات پر صرف خچروں سے کام لیا جاتا ہے اور یہی باعث امن و سلامتی گنا جاتا ہے۔ کبھی کبھی نمائش پسند درباروں کے مفتخر اور سر برآوردہ وزیر مقتدر اور عظیم الشان کارنامے دکھانا پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ شاہراہیں بناتے ہیں کہ امراء و روسا ان کو دیکھیں اور ان کی توصیف و ثنا کے راگ گائیں۔ یہ لوگ ان کو سنتے اور اپنی خود فروشی کی داد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ امراء و رؤسا کی اس تحسین و آفرین کی وجہ سے دربار میں اس کے مفاد کی حمایت و تائید کا سامان بہم پہنچ جاتا ہے لیکن

یہ لوگ ایسے چھوٹے کام کرنا اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتے جن میں سراسر فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی ساخت و تعمیر میں کوئی بات خاص طور پر نمایاں اور نمودار نہیں ہوتی یہاں تک کہ مسافر اور راہگیر ان کو دیکھتے ہیں مگر ان سے کسی طرح متاثر نہیں ہوتے اور ان کی توصیف وثنا میں ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتے - بظاہر یہ کام ہر اعتبار سے ادنیٰ اور ہر لحاظ سے فرومایہ ہوتے ہیں - یہ ان بلند پایہ سرداروں کی عظمت کے لائق نہیں گنے جاتے - اس قسم کے نظام حکومت میں اس نوعیت کے کام ہمیشہ غفلت کا شکار رہتے ہیں -

چین میں اور ایشیا کے اور حصوں میں شاہراہوں اور نہروں کا اہتمام جماعت عاملہ کے سپرد ہوتا ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اچھی حالت میں ہیں مگر یورپ میں حالت اس کے برعکس ہے -

چین اور ایشیا کے اور ملکوں میں شاہراہوں کا انتظام اور قابل جہازرانی نہروں کا اہتمام جماعت عاملہ کے سپرد ہوتا ہے - یہی جماعت ان کی مرمت و درستی کرتی ہے اور یہی ان کے رکھ رکھاؤ کی خدمات انجام دیتی ہے - اس جماعت عاملہ کی طرف سے ہر صوبے کے گورنر کے نام کچھ ہدایات صادر کی جاتی ہیں - ان ہدایات میں ان امور کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرائی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ گورنر موصوف سے ہمیشہ اس امر کی سفارش کی جاتی ہے کہ وہ ان امور کا خیال رکھیں - اہل دربار حضرات ان گورنروں کے اعمال و افعال کے بابت جو رائے قائم کرتے ہیں اس کا انحصار زیادہ تر اس توجہ پر ہوتا ہے جو ان ہدایات کی تعمیل کی طرف مبذول کرنے

میں اور خاص کر ان ھدایات کے اس حصے کی تکمیل کی طرف رجوع کرتے ھیں جن کا تعلق سڑکوں اور نہروں سے زیادہ ھوتا ھے - بیان کیا جاتا ھے کہ ایشیائی ملکوں میں پبلک پالیسی کی اس شاخ کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کی جاتی ھے - چین کو اس باب میں نمایاں خصوصیت حاصل ھے - اس ملک میں شاھراھوں کی تعداد یورپ کی شاھراھوں کی تعداد سے زیادہ ھے اور خیال کیا جاتا ھے کہ قابل جہازرانی نہروں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ھے - ان امور کا بیان جو یورپ تک پہنچا ھے وہ سیاحوں اور پادریوں کی اشاعت سے پہنچا ھے - ان میں سے سیاح و مسافر نحیف و ضعیف اور محو حیرت و استعجاب معلوم ھوتے ھیں اور پادری بیگانۂ عقل و دانش اور مائل کذب افترا دکھائی دیتے ھیں - اگر ارباب فہم و فراست ان بیانات کا معائنہ بہ نظر امعان کرتے اور ان بیانات و یاد داشت کو وہ لوگ قلمبند کرتے جو ثقہ و سنجیدہ اور صاحب اعتبار ھیں تو یہ بیانات اس قدر حیرت خیز اور استعجاب انگیز نہ ھوتے - اس قسم کی کچھ تعمیرات ھندوستان میں تھیں - برنیر نے ان کا حال قلمبند کیا ھے اس میں اور بیانات میں بہت فرق ھے جو اوروں نے قلمبند کئے ھیں - اس باب میں برنیر کا بیان اور سیاحوں کے بیان سے بہت پیچھے ھے اس لئے کہ عجائب پرستی کا غلبہ جس قدر اوروں پر تھا اس قدر برنیر پر نہ تھا - ۱ یہ ممکن ھے کہ ان

---

۱ ملاحظہ ھو سفر نامہ برنیر مطبوعہ ایمسٹرڈم ۱۷۱۰ء اکثر سیاحوں اور مسافروں نے ھندوستانی سڑکوں اور نہروں کی تعریف کی ھے اس سفرنامہ

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۱۵

ملکوں میں بڑی بڑی سڑکوں کی مرمت اور درستی کی جاتی
ہو اور بڑی بڑی گزرگاہوں کے رکھ رکھاؤ کا خاص طور پر
خیال رکھا جاتا ہو اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ
دربار میں اور دارالسلطنت میں ان کے تذکرے رہنے لازم ہیں
اس لئے ان کی طرف توجہ کی جاتی ہو اور باقی اور سڑکوں
اور گزرگاہوں کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہو جس طرح فرانس
میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چین میں ہندوستان میں اور
ایشیا کی اور کئی حکومتوں میں تاجداراں وقت کے تمام
مداخل و محاصل کا انحصار ایک گونہ محصول زمین یا لگان
اراضی پر ہے اور اس محصول یا اس لگان میں ترقی و تنزل کا
انحصار زمین کی سالانہ پیداوار کی کمی بیشی پر ہے۔[1] اس
لئے تاجدار وقت کا مفاد جس چیز سے زیادہ وابستہ ہوتا ہے
وہ مداخل و محاصل ہے اور یہ محاصل و مداخل لازمی طور
پر زمین کی کاشت سے بلا واسطہ مربوط ہیں اسی طرح اس کا
تعلق پیداوار کی کثرت اور پیداوار کی قدر و قیمت سے ہے
اس پیداوار میں اضافہ کرنے اور اس کی قیمت بڑھ جانے کے
لئے لازم ہے کہ بازار کی وسعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی
جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ملک کے تمام حصوں میں

بقیہ حاشیہ ۲۱۴
سے اس کے بیانات کی نفی نہیں ہوتی لیکن اس معنی کی نفی ضرور ہوتی
ہے کہ یہ چیزیں ان مقامات پر مذکور نہیں ہیں جہاں تقاضائے فطرت
ہے یعنی اگر یہ چیزیں موجود ہوتیں یا اس قدر اہم اور مہتم بالشان
ہوتیں تو ازروئے تقاضائے فطرت اس جگہ ضرور مذکور ہوتیں۔

[1] طبع اول میں ''و'' کی جگہ ''یا'' ہے۔

سلسلہ آمد و رفت قائم کیا جائے یہ سلسلۂ آمد و رفت نہایت آسان اور بالکل آسان ہوتا ہے اس پر خرچ کا بار بھی اس قدر کم ہونا چاہئے جس قدر حیز امکان میں ہو۔ یہ آمد و رفت کا سلسلہ صرف سڑکوں اور نہروں کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے بشرطیکہ سڑکیں پختہ اور نہریں قابل جہازرانی ہوں لیکن یورپ میں کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں تاجداران وقت کے تمام تر مداخل و محاصل کا انحصار محصول زمین یا لگان اراضی پر ہو۔ اس کے برعکس تمام بڑی بڑی سلطنتوں کے اس مداخل و محاصل کے بیشتر حصے کا انحصار بالآخر پیداوار اراضی پر ہوتا ہے لیکن یہ انحصار واسطہ در واسطہ ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل واضح اور نمایاں بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے یورپ میں تاجداران وقت کو اس امر کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ زمین کی پیداوار میں اضافہ کرے یا اس پیداوار کی قدر و قیمت بڑھانے پر غور و فکر مبذول کر لے۔ اس لئے اس کو بلا واسطہ طور پر یہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ عمدہ اور پختہ سڑکیں بنائے اور قابل جہازرانی نہریں کھدوائے اور ان کے رکھ رکھاؤ کا انتظام و انصرام فرمائے تاکہ پیداوار اراضی کے لئے وسیع بازار مہیا ہو سکے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ایشیا کے اکثر ملکوں میں انصرام عامہ کا یہ محکمہ جماعت عاملہ کے ماتحت ہے اور اس جماعت کے تحت و تصرف میں اس کا انتظام نہایت موزوں اور مناسب ہے لیکن اس امر کا گمان غالب نہیں ہے کہ موجودہ صورت حالات میں یورپ کے کسی علاقے میں جماعت عاملہ اس کام کو اس حسن و خوبی سے

انجام دے سکے گی - کم سے کم مجھے تو اس میں بہت
شک ہے -

مقامی نوعیت کی تعمیرات عامہ کی مرمت و درستی کے مصارف محاصل مقامی کے ذمے ہوتے ہیں -

بعض تعمیرات عامہ اپنی نوعیت کے
اعتبار سے ایسی ہوتی ہیں کہ اپنے
رکھ رکھاؤ کے مصارف کی کفیل خود
نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ ان سے جو کچھ سہولت ہوتی ہے
وہ کسی خاص مقام تک یا کسی خاص علاقے تک محدود
ہوتی ہے - ایسی تعمیرات مقامی محاصل صوبہ کے مداخل سے
بوجہ احسن قائم رکھی جا سکتی ہیں اور ان تعمیرات کے
انتظام و انصرام کا بار بھی مقامی حاکموں یا صوبے کے
افسروں کے ماتحت ہونا چاہئے - اگر ریاست کے عام مداخل و
محاصل سے ان کا رکھ رکھاؤ کیا جائے گا تو ایسا عمدہ اور
موثر ثابت نہ ہو گا اس لئے کہ ریاست کے عام مداخل و
محاصل کا انصرام و انتظام ہمیشہ جماعت عاملہ کے ذمے
ہوتا ہے - اگر لندن کی سڑکیں بنانے اور ان پر لال ٹینیں
لگانے کے مصارف خزانہ شاہی سے نکالے جاتے تو کیا اس امر
کا امکان ہو سکتا تھا کہ یہ سڑکیں اس قدر عمدہ ہوتیں
جتنی آج کل ہیں - یہاں ان پر روشنی کا اہتمام اس شان سے
ہو سکتا تھا جتنا موجودہ حالت میں ہوتا ہے - اگر ہوتا بھی
تو کیا اس قدر ارزاں ہو سکتا تھا اس صورت میں تو یہ خرچ
مقامی محصول سے نکلتا ہے اور اس کا بار ہر بازار اور ہر
کوچہ کے رہنے والوں پر پڑتا ہے یا لندن کے ہر علاقے کے
باشندوں پر ہوتا ہے - دوسری صورت میں یہ بار ریاست کے
مداخل عامہ پر یا مرکزی خزانے پر پڑتا ہے اور یہ بوجھ

بالآخر سلطنت کے تمام باشندوں کو اٹھانا پڑ جاتا ہے حالانکہ ان کو لندن کی سڑکوں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اور ان کو اس شہر کے کوچہ و بازار کی روشنی سے کچھ سروکار نہیں ہوتا ۔

مقامی حکومت کے انتظام و انصرام بدعنوانیاں رونما ہوتی ہیں وہ ان بدعوانیوں سے بہت کم ہوتی ہیں جو محاصل عامہ کے انتظام و انصرام میں رونما ہوتی ہیں ۔

مقامی مداخل اور صوبے کے محاصل کے انتظام و انصرام میں مقامی افسر اور صوبے کے حاکم کبھی سہو و خطا کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور بادی النظر میں سہو و خطا نہایت اہم اور بھیانک معلوم ہوتی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سہو و خطا اس لغزش و فروگزاشت کے مقابلے میں بالکل صحیح ہوتی ہے جو بڑی بڑی سلطنتوں کے انتظام و انصرام کے امور میں اور ان کے مصارف و اخراجات کے باب میں عموماً رونما ہوتی رہتی ہیں ۔ اس کے علاوہ مقامی سہو و خطا کی اصلاح و درستی مرکزی لغزشوں اور فروگزاشتوں کی اصلاح و درستی سے کہیں زیادہ سہل و آسان ہے ۔ برطانیہ میں مقامی انتظام اور صوبے کے انصرام کی زمام ناظمان فوجداری کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کے علاوہ شاہراہوں کی مرمت اور درستی کے لئے دیہاتی لوگ چھ روزہ محنت کی انجام دہی پر مجبور ہوتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ ان ناظمان فوجداری کی سرکردگی میں اس چھ روزہ محنت کا اہتمام معقولیت سے انصرام پذیر ہوتا ہو مگر اس کی تعمیل میں کبھی جبرو تشدد کو روا نہیں رکھا جاتا ۔ فرانس میں اس قسم کا انتظام و انصرام کارندوں اور گماشتوں کے سپرد ہوتا ہے مگر وہاں بھی برطانیہ کی

نسبت زیادہ حسن و خوبی سے انصرام پذیر نہیں ہوتا لیکن اس کی تعمیل میں نہایت ظلم و تشدد کو روا رکھا جاتا ہے اس قسم کی بیگاریں کیا ہیں گویا آلات جبر و تشدد ہیں جن سے سرکاری افسران علاقوں کے باشندوں کو سزا دیتے ہیں جو بد نصیبی سے مورد عتاب ہو جاتے ہیں۔ ۱

عمارات و ادارات عامہ

جو کاروبار کی خاص خاص شاخوں میں سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہیں۲

خاص خاص ادارات ہیں کہ کاروبار کی خاص خاص شاخوں میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں مثلاً وحشی اور بربری قوم کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے قلعوں کی ضرورت پیش آتی ہے اور یا قیماندہ اقوام کے ساتھ کارو بار کرنے کے لئے سفیر مطلوب ہوتے ہیں۔

یہ امر قبل ازیں معرض بیان میں آ چکا ہے کہ ہر قسم کی تجارت کی سہولت و آسانی کے لئے تعمیرات و ادارات عامہ کا ہونا ضروری و لابدی ہے مگر کاروبار کی خاص خاص شاخیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے خاص خاص قسم کے ادارات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ان کے لئے خاص طور پر غیر معمولی اخراجات کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بعض بعض کاروبار ایسے ہیں کہ وحشی اور غیر مہذب

---

۱ طبع اول میں ہے۔ یہ بیگاریں کیا ہیں گویا آلات جبر و تشدد ہیں جن کے ذریعہ سے کارندے اور گماشتے اس علاقے کے باشندوں کو سزا دیتے ہیں جو بدنصیبی سے مورد عتاب ہوتے ہیں۔

۲ اس باب کی یہ فصل سب سے پہلے تصحیحات و اضافات میں اور طبع سوم میں شامل کی گئی ہے۔ یہ فصل دفتر پنجم کے باب اول میں شامل ہے۔

قوموں کے ساتھ کرنے پڑتے ھیں ان کاروبار کے انصرام کے لئے غیر معمولی احتیاط و حفاظت کی ضرورت محسوس ھوتی ھے - معمولی گوداموں اور دفتروں سے یہاں کام نہیں چلتا - جو تاجران قوموں کے ساتھ کاروبار کرتے ھیں وہ افریقہ کے مغربی ساحل پر آباد ھیں - وہ اپنا سامان تجارت ان مقامات پر غیر محفوظ پاتے ھیں - اس حالت میں اس امر کی ضرورت پیش آتی ھے کہ اس سامان کو محفوظ رکھنے کے لئے مضبوط گودام بنائے جائیں اور ان کو ان بربری قوموں سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی قدر مستحکم بھی کیا جائے- حالانکہ ھندوستان کے باشندے حلیم‌الطبع اور نرم مزاج ھیں مگر اس کے باوجود بھی اس قسم کی احتیاطیں اور پیش بندیاں ضروری خیال کی جاتی ھیں کیونکہ وھاں کی حکومت میں بد عملی پھیلی رھتی تھی - ان کے باعث انگلستان اور فرانس کی شرق‌الہند شرکتوں کو اس امر کا بہانہ ھاتھ آ گیا تھا کہ جان و مال کی حفاظت کے لئے قلعے بنائیں اور اس طرح اپنے آپ کو ان کی چیرہ دستیوں سے بچائیں - چنانچہ ابتدا ابتدا میں جو ان شرکتوں کو اس ملک میں قلعے بنانے کی اجازت دی گئی ان کی تہ میں یہی راز مضر تھا - اکثر قومیں اس قدر قوی بازو زبردست ھوتی ھیں کہ اجانب و اغیار کو اپنی قلمرو میں قلعے بنانے اور استحکامات قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتیں - ایسی حکومتوں میں وزیروں - سفیروں اور قونسلوں کو رکھنا پڑتا ھے - اگر ان کے ھم وطن لوگوں میں باھمی نزاعات رونما ھوتی ھیں تو خود ان کے رسوم و رواج کے موافق نزاعات کا فیصلہ کیا جاتا ھے اور اگر ان

سفیروں کے ہم وطن لوگوں اور دوسرے ملکوں کے باشندوں کے درمیان کسی قسم کی نزاع ہوتی ہے تو یہ سفیر ان نزاعات میں مداخلت کر سکتے ہیں اور اپنے ہم وطن لوگوں کے تحفظ کا سامان بہم پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بات اور یہ حمایت ان لوگوں کو کسی نجی شخص کی مداخلت سے نصیب نہیں ہو سکتی۔ مفاد تجارت کا ہمیشہ یہ تقاضا ہوتا ہے کہ غیر ملکی حکومتوں میں اپنے سفیر رکھے جائیں۔ مقاصد جنگ اور اغراض ایجاد کا یہ تقاضا کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا مگر مفاد تجارت کا ضرور ہوتا ہے ترکی میں جب شرکت ترکیہ وجود پذیر ہوئی تو پہلے پہل "قسطنطنیہ"[۱] میں ایک معمولی سفیر مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح روس میں بھی انگریزی سفارت خانے قائم کئے گئے ان کی تہ میں بھی یہی مفاد تجارت مضمر تھا۔[۲] ان تجارتی مفاد کے متعلق یورپ کی اکثر قوموں میں اکثر اوقات باہمی نزاعات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ غالباً یہ ان نزاعات کا نتیجہ ہے کہ دوران امن و امان میں بھی قرب و جوار کی تمام ریاستوں میں سفیر و وزیر ہمیشہ رکھے جانے لگے۔ ایام قدیم میں یہ رواج نہ تھا۔ اس کی ابتدا پندرھویں صدی کے آخیر میں یا سولھوی صدی کے شروع میں ہوئی تھی یعنی یہ رواج اس وقت سے زیادہ قدیم نہیں ہے جب تجارت یورپ کی اکثر قوموں کے درمیان پھیلنے لگی تھی اور یہ قومیں اس تجارتی مفاد کو محسوس کرنے اور اس کی طرف

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۰۶ء۔

۲ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۲۰ء۔ بر مقابلہ ۱۶۳۳ء۔

توجہ کرنے لگی تھیں ۔

تجارت کی بعض بعض شاخیں ایسی ہیں کہ ان کی حمایت و حفاظت کے لئے غیر معمولی مصارف مطلوب ہوتے ہیں ۔ اس لئے یہ امر قرین عقل ہے کہ ان پر خاص خاص محصولات لگائے جائیں اور وہ شاخیں ان محصولات کا بار اٹھائیں ۔

کاروبار کی بعض بعض شاخیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی حفاظت و حمایت کے لئے غیر معمولی مصارف کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ اندریں حالات یہ امر کچھ بعید از عقل نہیں ہے کہ ان شاخوں پر خاص خاص محصولات لگائے جائیں اور وہ شاخیں ان معمولی محصولات کا بار اٹھائیں مثلاً جب کوئی تاجر کوئی کاروبار شروع کرے تو اس پر ایک گونہ تاوان عاید کیا جائے ۔ یعنی خاص خاص ملکوں سے مال کی برآمد در آمد پر ایک خاص فی صدی شرح سے چنگی لگا دی جائے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدا ابتدا میں محصول چنگی کا رواج اس امر کا منت پذیر ہے کہ تجارت محفوظ و مامون تر تھی اس کو بحری ڈاکوؤں اور سمندری لٹیروں سے بچانے کے لئے یہ طریقہ رائج کیا گیا ۔ اسی سے یہ ادارہ محصول عالم وجود میں آیا ۔ جس طرح قرین دانش ہے کہ ہر قسم کی تجارت میں ایک گونہ عام محصول لگایا جائے اسی طرح یہ امر بھی بعید از عقل نہیں ہے کہ تجارت کی خاص خاص شاخوں پر خاص خاص محصول لگائے جائیں تاکہ ان محصولات کے ذریعہ وہ غیر معمولی مصارف ادا ہوسکیں جو ان خاص خاص تجارتوں کی وجہ سے برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔

اس قبیل کے محصولات سے جو کچھ حاصل ہو وہ جماعت عاملہ کی تحویل میں ہونا چاہئے مگر یہ محصولات عموما تاجروں کی شرکتوں کے حوالے کر دئے جاتے ہیں -

تجارت کی حفاظت و حمایت ہمیشہ اور ہر حالت میں دولت مشترکہ کے تحفظ کے لئے ضروری اور لابدی سمجھی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ تحفظ جماعت عاملہ کے فرائض منصبی کا ایک اہم اور ضروری جزو بیان کیا جاتا ہے - اس لئے محصولات عامہ کا لگانا اور ان کا وصول کرنا ہمیشہ اس جماعت عاملہ کی تحویل میں رہتا ہے لیکن تجارت کی خاص خاص شاخوں کی حمایت و حفاظت کا ایک جزو ہوتا ہے - اسی سے یہ بھی جماعت عاملہ کے اختیارات و اقتدارات کا ایک جزو ہوتا ہے اور قومیں جب تک عدل و انصاف کے اصول پر کاربند رہتی ہیں وہ ان محصولات کو جماعت عاملہ کی تحویل و سرکردگی میں چھوڑ دیتی ہیں جو اس قبیل کی خاص خاص حمایت و حفاظت کے لئے وصول کئے جاتے ہیں لیکن اس باب میں قومیں اکثر عدل و انصاف کے اصول پر کاربند نہیں ہوتیں - نتیجہ یہ کہ یورپ کی اکثر بڑی بڑی ریاستوں میں تاجروں کی خاص خاص شرکتیں مقننہ جماعتوں کو اس امر پر آمادہ کر لیتی ہیں کہ اس فرض کی انجام دہی تاجروں کی شرکتیوں کے حوالے کردی جائے اور وہ تمام اختیارات و اقتدارات بھی حوالے کردئے جائیں جو لازمی طور پر اس فرض کی انجام دہی کے لئے مربوط ہوتے ہیں -

اس قسم کی تجارتی شرکتیں بیکار اور غیر ضروی بار ثابت ہوتی ہیں -

اس قسم کی شرکتیں شاید اس وقت تو مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہیں جب تجارت میں کوئی نئی شاخ قائم کی جاتی

ہے کیونکہ یہ شرکتیں اپنے خرچ سے ان امور کا تجزیہ کرتی ہیں جن کو حکومت دوربینی اور مال اندیشی کے خلاف سمجھتی ہے لیکن یہ شرکتیں بلا آخر بیکار اور غیر ضروری ثابت ہوتی ہیں اور یا تو تجارت میں بدعنوانیاں پیدا کردیتی ہیں یا اس کو محدود و محصور کرکے رکھ دیتی ہیں۔

یہ شرکتیں آئینی تطبیق پذیر اور ضرورت کے مطابق ہوتی ہیں یا اشتراک سرمایہ سے بنائی جاتی ہیں۔

بعض بعض شرکتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مشترک سرمایہ سے تجارت نہیں کرسکتیں مثلاً یہ اس امر پر مجبور ہوتی ہیں کہ اور لوگوں کو بھی شامل کرلیں بہ شرطیکہ وہ اس شمولیت کے لئے ہر طرح موزوں اور مناسب اور ایک قسم کا تاوان دینے پر آمادہ اور شرکت آئین کی پابندی پر رضامند ہوں اس صورت میں اس شرکت کا ایک رکن خود تجارت کرتا اور اپنے نفع نقصان کا آپ مالک ہوتا ہے۔ ایسی شرکتوں کو باضابطہ یا تطبیق پذیر شرکتیں کہتے ہیں۔ جب یہ شرکتیں مشترک سرمائے سے تجارت کرتی ہیں تو یہ رکن تمام نفع و نقصان میں بحصہ رسد شریک ہوتا ہے اس قسم کی شرکتیں مشترک الاصل یا مشترک سرمائے کی شرکتیں کہلاتی ہیں[۱] اس قسم کی شرکتوں کو بعض اوقات

---

۱ ''سر جوسائیہ چائلڈ'' نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''بحث جدید تجارت'' ۔ اس تصنیف میں مصنف موصوف شرکتوں کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں (۱) مشترک الاصل یا مشترک سرمایہ کی شرکتیں اور (۲) وہ شرکتیں جو مشترک سرمایہ سے تجارت نہیں کرتیں مگر حکومت کے تابع اور آئین پر کاربند ہوتی ہیں ملاحظہ ہو باب سوم۔ تصنیف مذکور۔

بلا شرکت غیری تجارت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور بعض اوقات نہیں ہوتے خواہ یہ شرکتیں مشترک الاصل ہوں یا تطبیق پذیر کہلاتی ہوں۔

آئین یاب شرکتیں شخصیات تجارت کے مشابہ ہوتی ہیں اور اسی حیثیت سے کاروبار کرتی ہیں۔

آئین پذیر شرکتیں ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے تجارتی شخصیتوں سے مشابہ ہوتی ہیں اور یہ تجارتی شخصیے یورپ کے تمام ملکوں میں ہر جگہ عام ہیں۔ کوئی شہر اور کوئی قصبہ ان سے خالی نہیں ہے۔ یہ شخصیے ایک گونہ وسیع پیمانے پر اجارہ داریاں ہیں۔ کسی شہر یا کسی قصبے کا کوئی باشندہ ان تجارتی شخصیوں میں اس وقت تک تجارت نہیں کرسکتا جب تک وہ رکنیت حاصل نہیں کرلیتا۔ اسی طرح کسی ریاست کا کوئی باشندہ از روئے قانون غیرملکی تجارت میں مشغول نہیں ہوسکتا جب تک اس شرکت کی رکنیت اختیار نہیں کرلیتا جو اس قسم کی تجارت کے لئے پہلے سے قائم ہوتی ہے۔ جس نسبت سے اس شرکت میں شامل ہونے کی شرطیں سہل یا دشوار ہوتی ہیں۔ اسی نسبت سے اس کمپنی کی اجارہ داری سہل یا دشوار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے رہبر و ہدایت فرما لوگوں کے اختیار جتنے زیادہ وسیع ہوتے ہیں اتنی ہی اجارہ داری وسیع ہوتی ہے اور یہ اختیارات جس قدر وسیع ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ یہ ہدایت فرما لوگ اس امر پر آمادہ ہوتے ہیں کہ اس تجارت کو خود اپنے آپ تک محدود رکھیں یا صرف اپنے دوستوں کو شمولیت کا موقع دے دیں۔ قدیم ترین آئین پذیر شرکتوں میں حقوق شاگردی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے دیگر شخصیات میں ہوتے ہیں۔ ان حقوق کے

حصول کے لئے لازم تھا کہ طالب حقوق کسی رکن کی شاگردی اختیار کرے اور ایک خاص میعاد مقررہ تک شاگردی کے فرائض ادا کرے اور اس کے بعد رکنیت حاصل کرے - اس صورت میں اول تو اس کو کسی قسم کا کوئی تاوان ادا کرنا نہیں پڑتا تھا اور اگر کرنا بھی پڑتا تھا تو یہ اس تاوان سے بہت کم ہوتا تھا جو بطور دیگر اور لوگوں کو دینا پڑتا تھا - ان آئین پذیر شرکتوں میں وہ تمام جذبات کار فرما ہوتے ہیں جو تجارتی شخصیوں میں پائے جاتے ہیں - یہ اور بات ہے کہ کوئی خاص قانون نافذ ہو اور وہ ان جذبات کو محدود و مسدود کردے - جب ان کو یہ اجازت دیدی جاتی ہے کہ اپنے فطری رجحان طبع کے مطابق کارروائی کرے تو ان کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ تجارت پر طرح طرح کے غیر ضروری آئین کا بار ڈالیں تاکہ حریفوں اور مقابلہ کرنے والوں کی تعداد اس قدر محدود ہوجائے جس قدر حیز امکان میں ہے اور جب قانون ان کی راہ میں آڑے آتا ہے اور ان کو اس قسم کی اجارہ‌داری سے باز رکھتا ہے تو یہ شرکتیں بالکل غیر اہم ہوجاتی ہیں بلکہ محض بیکار ہوکر رہ جاتی ہیں -

اس وقت پانچ آئین پذیر شرکتیں قائم ہیں -

غیر ملکی تجارت کی آئین پذیر شرکتوں کی تعداد پانچ ہے جو اس وقت برطانیہ میں قائم ہیں - ان کے نام حسب ذیل ہیں - (۱) قدیم مہم‌پسند تاجروں کی شرکت[1] - اب اس کو عام طور پر ہیمبرگ کمپنی کہتے ہیں[1]

[1] یہ انگلستان کے مہم پسند تاجروں کی شرکت یا سوسائٹی ہے -

(۲) روسی کمپنی ۱ (۳) ایسٹ لینڈ یا شرقستانی کمپنی (۴) ترکی کمپنی یا شرکت ترکیہ اور (۵) شرکت افریقہ ۔

ان پانچوں میں سے ھیمبرگ، روسی اور شرقستانی شرکتیں بیکار ھیں ۔

بیان کیا جاتا ھے کہ آج کل ھیمبرگ کمپنی میں شمولیت کی شرطیں بالکل سہل اور آسان ھیں اور اس کے ھدایت فرما لوگوں کے اختیار میں یہ امر نہیں کہ تجارت پر غیر ضروری آئین کا بار ڈالیں یا اس کی راہ میں بندشیں حائل کرسکیں یا کم سے کم ان لوگوں نے ایک عرصے سے ان اختیارات سے کام نہیں لیا مگر یہ حالت ھمیشہ سے نہیں ھے ۔ گذشتہ صدی کے درمیانی عرصے میں شمولیت کی فیس پچاس پونڈ تھی اور ایک زمانے میں تو پورے سو پونڈ تھی۲ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ھے کہ اس کمپنی کا رویہ بالکل جابرانہ تھا ۱۶۴۳ء ۱۲۴۵ء اور ۱۶۶۱ء میں پارچہ فروشوں اور آزادی تجارت کے حامیوں نے پارلیمنٹ کے حضور میں شکایت کی تھی کہ اس کمپنی کے ھدایت کار لوگ اجارہ دار بن بیٹھے ھیں، انھوں نے تجارت کو اپنے آپ تک محدود کر رکھا ھے اور سارے ملک کے صناعوں پر جبرو تشدد شروع کر دیا ھے ۔۳

---

۱ ایزادات و تصحیحات میں سے ''رشن'' ھے اور یہ غالباً چھپائی کی غلطی ھے مگر اس سے آگے بھی ایک جگہ ''رشن'' ھے حالانکہ ''رشا'' کی جگہ ''رشن'' غلط ھے۔

۲ ملاحظہ ھو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۶۴۳ء ۔ اس کی کتاب کی رو سے ۱۶۴۳ء میں داخلے کی فیس دو چند کر دی گئی تھی اور اھل لندن کے لئے سو پونڈ اور دیگر قوموں کے لئے پچاس پونڈ کر دی گئی تھی ۔

۳ ملاحظہ ھو۔ کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۶۱ء ۔ اس میں دوسرے دو سال کا ذکر کیا گیا ھے ۔

اگرچہ ان شکایات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور پارلیمنٹ نے قانون وضع نہیں کئے لیکن ان کی وجہ سے ارکان شرکت کے قلوب پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ وہ اپنے روپے میں اصلاح و ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئے - کم سے کم اس وقت سے اب تک ان کے خلاف شکایات سننے میں نہیں آئیں -۱ از روے قانون نمبر ۱۰ اور ۱۱ بجریہ ولیم سوم۲ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۶ روسی کمپنی میں شمولیت کی فیس صرف پانچ پونڈ کر دی گئی اور قانون نمبر ۲۵ - بجریہ چارلس دوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۷ کی رو سے شرقستانی کمپنی میں داخلے کی فیس صرف چالیس شلنگ کر دی گئی - اس کے ساتھ ھی سویڈن ڈنمارک اور ناروے کو اس فیس سے بالکل بری کر دیا ھے -۳ یہ ممنون ملک بحیرہ بالٹک کے شمالی ساحل پر واقع ھیں اور اس منشور میں شامل ھیں جو بلا شرکت غیرے تجارت کے متعلق اس کمپنی کو حاصل ھے - پارلیمنٹ کے ان دونوں قانونوں کے نفاذ کی تہ میں غالباً ان ھی کمپنیوں کا رویہ مضمر ھے اس سے قبل سر جوسائیہ چائلڈ اپنی تصنیف میں یہ ظاھر کر چکا تھا کہ یہ دونوں کمپنیاں نہایت جابرانہ اور سخت گیر ھیں - ان میں ھیمبرگ کمپنی بھی شامل ھے - اس مصنف نے کبھی لکھا تھا کہ تجارت کے تنزل کی تمام ذمہ داری انھیں کمپنیوں پر عائد ھوتی ھے اس لئے کہ ان کا انتظام نہایت

---

۱ ایزادات و تصحیحات میں اور طبعات سوم و چہارم میں سے ھے - ''کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی'' - غالبا اسمتھ نے لکھا تھا اس کے خلاف کوئی شکایت نہیں ھوئی -

۲ تمہید میں اس کمپنی کی تاریخ بیان کی گئی ھے -

۳ ملا حظہ ھو - کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۷۲ء

خراب ہے۔ اس وقت اس تجارت کی حالت بہت زار و زبوں تھی جو ان ملکوں سے کی جاتی تھی جو کمپنیوں کے منشور کے حیز اثر میں تھے[۱]۔ ممکن ہے کہ آج کل اس قسم کی کمپنیاں کچھ زیادہ ظالم و جابر ثابت نہ ہوں لیکن یہ کمپنیاں بالکل بے کار اور سراسر فضول ہیں۔ اس قسم کی آئین پذیر شرکتوں کی شان میں کہتا ہے کہ ان کا وجود بالکل بے کار ہے اور یہ ان کی بڑی سے بڑی تعریف ہے اور موجودہ حالت میں یہ تعریف مندرجہ بالا تینوں کمپنیوں پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

شرکت ترکیہ جابرانہ اجارہ داری ہے۔

ایام قدیم میں شرکت ترکیہ میں شمولیت کے لئے فیس چھبیس سال کے کم عمر لوگوں کے لئے پچیس پونڈ تھی اور ان لوگوں کے لئے پچاس پونڈ تھی، جن کی عمر چھبیس سال سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس میں تاجروں کے علاوہ اور کسی گروہ کو شامل نہیں کیا جاتا تھا یہ ایک ایسی بندش تھی۔ جس کی رو سے دکان دار اور خردہ فروش اس کی رکنیت سے محروم ہوگئے تھے۔[۲] برطانیہ میں ایک ضمنی قانون تھا۔ اس کی رو سے جو برطانی مصنوعات ترکی میں بھیجی جاتی تھیں، وہ کمپنی کے عام جہازوں میں لاد کر بھیجی جاتی تھیں اور یہ عام جہاز ہمیشہ بندرگاہ لندن سے چلتے تھے۔ اس لئے تجارت اسی بندرگاہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور

---

۱ ملاحظہ ہو۔ بحث جدید تجارت باب سوم میں اس کا حوالہ انڈرسن نے اپنی کتاب تجارت مطبوعہ ۱۶۷۲ء میں بھی دیا ہے۔ اس کتاب میں یہ صفحہ ۱۶۷۲ء سے بہت بعد میں لکھا گیا ہے۔ اس سال خزانے کے بند ہونے سے پہلے ضرور لکھا جا چکا تھا۔

۲ ملاحظہ ہو۔ کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۰۵ء، ۱۶۴۳ء، ۱۷۵۳ء

یہ بندرگاہ گراں ہے ۱ ۔ اس لئے اس تجارت میں وہ تاجر حصہ لے سکتے تھے، جو لندن میں رہتے یا اس کے گردونواح میں اقامت رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ ایک اور ضمنی قانون موجود تھا، جس کی رو سے کوئی ایسا شخص رکن نہیں بن سکتا تھا، جو لندن کے گردوپیش بیس بیس میل کے اندر رہتا ہو اور اس شہر کا رکن نہ ہو ۔ یہ دوسری بندش تھی ۔ ان دونوں بندشوں کا متفقہ نتیجہ یہ تھا کہ لندن کے ارکان قدیم کے علاوہ کوئی اور شخص رکن نہیں بن سکتا تھا ۲ ۔ ان جہازوں کے لادنے اور روانہ ہونے کے وقت کا انحصار ہدایت‌کار لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا ۔ اس لئے یہ لوگ ان جہازوں کو اپنے مال یا اپنے چیدہ چیدہ دوستوں کے مال سے بھر دیتے تھے اور لوگوں کے مال کو بالکل بار نہ دیتے تھے اور یہ عذر پیش کر دیتے تھے کہ ان کی تجویزیں بعد از وقت وصول ہوئی تھیں ۔ اندریں حالات ہر اعتبار سے یہ کمپنی نہایت جابرانہ اور سخت گیر کمپنی تھی ۔ ان بد اعمالیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک قانون وضع کیا گیا جس کا نام قانون نمبر ۲۶ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸ ہے ۔ اس کی رو سے شمولیت کی فیس صرف بیس پونڈ قرار دے دی گئی اور عمر کا امتیاز اور دیگر امتیازات کو نظر انداز کر دیا گیا ۔ اب تجار اور غیر تجار اور ارکان و غیر ارکان کی کوئی قید نہ رہی اور ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو گئی کہ برطانیہ کی

---

۱ ایزادات و تصحیحات میں گراں کی جگہ وسیع ہے ۔

۲ ملاحظہ ہو ۔ تمہید قانون نمبر ۲۶ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۸ کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۷۵۳ء

هر بندرگاہ سے ترکی کی بندرگاہ کو وہ برطانوی مال بھیج سکے جس کی برآمد ممنوع نہ ہو اور ترکی سے تمام ترکی مال کی درآمد کر سکے بشرطیکہ اس ترکی مال کی درآمد ممنوع نہ ہو۔ لیکن یہ امر لازم قرار پایا کہ عام محصولات چنگی ادا کئے جائیں اور ان کے علاوہ خاص محصولات بھی ادا کئے جائیں جو کمپنی مذکور کے ضروری اخراجات کی ادائگی کے لئے مقرر کئے جائیں۔ اس کے ساتھ ھی یہ بھی قرار پایا کہ برطانوی سفیر کے جائز اختیارات کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور ان کونسلوں کے اختیارات کے سامنے گردن جھکائی جائے جو ترکی میں مقیم ھوں اور ان تمام کے علاوہ کمپنی کے ان ضمنی قانونوں کو بھی مانا جائے جو بطریق جائز وضع کئے گئے ھوں۔ یہ امر بھی حیز امکان میں تھا کہ ان ضمنی قوانین سے جبرو تشدد کا کام نہ لیا جائے۔ اس لئے از روئے قانون یہ قرار دیا گیا کہ اگر کمپنی مذکور کے کوئی سے سات ارکان اپنے آپ کو کمپنی مذکور کے کسی قانون سے زیاں رسیدہ خیال کریں جو اس ایکٹ کے نفاد کے بعد وضع کیا گیا ہو، وہ انجمن تجار اور نخلبندوں سے مرافعہ کر سکتے ھیں بشرطیکہ یہ مرافعہ اس ضمنی قانون کے نفاذ کے ایک سال کے اندر اندر دائر کیا جائے۔ (آج کل اس انجمن تجار اور نخلبندیوں کی جگہ پریوی کونسل یعنی مشیران شاھی کی ایک جماعت مقرر ھو گئی ھے) اور اگر کمپنی مذکور کے کوئی سے سات ارکان اپنے آپ کو کسی ایسے ممیز قانون کے باعث ضرررسیدہ سمجھتے ھوں جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے نفاذ پذیر ھو چکا ھو تو وہ بھی مرافعہ دائر کر سکتے ھیں بشرطیکہ وہ اس دن کے بعد ایک سال کے اندر اندر ھو جس دن یہ ضمنی قانون نفاذ پذیر ھونے والا ھو۔ بعض

خاص ضمنی قانون ایسے ہوتے ہیں جن میں مضر اور تباہ کن رجحانات
مضمر ہوتے ہیں جو ایک سال کے مختصر عرصے میں کسی بڑی
تجارتی کمپنی کے تمام ارکان پر پوری طرح منکشف نہیں ہو سکتے۔
ایک سال کا تجربہ اس قسم کے انکشافات کے لئے کسی طرح بھی
کافی متصور نہیں ہو سکتا اوراگر زمانۂ مابعد میں چند ارکان شرکت
پر یہ رحجانات منکشف بھی ہو جائیں تو ان سے کوئی نتیجہ مرتب
نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انجمن تجار اور مشیران شاہی داد رسی سے
عاجز اور چارہ سازی سے قاصر ہیں۔ اس کے علاوہ کمپنیوں کے
ضمنی قوانین کا منشا زیادہ تر یہ نہیں ہوتا کہ موجودہ ارکان
کے مفاد کو آزار پہنچایا جائے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ غیر ارکان
کو اس امر کی تحریص و ترغیب دلائی جائے کہ وہ رکن بننا
چاہیں۔ یہی کیفیت آئین پذیر کمپنیوں کی ہوتی ہے۔ اس اعتبار
سے عام کمپنیوں اور آئین پذیر کمپنیوں میں کچھ امتیاز نہیں
ہوتا۔ غیر ارکان کی ہمت شکنی کے لئے گونا گوں طریقے اختیار
کئے جاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک طریقہ فیس لگانے کا بھی ہے۔
ان شرکتوں کے پیش نظر جو بات ہر حال میں ہوتی ہے
وہ یہ ہے کہ شرح منافعہ اس قدر بلند کی جائے جس قدر بلند
کی جاسکتی ہے اور بازار میں مال کی اس قدر قلت ہو جس قدر
ان کے امکان میں ہے اس میں قلت برآمد اور درآمد دونوں شامل
ہیں اور یہ حالت صرف اس صورت میں ممکن ہوسکتی ہے کہ
مقابلے پر بندشیں عائد کردی جائیں یا نوواردوں کے حوصلے
اس حد تک پست کردئے جائیں کہ وہ میدان تجارت میں درآنے
سے لرز اٹھیں۔ اس کے علاوہ ترکی تجارت میں شامل ہونے کے
لئے بیس پونڈ کی رقم اس تاجر کے لئے حوصلہ شکن نہیں ہے

جو ترکی کے ساتھ تجارت کرنے اور ہمیشہ اس میں مشغول رہنے کا خواہاں ہو، ایسے تاجروں کے لئے ضرور ہمت شکن ہے جو تخمین کے دلدادہ ہوں اور صرف ایک بار قسمت آزمائی کرنی چاہتے ہوں۔ ہر کاروبار میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو باضابطہ قابو یافتہ گنے جاتے ہیں۔ ان کا فطری رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قیمتوں میں اضافہ کیا جائے۔ اس لئے یہ تاجر آپس میں ایک گونہ اتحاد قائم کرتے ہیں خواہ وہ اتحاد شخصیے کی حد تک پہنچے یا نہ پہنچے لیکن یہ شرح منافعہ ہمیشہ قائم نہیں رہتی بلکہ کبھی کبھی اپنی سطح سے فروتر بھی ہوجاتی ہے۔ ان کی فروتری کا راز اسی امر میں مضمر ہے کہ کبھی کبھی تخمین کار تاجر کسی تجارت میں در آتے اور قیمتیں گرادیتے ہیں۔ اب تک بھی اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ترکی تجارت آزاد اور بلا قید نہیں ہے بلکہ اس سے کوسوں دور ہے اگرچہ پارلیمنٹ کے اس قانون کی وجہ سے ایک خاص حد تک اسی کو آزادی نصیب ہوگئی ہے۔ ترکی کمپنی کے وسیلے سے ایک سفیر اور دو تین قونسلوں کے مصارف نکلتے ہیں۔ لازم تو یہ تھا کہ ان کے مصارف کا بار ریاست کے ذمے ہوتا۔ اس باب میں ان میں اور دیگر وزیروں میں کچھ امتیاز نہ ہوتا اور تجارت کو تمام رعایا کے لئے آزاد کردیا جاتا۔ اس مقصد کے اور دیگر مقاصد کے حصول کے لئے شرکت مذکور نے گونا گوں محصول لگائے ہیں۔ ان سے اس قدر مداخل و محاصل کا امکان ہے کہ ریاست ان سفیروں اور قونسلوں کے تمام اخراجات ان میں سے نکال سکتی ہے۔

آئین پذیر شرکتیں قلعہ قائم نہیں رکھ سکیں۔ اس باب میں یہ شرکتیں مشترک الاصل شرکتوں سے بھی پیچھے ہیں۔

''سر جوسائیہ چائلڈ'' کا بیان ہے کہ ان آئین پذیر کمپنیوں نے ان ملکوں میں کبھی ان قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کے مصارف برداشت نہیں کئے، جن میں وہ کاروبار کرتی تھیں اگرچہ یہ کمپنیاں سرکاری وزیروں کی اعانت و حمایت اکثر اوقات کرتی رہتی ہیں۔ اس کے برعکس مشترک الاصل کمپنیاں بسا اوقات یہ کام کرتی رہی ہیں[۱] اور امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی کوئی سی کمپنی بھی اس کام کی اہل نہیں ہے۔ مگر آئین پذیر کمپنیاں اس اہلیت و صلاحیت میں مشترک الاصل کمپنیوں سے بھی بہت پیچھے ہوتی ہیں۔ اول تو آئین پذیر کمپنیوں کے ہدایت کاروں کے مفاد تمام کمپنی کی عام تجارت کی فلاح و بہبود سے وابستہ نہیں ہوتے اور یہ قلعے اور کوٹ بندیاں اسی تجارت کی ترقی اور خوش حالی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ بسا اوقات تمام کمپنی کی عام تجارت کے زوال اور انحطاط ان ہدایت کار ارکان کی نجی تجارت کے فروغ کا باعث ہوتا ہے اس لئے کہ اس سے ان کے حریفوں اور مد مقابل تاجروں کی تعداد میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ اس سے یہ ہدایت کار ارکان اس قابل ہوجاتے ہیں کہ مال ارزاں تر قیمت سے خریدیں اور گراں تر قیمت سے بیچیں۔ مشترک الاصل کمپنی کے ہدایت کار ارکان کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ اس منافع میں شریک ہوتے ہیں جو سرمایہ مشترک پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ لوگ کسی قسم

---

[۱] ملاحظہ ہو بحث جدید تجارت باب سوم۔

کی نجی تجارت نہیں کرتے اس لئے ان کے مفاد اور عام کمپنی
کے مفاد مشترک ہوتے ہیں ۔ ان کے مفاد کمپنی کے مفاد سے
علیحدہ نہیں ہوتے ۔ ان کے نجی مفاد کا انحصار بھی تمام کمپنی
کی فلاح و بہبود پر ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مفاد
قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ وابستہ ہوتے
ہیں جو مشترک الاصل کمپنیوں کی تجارت کے تحفظ کے لئے عالم
وجود میں آتے ہیں ۔ ان کی حفاظت و نگہداشت کے لئے دائمی
احتیاط اور متواتر توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ احتیاط اور
توجہ مشترک الاصل کمپنیوں کے ہدایت کاروں کی طرف ظہور پذیر
ہوسکتی ہے ۔ آئین پذیر کمپنیوں کے ہدایت کار لوگوں سے اس کی
توقع نہیں ہوسکتی ۔ دوم مشترک الاصل کمپنیوں کے ہدایت کاروں
کی تحویل میں جو راس المال ہوتا ہے وہ ہمیشہ کثیر المقدار
ہوتا ہے یعنی ان کی کمپنی کا تمام مشترک سرمایہ ان
ہدایت کاروں کے انتظام و انصرام میں ہوتا ہے ۔ اس مشترک سرمائے
کے ایک حصے کو یہ ہدایت کار ارکان بسا اوقات اس قسم
کے ضروری قلعے بنانے اور ان میں فوج رکھنے کے امور پر صرف
کرتے ہیں ۔ اسی میں سے ان کی مرمت و درستی کرتے اور
اسی میں سے ان کے رکھ رکھاؤ کے مصارف برداشت کرتے
ہیں اور ایسا کرنا موزوں اور مناسب بھی ہے ۔ آئین پذیر
کمپنیوں کی حالت اس کے برعکس ہے ۔ ان کی تحویل میں کسی
قسم کا کوئی مشترک سرمایہ نہیں ہوتا اس لئے اس کے پاس
کوئی ایسا ذخیرہ نہیں ہوتا جس کو وہ ان امور پر صرف کرسکیں ۔
ان کی تحویل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ داخلے کی فیس ہے ۔
اس سے جو محاصل و مداخل حاصل ہوتے ہیں وہ دائمی نہیں

ہوتے بلکہ کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عارضی اور اتفاقی گنے جاتے ہیں یا یہ مداخل محصولات شخصیہ سے حاصل ہوتے ہیں جو اس کمپنی کی تجارت پر لگائے جاتے ہیں۔ اس کمپنی کے ہدایت کار ارکان کے مفاد تو ان قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ سے وابستہ ہوتے ہیں اور اسی طرح وابستہ ہوتے ہیں جس طرح مشترک الاصل کمپنیوں کے ہدایت کاروں کے ہوتے ہیں۔ مگر ان کو وہ وسائل نصیب نہیں ہوتے جو ان کو ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ لوگ توجہ کرنی بھی چاہتے ہیں تو ان کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ کسی سرکاری وزیر کی حمایت و اعانت پر کسی قسم کی توجہ مبذول کرنی نہیں پڑتی بلکہ ایک معتدل اور محدود خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام آئین پذیر کمپنوں کے ہدایت کار ارکان کے مزاج کے موافق ہوتا ہے اور اس کی انجام دہی ان کے حیز امکان میں بھی ہوتی ہے

لیکن افریقی کمپنی کے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا ہے۔

بہر کیف سر جو سائیہ چائلڈ کے عہد کے بہت عرصے بعد ۱۷۵۰ء میں ایک آئین پذیر کمپنی قائم کی گئی تھی۔ یہ وہی کمپنی ہے جو آجکل افریقہ کے ساتھ کارو بار کرنے کی مجاز ہے۔ ابتدا ابتدا میں ان تمام برطانوی قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کی ذمہ داری صاف اور صریح لفظوں میں ان شہروں پر عائد کی گئی تھی جو ”راس بلینک“ اور ”راس امید“ کے درمیان واقع ہیں۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری صرف ان قلعوں ان کوٹ بندیوں تک محدود کردی گئی تھی جو ”راس روژ“ اور ”راس امید“ کے

درمیان ہیں - یہ کمپنی قانون نمبر ۲۳ - مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۱ کی رو سے قائم کی گئی تھی - معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون دو نمایاں اور ممتاز اغراض کے حصول کے لئے وضع کئے گئے تھے - پہلی غرض تو یہ تھی کہ ان جابرانہ اجارہ دارانہ جذبات کا انسداد کیا جائے جو آئین پذیر شرکتوں کے ہدایت کاروں کے دلوں میں فطری طور پر پیدا ہوجاتے ہیں اور دوسری غرض یہ تھی کہ حتی الامکان ان ہدایت کاروں کو مجبور کیا جائے کہ قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کی طرف توجہ مبذول کریں اس لئے کہ یہ رکھ رکھاؤ ان کی فطرت کے موافق نہیں ہے - [1]

اس آئین کی رو سے کمپنی تو قائم ہوگئی مگر اجارہ دارانہ جذبات کا انسداد نہ ہوسکا -

پہلی غرض کے حصول کے لئے شمولیت کی فیس کو گھٹا کر چالیس شلنگ کردیا گیا اور کمپنیوں کے لئے یہ امر ممنوع قرار دے دیا گیا کہ وہ شخصیاتی حیثیت سے تجارت کرے یا مشترک سرمایہ سے کار و بار میں مصروف ہو سکے اسی طرح یہ بھی ممنوع قرار دے دیا گیا کہ مہر مشترک کی بنا پر رقوم قرض لے سکے اور جگہ جگہ آزاد تجارت کی اجازت دے دی گئی اور اس کمپنی کے ہدایت کاروں کو حکم دے دیا کہ کمپنی کی آزاد تجارت کی راہ میں رکاوٹیں پیش نہ کریں بلکہ برطانیہ کے ہر باشندے کو آزادی سے تجارت کرنے دیں بشرطیکہ وہ شمولیت کی فیس ادا کر دے

---

[1] ملاحظہ ہو دفتر پنجم کا پہلا باب -

اس کی حکومت ایک کمپنی کے ھاتھ میں ھے جس میں نو رکن ھیں ۔ اس کمپنی کا اجلاس لندن میں ھوتا ھے ۔ ان ارکان کا انتخاب ھر سال ھوتا ھے ۔ اس کمپنی کے جو ارکان لندن، برسٹل اور لیور پول میں رھتے ھیں وہ ان ارکان کا انتخاب کرتے ھیں اور ھر جگہ سے تین ممبروں کا انتخاب کیا جاتا ھے ۔ اس کمپنی کا کوئی رکن تین سال سے زیادہ عرصے تک اپنے عہدے پر متمکن نہیں رہ سکتا ۔ انجمن تجار و انجمن نخلبندان جس رکن کو چاھے رکنیت سے خارج کردے ۔ اب یہ ایک کونسل کے سپرد کر دیا گیا ھے ۔ اب یہ کونسل اس رکن کو علیحدہ کرنے سے پہلے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتی ھے ۔ اس کمپنی کو یہ اجازت نہیں ھے کہ حبشیوں کو افریقہ سے برآمد کرے یا برطانیہ میں کسی قسم کا افریقی مال درآمد کرے ۔ لیکن قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کی ذمہ داری ان کا فرض ھے اس لئے اس مقصد کے حصول کے لئے اس کو یہ اجازت ھے کہ مختلف قسم کا مال و سامان برطانیہ سے افریقہ بھیجے ۔ اس کمپنی کو اس آئین پذیر کمپنی کی طرف سے کچھ رقوم وصول ھوتی ھیں ۔ ان رقوم میں سے یہ کمپنی آٹھ سو پونڈ تک محرروں اور کارندوں کی تنخواھوں کے لئے رکھ سکتی ھے جو لندن برسٹل اور لیورپول میں رھتے ھیں ۔ اس میں سے یہ کمپنی لندن کے دفتر کا کرایہ ادا کرتی ھے اور اسی میں سے مصارف انتظام نکالتی ھے اور اسی میں سے دستوری اور آرھٹ کے اخراجات دیتی ھے ۔ آٹھ سو پونڈ سے زیادہ نہیں رکھ سکتی ۔ ان مصارف کی ادائگی

کے بعد جو کچھ باقی رهتا هے اس کو وہ آپس میں جس طرح چاهیں تقسیم کر سکتے هیں - یہ ان کی زحمتوں کا معاوضہ متصور هوتا هے - اس نظام اور اس دستور سے یہ توقع تھی کہ اجارہ دارانہ جذبات کا انسداد موثر اور کاریگر طریق پر هوجائے گا - ان دونوں میں پہلی غرض تو خاص طور پر حاصل هوجائے گی - لیکن معلوم هوتا هے کہ ایسا نہیں هوا اور یہ غرض بھی حاصل نہیں هوئی - قانون نمبر ۴۴ مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۰ کی رو سے قلعہ سینگال شرکت تجار کے حوالے کردیا گیا جو افریقہ میں کار و بار کرتی تھی اور اس قلعے کے تمام توابع بھی اس کے سپرد کردئے گئے تھے لیکن اگلے هی سال (قانون نمبر ۵ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴۴ کی رو سے قلعہ سینگال اور اس کے تمام توابع اس کمپنی کے احاطۂ اختیار سے مستثنیٰ کردئے گئے - اس کے علاوہ تمام ساحلی علاقہ بھی مستثنیٰ کردیا گیا - یہ علاقہ بندرگاہ سیلی واقع جنوبی باربری سے لیکر راس ژور تک پھیلا پڑا هے - یہ تمام علاقہ تاجدار برطانیہ کی تحویل میں دیا گیا اور اس امر کا اعلان کردیا گیا کہ اس کی تجارت آزاد هے - تاجدار برطانیہ کی رعیت کا هر شخص اس میں حصہ لے سکتا هے - کمپنی مذکور کی طرف سے یہ شک پیدا هوگیا تھا کہ تجارت میں بندشیں لگا رهی هے اور ایک گونہ ناجائز و نا مناسب اجارہ داری قائم کرنے کے در پے هے - لیکن یہ قیاس کرنا هی کچھ آسان کام نہیں هے کہ کمپنی قانون نمبر ۲۳ - مجریہ جارج دوم کی رو سے یہ کس طرح کر سکتی هے - دیوان عام کے

مباحثے مطبوعہ صورت میں موجود ھیں - ان سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کمپنی پر اس قسم کے الزام لگائے گئے ھیں - میں اس امر کو تسلیم کرتا ھوں کہ یہ مباحثے حق وصداقت کی بہترین یاد داشتیں نہیں ھیں - نورکنی کمیٹی کے تمام ارکان تاجر اور سوداگر تھے اور تمام قلعوں کے قلعہ دار اور گورنر اور تمام بستیوں کے عامل اور کارندے ان کے ماتحت اور تابع فرمان تھے اس لئے یہ امر خلاف قیاس نہیں ھے کہ ان گورنروں اور کارندوں نے اس نورکنی کمیٹی کے ارکان کے مراسلات و پروانہ جات کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول نہ کی ھوگی اور اجارہ داری کے قائم ھونے کا راز اسی میں مضمر ھے -

پارلیمنٹ نے کمپنی کے لئے تیرہ ہزار پونڈ سالانہ کی رقم منظور کی تھی کہ اس سے قلعے بنائے جائیں - اس رقم کا استعمال نا جائز طور پر کیا گیا -

ان میں سے دوسرا مقصد قلعوں اور کوٹ بندیوں کا رکھ رکھاؤ ھے - اس مقصد کے حصول کے لئے پارلیمنٹ نے اس کے واسطے سالانہ تیرہ ہزار پونڈ منظور کر رکھے ھیں - یہ کمیٹی اس امر پر مجبور ھے کہ اس رقم کا سالانہ حساب امر افسرخزانہ کی عدالت میں پیش کرے، جو وزیرخزانہ کی طرف سے معین ھوتا ھے اس کے بعد یہ حساب پارلیمنٹ کے رو برو پیش کیا جاتا ھے - یہ سب کچھ اس امر کے یقین کے لئے ھے کہ اس رقم کا استعمال نا جائز ھؤا ھے کہ نہیں - لیکن پارلیمنٹ تو کروڑوں کے مداخل و محاصل کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کر سکتی - یہ تو صرف تیرہ ہزار پونڈ سالانہ حقیر رقم ھے - اس کی طرف تو کیا توجہ کر سکتی ھے - اس کے علاوہ وزیر خزانہ

کی تعلیم و تربیت بھی ایسی نہیں ہوتی کہ وہ قلعوں
اور کوٹ بندیوں کے حساب کی پڑتال کر سکے اور اس کا
پیشہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں اس کام کی انجام دہی
کی پوری پوری صلاحیت پیدا کر دے۔ البتہ تاجدار برطانیہ
کی بحری فوج کے کپتان اس فرض کی ادائگی کی صلاحیت
رکھتے ہیں۔ اسی طرح کمیشن یافتہ افسر بھی رکھتے ہیں جو
انجمن بحری کی طرف سے متعین کئے جاتے ہیں۔ یہ افسر اس
بات کے اہل ہوتے ہیں کہ قلعوں اور کوٹ بندیوں کی تفتیش
کریں اور اپنے تاثرات قلم بند کریں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے
کہ یہ کمیٹی اس انجمن بحری کے اختیارات سماعت سے خارج
نہیں ہے۔ اسی طرح اس انجمن کو بھی یہ اختیارات نہیں کہ ان
لوگوں کے رویے کی اصلاح کر سکے جن کی تفتیش پر یہ متعین
ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تاجدار برطانیہ کے بحری کپتانوں کی
معلومات، فن تعمیرات و استحکامات کے باب میں کچھ زیادہ
گہری نہیں ہوتیں۔ جرم کی پاداش میں عہدہ داروں کو ان
کے عہدے سے علیحدہ کر دیا جاتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ
زیادہ سے زیادہ یہی سزا تھی جس کے مستوجب اس کمیٹی کے
ارکان ہو سکتے تھے اور یہ علیحدگی بھی صرف تین سال کے لئے
ہوتی تھی۔ اس میعاد کی جائز قانونی آمدنی بھی کچھ زیادہ نہ
ہوتی تھی۔ ان ارکان کو اس سے زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔
البتہ بلاواسطہ بد اعمالی اور غبن اس سے مستثنیٰ تھی خواہ یہ سرکاری
رقوم میں ہوں یا کسی کے مال میں کی جائیں۔ اس سزا کا
خوف کبھی اس امر کا محرک نہیں ہو سکتا تھا کہ ان عہدہ
داروں کو اس امر پر مجبور کرتا کہ وہ اپنے کاروبار میں

محتاط رهیں اور اس کی طرف پوری توجہ مبذول کریں ، کمپنی کے ارکان کی کاروبار سے اس کے سوا اور کوئی غرض وابستہ نہ هوتی تھی - اس کمیٹی کے ارکان پر یہ الزام عائد کیا گیا ھے کہ انھوں نے انگلستان سے اینٹیں اور پتھر ساحل گنی بھیجے ھیں تاکہ قلعہ کیپ کوسٹ (یعنی قلعہ راس) کی مرمت ھو سکے - یہ ایسا کام ھے جس کے لئے پارلیمنٹ نے بارھا غیر معمولی رقمیں مرحمت فرمائی ھیں - ایک طرف تو دور دراز کا فاصلہ اور دوسری طرف اینٹوں اور پتھروں کا نقص اور عیب - نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قلعہ منہدم ھو گیا جس کی مرمت میں یہ سامان صرف هؤا تھا اور دیواروں کو از سر نو بنیادوں سے اٹھانا پڑ گیا - کچھ قلعے اور کوٹ بندیاں راس روژ کے شمال میں واقع ھیں - ان کے رکھ رکھاؤ کے مصارف کا بار ریاست کے ذمے ھے - اس کے علاوہ ان کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری بھی براہ راست حکومت کی جماعت عاملہ کے شانوں پر ھے مگر ان کے انتظام و انصرام سے جماعت عاملہ سبک دوش ھے - ان کے محصول کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی - ابتدا ابتدا میں اس کی غرض و غایت بحیرہ روم کی تجارت کی حمایت و حفاظت تھی یا کم از کم ادعا کیا جاتا تھا کہ اس کی غرض و غایت جبل الطارق اور لیور کی کوٹ بندیوں کی حفاظت و نگرانی ھے حالانکہ ان کوٹ بندیوں کی نگرانی اور حکومت شرکت ترکیہ کی تحویل میں نہ تھی بلکہ حکومتوں کی جماعت عاملہ کے سپرد تھی اور ایسا ھی ھونا بھی چاھئے تھا - اس قوت کی اختیار واقتدار اور اس کے فخر و مباھات کا انحصار زیادہ تر اس کی وسعت و پہنائی پر تھا - حکومت کی جماعت عاملہ کی طرف سے

اس امر کا احتمال قرین قیاس نہیں ہے کہ وہ ان امور کی طرف سے بے توجہی کا ارتکاب کرے گی جو اس نو آبادی کے دفاع وتحفظ کے لئے ہے - یہی وجہ ہے کہ جبل الطارق اور لیور کی کوٹ بندیوں کی طرف سے کبھی غفلت و سہل انگاری کا ارتکاب نہیں کیا گیا - اگرچہ لیور کا دوبار محاصرہ ہو چکا ہے اور اب تو غالباً ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نکل گیا ہے لیکن اس ہزیمت کے باوجود بھی اس آفت کا اہتمام حکومت کی جماعت عاملہ پر نہیں ہے - یہ دونوں کوٹ بندیاں سلطنت ہسپانیہ سے چھینی گئی تھیں - ان کے رکھ رکھاؤ پر بہت خرچ ہوتا ہے - ابتدا ابتدا میں بیان کیا جاتا تھا کہ یہ اخراجات بحیرہ روم کی تجارت کی حمایت و حفاظت کے لئے ضروری اور لابدی ہیں - اس جگہ میرے کہنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ یہ خرچ ضروری تھا بلکہ میں تو یہ تعریفیں بھی نہیں کرنا چاہتا کہ وہ کس حیثیت سے لابدی تھا - فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ برطانیہ اور ہسپانیہ میں اتحاد و اتفاق ہوتا - جبل الطارق اور لیور کی اس علیحدگی کا یہ نتیجہ نکلا کہ دو فطری اتحادیوں میں ناموافقت ہو گئی - اصلی معنوں میں تو اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا - اس کی وجہ سے خاندان بوربوں کی دونوں شاخوں میں ایک گونہ رابطہ اتحاد قائم ہو گیا اور یہ اتحاد اس اتحاد و اتفاق سے بھی زیادہ مستقل اور استوار ثابت ہوا جتنا رشتہ قرابت سے ثابت ہوتا ہے -

مشترک الاصل شرکتوں اور نجی شراکتوں میں فرق ہوتا ہے -

مشترک الاصل شرکتوں اور آئین پذیر شرکتوں میں اکثر اعتبارات سے فرق ہوتا ہے - اسی طرح مشترک الاصل اور نجی شراکتوں میں فرق ہوتا ہے ، خواہ مشترک الاصل

شراکتیں منشور شاھی کے ذریعے وجود میں آئی ھوں یا از روئے قانون پارلیمان بنائی گئی ھوں۔

حصص کا انتقال فروخت کے ذریعہ ھوسکتا ھے۔

اول۔ کسی نجی شراکت میں کسی شریک کو یہ حق حاصل نہیں ھوتا کہ اپنا حصہ کسی اور شخص کے نام منتقل کردے یا شرکت میں کسی نئے رکن کو شریک کرے۔ اس لئے اس کو شرکت سے منظوری لینی پڑتی ھے۔ البتہ یہ ھوسکتا ھے کہ پہلے سے اطلاع دیکر ھرشریک شراکت سے علیحدہ ھوجائے اور باقی شرکا سے اپنے حصے کی رقم طلب کرے۔ مشترک الاصل شرکت کی حالت اس کے برعکس ھوتی ھے۔ اس کے کسی شریک کو یہ حق حاصل نہیں ھوتا کہ اپنے حصے کی رقم کا مطالبہ باقی ماندہ شرکا سے کرے بلکہ یہ ھو سکتا ھے کہ ھر شریک اپنا حصہ کسی اور کے نام منتقل کردے اور اس طریق سے اس کو شریک بنادے۔ اس کے لئے اس کو دیگر شرکا کی رضاجوئی کی حاجت نہیں ھوتی۔ مشترک الاصل شرکت میں ھرحصے کی مالیت ھمیشہ اس کی بازاری قیمت کے برابر ھوتی ھے اور یہ قیمت اس رقم سے کم بھی ھوسکتی ھے اور زیادہ بھی ھوسکتی ھے جو اس کے مالک کے نام اس شرکت کے سرمائے میں درج ھوتی ھے اور یہ کمی بیشی جو نسبت چاھتی ھے اختیار کرلیتی ھے۔

ذمہ داری یا رقم واجب الادا حصہ مقبوضہ تک محدود ھوتی ھے۔

دوم۔ نجی شراکت میں ھر ایک رکن ادائے قرضہ جات کے لئے پابند ھوتا ھے اور یہ ذمہ داری اتنی وسیع ھوتی ھے جتنی قرضہ لینے والے شریک کی دولت و ثروت ھوتی ھے۔ اس

کے برعکس مشترک الاصل شرکت میں ہر شریک کی ذمہ‌داری اس کے حصے تک محدود ہوتی ہے۔[1]

اس قسم کی شرکتوں کا انتظام ہدایت کاروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ ہدایت کار غافل اور فضول خرچ ہوتے ہیں۔

مشترک الاصل شرکت کی تجارت کا انتظام ہمیشہ ہدایت کاروں کی ایک جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بسا اوقات ہدایت کاروں کی یہ جماعت اکثر اعتبارات سے مالکوں کی ایک جماعت کے ماتحت ہوتی ہے لیکن مالکوں کی اس جماعت کے اکثر ارکان اس امر کے معترف ہوتے ہیں کہ ہم اکثر اوقات شرکت مذکور کے کاروبار کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور جب تک اس جماعت میں فرقہ پرستانہ جذبات غالب نہیں ہوتے اس وقت تک یہ لوگ اس کاروبار کی طرف توجہ مبذول کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرسکتے اور اس ششاہی یا سالانہ حصہ مقسوم پر قناعت کرتے ہیں جو ہدایت کار دینا پسند کرتے ہیں۔ چونکہ مالکوں کی جماعت کی تعداد غالب اس قسم کی زحمت سے پوری طرح پہلوتہی کرتی ہے اس لئے کہ ہر شریک کی ذمہ‌داری اس کے حصے تک محدود ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ مشترک الاصل شرکتوں میں اکثر لوگ تاجرانہ تخمین کاری پر آترآتے ہیں۔ یہی لوگ اگر کسی نجی شراکت کے ارکان ہوتے تو اپنی دولت و ثروت کو کسی طرح بھی جوکھوں میں ڈالنے کے روادار نہ ہوتے اس لئے اس قسم کی شرکتیں اپنے اندر اس قدر سرمایہ جذب

---

[1] مشترک‌الاصل شرکت سے مراد یہاں شخصیاتی یا منشوری شرکت ہے۔ اس کے بعد یہ اصلاح عام ہوگئی اور اس کا اطلاق اور اقسام شرکت پر بھی ہونے لگا۔

کرلیتی ھیں کہ نجی شراکتیں کسی طرح ان کے مقابلے کا ادعا نہیں کرسکتیں۔ جنوبی بحری کمپنی کا تجارتی سرمایہ ایک وقت میں تین کروڑ اڑتیس لاکھ پونڈ سے زیادہ تھا[1]۔ اس وقت بینک آف انگلینڈ کا منشوری راس المال ایک کروڑ اٹھتر لاکھ پونڈ ہے۔[2] اس طرح کی مشترک الاصل کمپنیوں کے ھدایت کار اور لوگوں کی دولت کے منتظم ھوتے ھیں۔ اپنی دولت کے مینیجر نہیں ھوتے اس لئے ان کی ذات سے یہ توقع نہیں ھوسکتی کہ یہ لوگ اوروں کی دولت کی نگرانی میں اسی حزم و احتیاط سے کام لیں گے جس حزم و احتیاط سے نجی شراکت کے حصہ دار خود اپنی دولت کے انتظام میں کام لیتے ھیں۔ ان لوگوں کی حیثیت وھی ھے جو کسی دولت مند آدمی کے کارندوں اور گماشتوں کی ھوتی ھے۔ یہ سمجھتے ھیں کہ چھوٹے چھوٹے کاموں کی طرف توجہ مبذول کرنی آقائے نامدار کی شان کے خلاف ھے اور نہایت آسانی سے اپنے آپ کو ان سے مستثنیٰ سمجھنے لگتے ھیں۔ نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ کمپنی کے معاملات کے انتظام و انصرام میں غفلت و سہل انگاری اور فضول خرچی کم و بیش ھمیشہ جاری رھتی ھے۔ یہی وجہ ھے کہ غیر ملکی تجارت کے سلسلے میں مشترک الاصل شرکتیں نجی شراکتوں کی تخمین کاری کا مقابلہ کسی طرح نہیں کرسکتیں اس لئے جب تک اس قسم کے کلی اور بلا شرکت غیرے حقوق حاصل نہیں ھوتے۔ وہ کبھی کامیاب اور فائز المرام نہیں ھو سکتیں

---

۱ ملا حظہ ھو۔ کتاب تجارت ۔ مصنفہ انڈرسن ۔ مطبوعہ ۱۷۲۳ -

۲ یہ راس المال ۱۷۴۶ء سے ۱۷۸۱ء تک اتنا ھی رھا ۔ لیکن اس کے بعد آٹھ فیصدی مطالبہ زر کی وجہ سے اس میں اضافہ کیا گیا تھا ۔ ملاحظہ ھو کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۷۴۶ء اور (بہ سلسلہ) ۱۷۸۱ء

اور بسا اوقات تو ان حقوق کے باوجود بھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ کلی اور لاشریک کے بغیر یہ مشترک الاصل شرکتیں تجارت میں بد عنوانیاں پیدا کر دیتی ھیں اور جب یہ کلی اور لاشریک حقوق حاصل ہوتے ھیں یہ شرکتیں بد عنوانیاں بھی پھیلاتی ھیں اور تجارت کو محدود بھی کر دیتی ھیں۔

بعض کو کلی اور لاشریک حقوق حاصل ہوتے ھیں اور بعض کو نہیں ہوتے۔

شاہی افریقی شرکت موجودہ افریقی شرکت کی پیش رو سے حقوق کلی حاصل تھے لیکن پارلیمینٹ کے کسی قانون سے ان کی توثیق نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے قانون اعلان حقوق کے نتیجے کے طور پر یہ تجارت تمام باشندگان برطانیہ کے لئے مفتوح ہو گئی[۱] جہاں تک قانون حقوق کا تعلق ھے ھڈسن بے کمپنی کی حیثیت وھی ھے جو شاہی افریقی کمپنی کی تھی۔[۲] اس کمپنی کے حقوق کلی کے منشور کی توثیق بھی کسی پارلیمانی قانون کے نفاد کے ذریعے نہیں ہوتی تھی جب تک جنوبی بحری کمپنی بہ حیثیت تجارتی کمپنی کے رھی اس کے حقوق کلی کی توثیق قانون پارلیمانی کے ذریعے کر دی جاتی تھی۔ اسی طرح موجودہ متحدہ شرکت تجارت کے حقوق کلی کی توثیق بھی بذریعہ قانون پارلیمان کر دی گئی ھے۔ یہ کمپنی شرق الہند میں تجارت کرتی ھے۔

شرکت افریقی کے حقوق کلی مسترد کردئے گئے اس لئے یہ شرکت ناکام ہوئی۔

شاہی افریقی کمپنی کو اس امر کا احساس بہت جلد ہو گیا کہ نجی شراکت کے نخمین کار ارکان سے مقابلہ محال ھے۔

---

۱ ملاحظہ ہو۔ کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۷۲ء و ۱۶۹۸ء

۲ ملاحظہ ہو۔ کتاب تجارت مصنفہ انڈرسن مطبوعہ ۱۶۷۰ء۔

ان تخمین کار ارکان کو یہ شاہی افریقی کمپنی غیر مجاز تاجر سمجھتی تھی اور ان پر مقدمات چلاتی تھی حالانکہ قانون اعلان حقوق کا نفاذ ہوچکا تھا - بہر کیف ۱۶۹۸ء میں ان نجی تخمین کار تاجروں پر دس فیصدی محصول لگا دیا گیا اور یہ محصول تجارت کی ان تمام شاخوں پر عائد کردیا گیا جو یہ کمپنی قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کے لئے کرتی تھی لیکن اس گرانقدر محصول کے باوجود بھی یہ کمپنی اپنے آپ کو اس مقابلے میں سنبھال نہ سکی - ۱ اس کا سرمایہ روز بروز گھٹتا چلا گیا - اور اس کے ساتھ ھی اس کے اعتبار میں بھی فرق آتا چلا گیا - ۱۷۱۲ء میں ان کے قرضہ جات یہاں تک بڑھ گئے کہ پارلیمنٹ کے ایک خاص قانون کے نفاذ کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرض خواہوں کے اور خود کمپنی مذکور کے مفاد کو محفوظ رکھا جائے اور از روئے قانون یہ قرار دیا گیا کہ قرض خواہوں کی دو تہائی تعداد دو تہائی مالیت کے متعلق اگر یہ تجویز منظور کر لے کہ کمپنی مذکور کو اس قدر مدت میں قرضہ ادا کرنا چاہئے یا کوئی اور معاهده کرے جو ان قرضہ جات کی بابت وہ کرنا مناسب سمجھے تو باقی ماندہ قرض خواہوں کو اس تجویز کی پابندی کرنی لازم ہوگی - ۲ ۱۷۳۰ء میں ان کے معاملات میں اس لئے ابتری پیدا ہوگئی تھی کہ یہ کمپنی اپنے قلعوں اور اپنی کوٹ بندیوں کا رکھ رکھاؤ کسی طرح نہ کرسکتی تھی حالانکہ اس ادارے کا

---

۱ ملاحظہ ہو - کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن - مطبوعہ ۱۶۹۸ء -

۲ قانون نمبر ۱۰ - محریہ ملکہ این - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۷ - ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن - مطبوعہ ۱۷۱۲ء -

مقصد و مدعا اس کے سوا اور کچھ نہ تھا اور ادعا بھی یہی کیا جاتا تھا ۔ اس سال سے لیکر اس کے اختتام کے سال تک پارلیمنٹ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس مقصد کے لئے دس ہزار پونڈ سالانہ عطا کئے جائیں ۔ ۱ ایک مدت سے یہ کمپنی غلاموں کو لیتی اور غرب الہند پہنچاتی رہی مگر اس کاروبار میں اس کو ہمیشہ نقصان ہوتا رہا ۔ بالآخر سالہا سال کے خسارے کے بعد ۱۷۳۲ء میں اس کے ارکان نے تہیہ کر لیا کہ اس کار و بار کو ترک کر دیا جائے اور ان حبشی غلاموں کو امریکہ کے نجی سوداگروں کے ہاتھ فروخت کردیا جائے جو انھوں نے ساحل افریقہ پر خریدے تھے اور اپنے ملازموں کو افریقہ کے اندرونی حصوں میں سونے کے چورے ۔ ہاتھی دانت اور ان جڑی بوٹیوں کی تجارت پر مامور کردیں جن سے رنگ بنتے ہیں لیکن یہ تجارت تو بالکل محدود تھی ۔ اس میں اس کو اس سے زیادہ کامیابی نہ نصیب ہوئی جس قدر اس کو سابقہ وسیع تر تجارت سے حاصل ہوئی تھی ۔ ۲ اس کا کار و بار روز مرہ زوال پذیر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ بالآخر ہر اعتبار سے اس کمپنی کا دیوالہ نکل گیا اور برطانی پارلیمنٹ نے ایک قانون کے نفاذ کے ذریعے اس کا خاتمہ کردیا اور اس کے قلعے اور اس کی کوٹ بندیاں اس آئین پذیر کمپنی کے سپرد کر دی گئیں جو آج کل افریقہ کے

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت ۔ مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۳۰ء یہ سالانہ امداد ۱۷۴۶ء تک جاری رہی ۔

۲ ملاحظہ ہو کتاب تجارت ۔ مصنفہ اینڈ رسن ۔ مطبوعہ ۱۷۳۳ء ۔

ساتھ کار و بار کرتی ہے[۱] شاہی افریقی کمپنی کے قائم ہونے سے پہلے تین اور مشترک الاصل شرکتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوچکی تھیں اور افریقہ میں کاروبار کرتی تھیں۔[۲] یہ سب کی سب اسی طرح ناکام و نامراد رہی تھیں ۔ ان سب کو منشورات کلی حاصل تھے اگرچہ پارلیمینٹ نے کسی قانون کے نفاذ سے ان کی توثیق نہیں کی تھی لیکن ان کو اصلی اور حقیقی معنوں میں حقوق کلی حاصل تھے کیونکہ اس دور میں ان کا یہی مفہوم سمجھا جاتا تھا ۔

ہڈسن بے کمپنی کچھ کچھ کامیاب تھی اس لئے کہ اس کو تجارت کلی کے حقوق حاصل تھے اور اس کے مالکوں کی تعداد بہت کم تھی ۔

ہڈسن بے کمپنی شاہی افریقی کمپنی سے بہت زیادہ کامیاب و فائزالمرام تھی لیکن گزشتہ جنگ میں اس کی بدبختی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے ۔ اس کمپنی کے اخراجات بہت کم تھے اور ان لوگوں کی تعداد ایک سو بیس نفوس سے زیادہ نہ تھی جو ان کی نوآبادیات اور بستیوں میں مقیم تھے ۔ اس کمپنی کے ارکان ان نوآبادیوں اور بستیوں کو قلعے کے نام سے تعبیر کرتے اور ان کی شان بڑھاتے تھے ۔[۳] یہی تعداد پوستینوں اور دیگر چیزوں کی

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۲۳ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۳۱ اور قانون نمبر ۲۵ مجریہ جارج دوم قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۴۰ اور کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۵۰ء - ۱۷۵۲ء اور دفتر پنجم کا پہلا باب ۔

۲ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۶۱۸ء اور ۱۶۳۱ء اور ۱۶۶۲ء۔

۳ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۴۳ء بحوالہ کپتان کرسٹوفر ڈلٹن ۔

قبل از وقت تیاری کے لئے کافی ہے جو جہازوں پر بار کی جاتی ہیں اس لئے کہ برف کی وجہ سے جہاز ان سمندروں میں ڈیڑھ دو مہینے سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے - اس کمپنی کو یہ بڑا فائدہ تھا کہ اس کے جہازوں کو سامان پہلے سے تیار مل جاتا تھا - نجی تاجروں کو یہ فائدہ حاصل نہ تھا اور سالہا سال تک حاصل نہیں ہوا - اس کے بغیر خلیج ہڈسن میں تجارت کا کوئی امکان نہ تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ اس ہڈسن کمپنی کا راس المال ایک لاکھ دس ہزار پونڈ سے زیادہ نہ تھا - ۱ یہ راس المال اگرچہ کچھ زیادہ نہ تھا مگر اسی سے یہ کمپنی اس قابل ہوگئی تھی کہ اس وسیع اور بدبخت ملک کی قریب قریب تمام تجارت پر قبضہ کر لے اور اس کی تمام زائد پیداوار کو خرید سکے جو اس کمپنی کے منشور کی حدود میں شامل تھا یہی باعث ہے کہ کوئی نجی تخمین کار تاجر اس امر کی جسارت نہ کرتا تھا کہ اس ملک میں جائے اور تجارت میں اس کمپنی سے مقابلہ کرے - امر واقعہ یہ ہے کہ اس کمپنی کو تجارت کلی کے تمام حقوق عملی طور پر حاصل تھے اگرچہ از روئے قانون اس کو یہ حقوق حاصل نہ تھے - اس تمام کے علاوہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کمپنی کا راس المال جو کچھ تھا وہ محض چند ہاتھوں میں منقسم تھا - اس لئے کہ اس کے مالکوں کی تعداد قلیل تھی - ۲ لیکن ایسی

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۶۰ء -

۲ صرف آٹھ نو تاجر ہیں کہ کمپنی مذکور کی نوے فیصدی تجارت پر کلی طور پر قابض ہیں - ملاحظہ ہو - کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۴۳ء بحوالہ آرتھر ڈابس - آرتھر ڈابس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا

مشترک الاصل کمپنی جس کے مالکوں کی تعداد مختصر اور جس کا راس المال قلیل ہو۔ بہت جلد نجی شراکت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اس لئے کہ اس کی طرف توجہ مبذول کی جاتی ہے اور اس کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح کی جا سکتی ہے۔ ہڈسن بے کمپنی کو یہ تمام فوائد حاصل تھے۔ یہی باعث ہے کہ گزشتہ جنگ سے پہلے یہ کمپنی اپنی تجارت میں کامیاب و با مراد تھی۔ اس میں کوئی امر حیرت خیز اور تعجب انگیز نہیں ہے لیکن یہ امر قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو اس قدر عظیم‌الشان منافعہ حاصل ہوا ہوگا جس قدر مسٹر ڈابس کا بیان ہے۲ مسٹر انڈرسن نہایت ثقہ و سنجیدہ، معتبر و معقول مصنف ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''تاریخی و قریناتی استنباط تجارت،، یہ مصنف اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ مسٹر ڈابس نے اس کمپنی کی درآمد اور برآمد کے متعلق متواتر کئی سال کا حساب پیش کیا ہے۔ جب اس حساب کی امعان نظر سے پڑتال کی جاتی ہے اور ان کے اخراجات اور غیر معمولی حضرات کی اعانت کر لی جاتی ہے تب بھی یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ اس کمپنی کا منافعہ اس قدر زیادہ تھا کہ اس کو رشک آلود نظروں سے دیکھا جائے یا یہ کسی حیثیت سے اس حد سے متجاوز ہے جس حد تک عام طور

نام ہے ''احوال ممالک ملحقہ خلیج ہڈسن،، مع خلاصہ رسالہ کپتان مڈلٹن یہ کتاب ۱۷۴۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۸۔

۲ اپنی کتاب محولہ بالا میں یہ صاف بیان کرتے ہیں کہ منافعہ دو ہزار فیصدی تھا مگر اس میں تو صرف اس فرق کی طرف اشارہ ہے جو قیمت خرید اور قیمت فروخت میں پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳ اور صفحہ ۵۸۔

پر تجارت سے منافع کی توقع ھوتی ھے۔۱

جنوبی بحری کمپنی ہر سال ایک جہاز ھسپانی غرب الہند کو بھیجتی تھی مگر اس سے بھی کچھ نفع نہ اٹھا سکی۔

جنوبی بحری کمپنی پر قلعوں اور کوٹ بندیوں کے رکھ رکھاؤ کا بار نہ تھا اور یہ ایک گونہ بڑا خرچ ھے جو مشترک الاصل کمپنیوں کے ذمے ھوتا ھے۔ جنوبی بحری کمپنی کی غیر ملکی تجارت اس خرچ سے مستثنیٰ تھی اس لئے اس کمپنی کا منافع عظیم الشان تھا لیکن اس کا مقسوم جس قدر زیادہ تھا اس کے حصے داروں کی تعداد بھی اتنی ھی زیادہ تھی اس لئے اس کمپنی کے معاملات کے انتظام و انصرام میں حماقت و نادانی اور غفلت و سہل انگاری اور فضول خرچی کا غلبہ تھا اور از روئے فطرت توقع بھی انھیں امور کی ھو سکتی تھی۔ اس حقیقت سے ھر شخص با خبر تھا کہ اس کے دلال اور کارندے بد نیت اور فضول خرچ ھیں۔ ان کے تمام منصوبے بے ایمانی پر مبنی ھوتے ھیں۔ اس مقام پر ان کی تشریح توضیح موضوع بحث سے خارج ھے اس لئے نظر انداز کی جاتی ھے۔ ان کی تاجرانہ کارروائیاں بھی کچھ بہتر نہ تھیں۔ ان کا سب سے پہلا کاروبار تو یہ تھا کہ ھسپانی غرب الہند میں حبشی غلام بھیجتے تھے۔ اس تجارت کے ان کو حقوق کلی حاصل تھے معاھدہ یوٹریکٹ کی رو سے ان کو اجارہ داری عطا کی گئی تھی، جس کا نام اجارہ ''اسینٹو'' ھے اس کی رو سے ان کو یہ حقوق کلی عطا

---

۱ ملاحظہ ھو۔ کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۴۳ء لیکن یہ پرتال اس قدر ھمہ گیری اور باریک بینی پر مبنی نہیں ھے جسقدر متن کے مطالعے سے تر شح ھے اسی طرح اظہار رائے بھی اس قدر دقیع ھے جس قدر متن سے واضح ھے۔

کئے گئے تھے - لیکن یہ توقع نہ تھی کہ اس تجارت سے بہت زیادہ منافع ہوگا اس لئے پرتگالی اور فرانسیسی کمپنیوں کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ سالانہ ایک جہاز ہسپانی غرب الہند کو بھیجیں اور اس ملک سے کاروبار کریں - ان دونوں کمپنیوں کو بھی اس سے پہلے حقوق کلی حاصل تھے مگر اس کے باوجود بھی یہ دونوں کمپنیاں تباہ و برباد ہو گئی تھیں - اس نقصان کی تلافی کے لئے ان کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ ہر سال ایک جہاز بھیجیں جس پر مال کی ایک خاص مقدار بار ہو کہ وہ اس ملک سے تجارت کریں۱ - اس جہاز کو اس امر کی اجازت تھی کہ دس سفر کرے - بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سفر سے اس کو یہ منافعہ ہوا تھا اور یہ سفر ۱۷۳۱ء میں رائل کیرو لائن پر کیا گیا تھا - اس کے علاوہ اور تمام سفروں میں اس کو کم و بیش خسارہ ہی رہا تھا - ان کے کارندوں کا بیان ہے کہ حکومت ہسپانیہ کا رویہ جابرانہ اور عامیانہ ہے اس لئے ان سفروں میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی - لیکن واقعہ یہ ہے کہ کارندے خود لٹیرے اور فضول خرچ تھے - اس خسارے کی وجہ یہی ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض نے تو صرف ایک سال ہی میں منوں دولت سمیٹ لی - ۱۷۳۴ء میں اس کمپنی کے ارکان نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمیں اجازت دے دی جائے کہ ہم اپنی تجارت اور اپنے سالانہ جہاز کے وزن محمولہ کو فروخت کریں اور جو کچھ منافعہ شاہ ہسپانیہ دے وہ قبول کریں - اس درخواست کی تہ میں یہ

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت - مصنفہ اینڈرسن - مطبوعہ ۱۷۶۳ء -

بات تھی کہ اس تجارت سے اس کمپنی کو کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا۔[1]

اپنی تجارت ماھی میں دو لاکھ سینتیس ہزار پونڈ ضائع کر دئے۔

۱۷۲۴ء میں اس کمپنی نے ویل مچھلی کی تجارت شروع کی۔ اس تجارت کی اجارہ داری اس کمپنی کو حاصل نہ تھی لیکن جب تک یہ کمپنی اس تجارت میں مشغول رھی کسی اور برطانی تاجر نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اس کمپنی کے جہازوں نے گرین لینڈ کے آٹھ سفر کئے اس میں سے ایک سفر میں اس کمپنی کو منافعہ رھا۔ باقی ماندہ سات سفروں میں اس کو نقصان اٹھانا پڑا۔ آٹھواں سفر اخیر سفر تھا۔ اس کے بعد اس کو اپنے جہاز، اپنے دخائر وظروف بیچنے پڑے اب اس کو معلوم ھوا کہ اس تجارت میں دو لاکھ سینتیس ہزار پونڈ کا خسارہ اٹھانا پڑا ھے۔ اس میں زر اصل اور سود دونوں شامل ھیں۔[2]

اور بالآخر اپنی تجارت کا خاتمہ کر دیا۔

اس کمپنی کے پاس راس‌المال تین کڑور اڑتیس لاکھ پونڈ تھا۔ یہ تمام رقم اس نے حکومت کو قرض دے رکھی تھی۔ اس کے ارکان نے پارلیمینٹ کے حضور میں درخواست دی کہ ھمیں اجازت دی جائے کہ ھم اس عظیم‌الشان راس‌المال کو آپس میں دو برابر حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اس میں سے نصف حصے کی وھی حیثیت ھو جو حکومت کے سالیانوں کی ھوتی ھے۔ اس پر ان رقوم کا کچھ اثر نہیں ھونا چاھئے

---

۱ ملاحظہ ھو۔ کتاب تجارت۔ مصنفہ اینڈرسن۔ مطبوعہ ۱۷۳۱ء۔ ۱۷۳۲ء اور ۱۷۳۴ء

۲ ملاحظہ ھو۔ کتاب تجارت۔ مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۲۴ء ۱۷۳۲ء۔ لیکن کامیابی کسی سفر میں بھی حاصل نہیں ھوئی۔ اس آٹھ سال کے عرصے میں جتنے سفر کئے گئے ان سب میں کمپنی کو نقصان رھا۔

جو ہدایت کاروں نے دوران کاروبار میں قرض لی ہیں۔ اسی طرح اس پر ان نقصانات کا بھی کچھ اثر ہونا نہ چاہئے جو انھوں نے اس تجارت میں اٹھائے ہیں۔ اس نصف حصے کی مالیت ایک کروڑ انہتر لاکھ پونڈ سے زیادہ ہے اور دوسرا حصہ حسب سابق تجارتی سرمائے کی حیثیت سے قائم رہنا چاہئے اس حصے پر قرضہ جات اور نقصانات دونوں کا اثر مرتب ہو سکتا ہے۔ یہ درخواست اس قدر معقول تھی کہ منظوری کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔[۱] انھوں نے ۱۷۳۳ء میں پھر پارلیمنٹ کے حضور میں درخواست کی کہ ہمارے تجارتی سرمائے کا تین چوتھائی حصہ سالیانہ سرمائے میں منتقل کر دیا جائے۔ تجارتی سرمائے کی حیثیت سے صرف ایک چوتھائی حصہ رہنے دیا جائے تاکہ ہدایت کاروں کی بد نظمیوں سے جو کچھ خطرات لاحق ہوں وہ اسی چوتھائی حصے کو لاحق ہوں۔[۲] اب اس وقت ان کا سالیانہ اور تجارتی سرمایہ گھٹتے گھٹتے دو دو ملین پونڈ رہ گیا تھا اس لئے کہ حکومت مختلف موقعوں پر کئی بار اپنا قرضہ ادا کر چکی تھی۔ لہذا اس چوتھائی حصے کی مالیت چھتیس لاکھ باسٹھ ہزار سات سو چوراسی پونڈ آٹھ شلنگ اور چھ پنس تھی۔[۳] شاہ ہسپانیہ کے ذمے اس کمپنی کے کچھ مطالبات تھے۔ ۱۷۴۸ء میں ایکس لاشیپل میں معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے اجارہ استبو وقوع میں آیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مطالبات

---

۱ از روئے قانون نمبر ۹۔ مجریہ جارج اول۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۶۔ ملاحظہ ہو کتاب تجارت۔ مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۲۳ء۔

۲ یہ از روئے قانون نمبر ۶۔ مجریہ جارج دوم۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۸ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مطبوعہ ۱۷۳۳ء۔

۳ کتاب تجارت مطبوعہ ۱۷۳۲ء اور ۱۷۳۳ء۔

ترک کر دئے گئے اس لئے کہ اجارہ اسینٹو ان مطالبات کا بدل تصور کیا گیا تھا - اس طرح ہسپانی غرب الہند کی تجارت کا خاتمہ ہو گیا اور تجارتی سرمائے کا باقی ماندہ حصہ سالیانہ سرمائے میں منتقل کر لیا گیا اور ہر اعتبار سے اس کمپنی کی تجارتی زندگی کا خاتمہ ہو گیا -۱

سالانہ جہازوں کی تجارت میں ان کو حریفوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا -

اس مقام پر یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ھے کہ جنوبی بحری کمپنی اپنے سالانہ جہازوں کے ذریعے ایک تجارت کرتی تھی اور یہی تجارت تھی جس سے نفع کی توقعات وابستہ تھیں مگر اس میں بھی اس کمپنی کو حریفوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور ملکی اور غیر ملکی کوئی تجارت ان سے خالی نہ تھی - کارتھیج ، پورٹ بیلو اور لاویرا کروز میں اس کمپنی کو ھسپانی سوداگروں کے مقابلے میں پیش آئے تھے - یہ ھسپانی سوداگر قادسیہ سے ان بازاروں میں وھی یورپی مال لاتے تھے جو اس کمپنی کے جہاز وھاں لے جاتے تھے - انگلستان میں اس کو انگلستانی سوداگروں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اس لئے کہ انگلستانی تاجر قادسیہ سے وھی انگلستانی مال لاتے تھے جو اس کمپنی کے جہاز لائے تھے لیکن شاید انگلستانی اور ھسپانی تاجروں کے مال پر اسی کمپنی کے مال کی نسبت محصول زیادہ ھوتا تھا لیکن اس کمپنی کے کارندوں کی غفلت ، بے پروائی اور فضول خرچی سے بہت نقصان ھوتا تھا اور یہ نقصان اس سے زیادہ آزار رساں تھا جتنا محصول ھو سکتا تھا - یہ بات تجربے اور مشاھدے کے خلاف معلوم ھوتی ھے کہ کوئی مشترک الاصل کمپنی تجارت کی کسی شاخ میں اس صورت میں

۱ کتاب تجارت مطبوعہ ۱۷۴۸ء اور ۱۷۵۰ء -

کامیابی حاصل کر سکتی ہے جب نجی تخمین کار تاجر ان کے مقابلے میں کاروبار کرتے ہیں خواہ مقابلہ کتنا ہی انصاف و دیانت داری پر مبنی کیوں نہ ہو۔

قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی حریفوں کے مقابلے میں قائم نہ رہ سکی۔

قدیم انگلستانی ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبیتھ کے منشور سے قائم ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پہلے بارہ سفروں میں اس کمپنی نے ہندوستان کے ساتھ آئین پذیر کی حیثیت سے کاروبار کیا تھا اور جدا گانہ سرمایہ لگایا تھا اگرچہ اس کاروبار میں کمپنی کے جہازوں سے کام لیا گیا تھا۔ ۱۶۱۲ء میں یہ تاجر متفق ہوگئے اور انہوں نے ایک مشترک الاصل کمپنی بنا لی۔ ۱ اس کمپنی کا منشور کلی اور بلا شرکت غیرے تھا مگر پارلیمینٹ نے اس کی توثیق نہیں کی تھی، لیکن اس دور کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہی تھا کہ اس کو کلی اور بلا شرکت غیرے حقوق حاصل ہیں۔ اس لئے کئی سال تک ان کے کاروبار میں اور لوگوں نے کچھ زیادہ دخل نہیں دیا اور ان کو زیادہ پریشان نہیں کیا۔ اس کمپنی کا راس المال صرف سات لاکھ چوالیس ہزار پونڈ تھا۔ ۲ کبھی اس سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے ہر حصے کی قیمت پچاس پونڈ تھی ۳۔ یہ قیمت کچھ

---

۱ اس وقت اس ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت میں کئی جداگانہ سرمائے لگائے جاتے تھے اور مختلف بحری سفر کئے جاتے تھے۔ لیکن اس سال (۱۶۱۲ء میں) یہ تمام سرمائے اکٹھے کرکے ایک مشترک الاصل کمپنی بنا لی گئی۔ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۶۱۲ء۔

۲ ملاحظہ ہو۔ کتاب تجارت مطبوعہ ۱۶۹۳ء۔

۳ ملاحظہ ہو۔ کتاب تجارت۔ مطبوعہ ۱۶۷۶ء۔

زیادہ گراں نہ تھی - ان کا کاروبار اتنا وسیع نہ تھا کہ اس میں
بہت زیادہ غفلت اور فضول خرچی کی گنجائش ہو سکتی یا اس کی
وجہ سے بد نظمیوں کی پردہ پوشی ہو سکتی لیکن اس کے باوجود
بھی غیر معمولی نقصانات ہوئے بغیر نہ رہ سکے - ان نقصانات کی
ایک وجہ تو یہ تھی کہ ھالستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس
سے پرخاش تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کچھ حادثات و واقعات
ایسے پیش آ گئے تھے کہ اس کے حیز اقتدار سے خارج تھے لیکن
غیر معمولی نقصانات کے باوجود بھی یہ کمپنی کئی سال تک نہایت
کامیابی سے کاروبار کرتی رہی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا
آزادی کا مفہوم زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا چلا گیا - اب روز
بروز یہ امر شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جانے لگا
کہ پارلیمینٹ کی تائید وتوثیق بغیر منشور شاہی سے کلی اور
لاشریک اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ہوجاتے
ہیں تو کس حد تک ہوجاتے ہیں ؟ اس مسئلے کے متعلق
عدالتیں مختلف الرائے تھیں - اس باب میں ان کے فیصلے یکساں
نہ تھے بلکہ ان میں بہت کچھ اختلاف تھا اور یہ اختلاف
حکومت کے اختیار اور وقت کے اقتضا کے موافق تھا - غیر
مجاز تاجروں کی مداخلت اور ان کی تعداد اور بھی بڑھ گئی
تھی یہاں تک کہ چارلس دوم کے عہد حکومت کے خاتمے
کے قریب اور جیمز دوم کے عہد حکومت کے تمام دوران
میں اور ولیم سوم کے عہد حکومت کے ایک حصے میں
غیر مجاز تاجروں کی تعداد عذاب الیم بن گئی تھی-[۱] ۱۶۹۸ء

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مطبوعہ ۱۶۸۱ء اور ۱۶۸۵ء-

میں برطانی پارلیمینٹ کے سامنے ایک تجویز پیش کی گئی کہ حکومت کو دوملین پونڈ آٹھ فیصدی شرح سود پر بطور قرض دئے جائیں اور چندہ دینے والوں کو ایک جدید ایسٹ انڈیا کمپنی بنانے کی اجازت دی جائے اور اس کو تجارت کے کلی اور بلاشرکت غیرے حقوق حاصل ہوں ۔ قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی نے سات لاکھ پونڈ چار فیصدی سود پر انھیں شرائط پر دینے کی تجویز پیش کی اور اس قدیم کمپنی کا تمام راس المال قریب یہی تھا لیکن اس دور میں اعتبار عامہ کا یہ عالم تھا کہ حکومت دو ملین پونڈ آٹھ فیصدی سود پر قرض لینا زیادہ آسان سمجھتی تھی ۔ سات لاکھ پونڈ چار فیصدی سود پر لینا آسان نہ سمجھتی تھی اس لئے نئے چندہ دینے والوں کی تجویز منظور کرلی گئی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک جدید الیسٹ انڈیا کمپنی قائم کردی گئی ۔

قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ جدید ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے لی ۔

لیکن قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ بھی ۱۷۰۱ء تک اپنا کار و بار جاری رکھے لیکن اس کمپنی نے یہ عیاری کی کہ اپنے خزانچی کے نام سے تین لاکھ پندرہ هزار پونڈ جدید کمپنی کے سرمائے کے چندے میں جمع کرا دئے ۔ پارلیمینٹ کے اس قانون کی عبارت میں غفلت و سہل انگاری کا ارتکاب کیا گیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت کے حقوق ان لوگوں کو دےدئے گئے جنھوں نے دو ملین پونڈ چندہ کرکے قرض دئے تھے ۔ اس وقت یہ کسی طرح واضع نہ تھا کہ یہ سب اس امر پر مجبور ہیں کہ متفق ہوں اور ایک مشترک‌الاصل

کمپنی بنائیں۔۱ محض چند تاجر تھے کہ علیحدہ تجارت کے حقوق کے طالب تھے اور اپنے سرمائے سے جدا گانہ کاروبار کرنے پر مصر اور ہر طرح کے خطرات کی ذمہ داری لینے پر آمادہ تھے۲ لیکن ان کا چندہ صرف سات ہزار دوسو پونڈ تھا۔ قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے سرمائے سے ۱۷۰۱ء تک جدا گانہ تجارت کرے ۔ اس طرح ۱۷۰۱ء سے پہلے اور پیچھے اس کو یہ حق حاصل تھا کہ تین لاکھ پندرہ ہزار پونڈ کے سرمائے سے علیحدہ تجارت کرے۔ یہ وہ رقم ہے جو اس کمپنی نے جدید کمپنی کے سرمائے میں شامل کردی ہے ۔ اس باب میں ان میں اور دیگر نجی تاجروں میں کچھ فرق نہ تھا ۔ ان دونوں میں بھی مقابلہ تھا اور ان دونوں کو نجی تاجروں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا تھا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان مقابلوں نے ان دونوں کو قریب قریب تباہ کردیا تھا ۔ اس کے بعد ۱۷۳۰ء میں پارلیمنٹ کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ اس کمپنی کی تجارت کو ایک آئیں پذیر کمپنی کی تحویل میں دے دیا جائے اور اس طرح اس کو ایک حد تک اور لوگوں کے لئے بھی مفتوح کردیا جائے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس تجویز کی مخالفت کی اور نہایت زور دار لفظوں میں بیان کیا کہ اس مقابلے نے ہمیں تباہ کردیا ہے اور یہ بتایا کہ اس مہلک اور تباہ کن مقابلے کے مضر اثرات اس وقت مرتب ہوئے تھے ۔ ان کا بیان ہے کہ اس مقابلے کی وجہ

---

۱ یہ تمام تاریخ کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن ۔ مطبوعہ ۱٦۹۸ء میں موجود ہے ۔

۲ کتاب تجارت ۔ مطبوعہ ۱۷۰۱ء

سے ہندوستان میں مال کی قیمت نہایت گراں ہوگئی ہے - اب یہ اس قابل نہیں رہا کہ اس کو خریدا جائے - دوسری طرف انگلستان میں اس مقابلے کے طفیل بازار میں مال کی کثرت ہوگئی ہے اور قیمتیں بالکل گر گئی ہیں - اب ان میں کسی طرح نفع کی گنجائش نہیں رہی - ۱ اس امر میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس کمپنی کی وجہ سے مال بہت فراہم ہوگیا ہے - اس سے پبلک کو فائدہ بھی ہوگیا ہے اور سہولت بھی بہم پہنچ گئی ہے اور ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں میں قیمتوں میں انحطاط پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ امر کسی طرح قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ اس مقابلے کی وجہ سے ہندوستان میں چیزوں کی قیمت میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے کہ یہ تو ممکن ہے کہ اس کے باعث ایک گونہ غیر معمولی مانگ پیدا ہوجائے لیکن ہندوستان کی عام تجارت کے مقابلے میں اس مانگ کی حیثیت وہی ہے جو بحر ذخار کے مقابلے میں ایک قطرے کی ہوتی ہے - ابتدا ابتدا میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مانگ کے بڑھ جانے سے قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے لیکن بالآخر یہ اضافہ کالعدم ہو کر پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور سامان پیدا کرنے والے لوگوں میں بھی مقابلہ ہونے لگتا ہے - یہ پیدا کرنے والے لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اپنا مال اوروں سے ارزاں‌تر فروخت کریں - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقسیم عمل نئی نئی صورتیں اختیار کر لیتی ہے اور صنعت و حرفت میں گونا گوں ترقیات رونما ہونے لگتی ہیں -

---

۱ کتاب تجارت مطبوعہ ۱۷۳۰ء -

ان سب کا انحصار مقابلے پر ہے۔ جب مقابلہ نہیں ہوتا تو یہ ترقیات خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں۔ ان مہلک اور تباہ کن اثرات کی کمپنی مذکور نے شکایت کی ہے وہ محض یہ تھی کہ صرف کردنی اشیا ارزاں ہو گئی تھیں اور لوگوں کو پیداوار کی طرف رغبت ہونے لگی تھی اور یہی وہ اثرات ہیں جن کو ترقی دینا معاشیات کا اہم مقصد ہے۔ اس کے علاوہ اس مقابلے کا بیان جو کچھ اس کمپنی نے کیا ہے وہ بھی شکوک و شبہات سے بالاتر نہیں ہے اور وہ بھی کچھ زیادہ عرصے تک جاری رہنے نہیں پایا تھا۔ ۱۷۰۲ء میں یہ دونوں کمپنیاں ایک سہ گانہ معاهدے کی رو سے ایک خاص حد تک متحد ہو گئی تھیں ان میں فریق ثالث[۱] ملکہ انگلستان تھی۔ اس کے بعد ۱۷۰۸ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون نافذ کیا اس کی رو سے یہ دونوں کمپنیاں مل کر صرف ایک کمپنی بن گئی اور اس کا نام شرکت متحدہ تجار برائے شرق الہند قرار پایا۔ اس وقت یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس قانون میں ایک ضمن بڑھائی جائے اور اس کی رو سے جداگانہ تاجروں کو اجازت دے دی جائے کہ وہ میکائیاس یعنی ۲۹ ستمبر ۱۷۱۱ء تک اپنی اپنی تجارت جاری رکھیں۔ اس کے ساتھ ھی اس کے هدایت کاروں کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ اپنے سات هزار دو سو پونڈ واپس لے لیں اور اس طرح کمپنی کے تمام سرمائے کو سرمایہ مشترک بنادیں مگر اس کے لئے تین سال کا نوٹس ضروری ہے۔ اس قانون کی رو سے اس کمپنی

---

۱ یہ اتحاد بذریعہ معاهدہ سہ گانہ ۲۲ جنوری ۱۷۰۲ء کو وقوع میں آیا تھا معاهدے کے فریق تھے دونوں مذکورۂ بالا کمپنیاں اور ملکہ انگلستان۔ ملاحظہ ہو کتاب تجارت۔ مصنفہ اینڈرسن۔ مطبوعہ ۱۷۰۲ء۔

کے سرمائے میں اضافہ ہو گیا اور تیس لاکھ سے بڑھ کر بتیس لاکھ پونڈ ہو گیا اور یہ حکومت کے نئے قرضے کا نتیجہ تھا۔[1] ۱۷۴۳ء میں اس کمپنی نے حکومت کو دس لاکھ پونڈ اور بطور قرض دئے لیکن اس دس لاکھ پونڈ کی رقم کے لئے مالکوں سے غیر ادا کردہ رقوم کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ سالیانے فروخت کئے گئے تھے اس لئے سرمائے میں کچھ اضافہ نہیں ہوا تھا اور مالکوں کو بھی استحقاق نہ تھا لیکن اس سے تجارتی سرمائے میں ضرور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لئے ان نقصانات میں شریک ہونے پر مجبور تھا جو کمپنی کو اٹھانے پڑے تھے اور ان قرضہ جات کی ادائگی کا پابند تھا جو کمپنی کی طرف سے تجارتی امور کے واسطے لئے جاتے تھے۔

جس نے حقوق خصوصی کی وجہ سے کامیاب طور پر تجارت کی ہے لیکن اسی کے ساتھ وسیع علاقے بھی فتح کئے تھے۔

اس اعتبار سے اس اور بتیس لاکھ پونڈ کے سرمائے میں کچھ فرق نہ تھا ۱۷۰۸ء میں اس کمپنی کو حریفوں اور مقابلہ کرنے والوں سے نجات مل گئی تھی یا کم از کم ۱۷۱۱ء میں شرق الہند کی انگریزی تجارت میں اس کی اجارہ داری پوری طرح قائم ہو گئی تھی اس لئے اب اس کو تجارت میں کامیابی نصیب ہونے لگی تھی اور مالکوں کو ہر سال معمولی مقسوم دینے لگی تھی ۱۷۴۱ء میں جنگ فرانس کا آغاز ہوا۔ اس وقت پانڈی چری کا گورنر پلے تھا۔ یہ شخص الوالعزم اور حریص تھا اس لئے فرانسیسیوں کو کرناٹک کی لڑائی میں شامل ہونا پڑا اور اسی لئے ہندوستان کے والیان ریاست کی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ ابتدا ابتدا میں فرانسیسیوں کو نمایاں کامیابیاں نصیب

---

۱ قانون نمبر ٦ مجریہ ملکہ این۔ قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۱۷۔ ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈ رسن۔ مطبوعہ ۱۷۰۸ء۔

ہوئی تھیں اور نقصانات بھی بہت اٹھانے پڑے تھے بالآخر ان کو مدراس سے دست کش ہونا پڑا تھا ۔ یہ اس زمانے میں فرانسیسیوں کی سب سے بڑی بستی تھی اس لئے ایکس لاشیپل کے مقام پر معاہدہ ہؤا اور مدراس فرانسیسیوں کو واپس دے دیا گیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کے دماغوں میں اس وقت جذبات جنگ پیدا ہوئے اور ان کے سروں میں ملک گیری کا سودا سمایا چنانچہ جذبات اب تک بدستور ہیں ۔ جنگ فرانس کے دوران میں جو ۱۷۵۵ء میں شروع ہوئی تھی ان ملازموں کو ہر جگہ فتح و نصرت نصیب ہوئی ۔ انھوں نے مدراس کو بچایا ۔ پانڈی چری پر قبضہ کیا ۔ کلکتے کو انگریزوں کے ھاتھوں سے چھڑایا اور اس قدر محاصل و مداخل حاصل کئے جس قدر ایک وسیع اور فراخ مملکت سے حاصل کر سکتے تھے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان محاصل و مداخل کی مقدار اس وقت بتیس لاکھ پونڈ سالانہ سے زیادہ تھی لیکن ۱۷٦۷ء میں مجلس انتظامیہ نے مطالبہ کیا کہ یہ مملکت تاجدار برطانیہ کا حق ہے اور اس سے جو مداخل و محاصل وصول ہوتے ہیں وہ بھی اس کا حصہ ہے اور اس مطالبے کے معاوضے میں کمپنی مذکور کو اس امر پر رضامند ہونا پڑا کہ حکومت کو چار لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرے ۔ اس سے پہلے اس کے مقسوم میں آہستہ آہستہ اضافہ رونما ہؤا ۔ یہاں تک کہ یہ اضافہ چھ فی صدی سے ترقی کرتے کرتے دس فی صدی تک جا پہنچا تھا ۔ یعنی ان کا راس المال بتیس لاکھ پونڈ تھا اس پر انھوں نے ایک لاکھ اٹھائیس ہزار پونڈ کا اضافہ کیا ۔ گویا مقسوم کو ایک لاکھ بانوے ہزار پونڈ سے تین لاکھ بیس ہزار پونڈ کر دیا ۔

اب یہ لوگ اس مقسوم میں اور بھی اضافہ کے کوشاں تھے اور چاہتے تھے کہ اس کو ساڑھے بارہ فیصدی تک پہنچا دیں - اس صورت میں مالکوں کو سالانہ مقسوم اس قدر حاصل ہو سکیں گے جس قدر انھوں نے حکومت کو دینے کا وعدہ کیا ہے - بالفاظ دیگر یہ رقم چار لاکھ سالانہ تک جا پہنچے گی - لیکن ان دو سال کے عرصے میں جس میں حکومت سے معاہدہ ہونے والا تھا ، پارلیمینٹ کی طرف سے یکے بعد دیگرے دو قانون نافذ کئے گئے - ان کی رو سے ان لوگوں کو مقسوم میں مزید اضافہ کرنے سے باز رکھا گیا تھا - ۱ ان کے نفاد سے مدعا یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے قرضہ جات کی ادائگی میں جلدی کریں اس لئے کہ اس وقت یہ قرضہ جات چھ سات ملین پونڈ طلائی سے زیادہ خیال کئے جاتے تھے - ۱۷۶۹ء میں ان لوگوں نے حکومت سے اور پانچ سال کے لئے از سر نو معاہدہ کیا - اس میں یہ قرار پایا کہ ان لوگوں کو مقسوم میں اضافے کی اجازت دیدی جائے اور اس کو بتدریج ساڑھے بارہ فیصدی تک بڑھا دیا جائے - لیکن یہ اضافہ کبھی ایک فیصدی سے زیادہ نہ ہونے پایا اس لئے مقسوم کا یہ اضافہ جب اتنی بلندی کی انتہا تک پہنچ جائے گا تو ان سالانہ رقوم میں اضافہ ہو جائے گا جو مالکوں اور سرکار کو دی جاتی ہیں اور یہ بقدر چھ لاکھ آٹھ ہزار پونڈ ہو گا اور یہ اس سے زیادہ ہے جو ان کے آخری علاقے کے الحاق سے پیشتر تھا - یہ امر اب سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان علاقوں سے کس قدر مداخل و محاصل خام کی توقع ہو سکتی ہے - ''کروٹین ڈین'' ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک

---

۱ قانون نمبر ۷ - مجریہ جارج سوم قانون موضوعہ - پارلیمان نمبر ۴۹ - قانون نمبر ۸ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ - پارلیمان نمبر ۱۱ -

کار کن تھا - اس شخص نے ۱۷٦۸ء میں حسابات قلمبند کئے تھے - ان حسابات کے معائنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص مداخل ومحاصل بیس لاکھ اڑتالیس ہزار سات سو سینتالیس پونڈ تھے - ان میں نہ کسی قسم کی منہائی کو دخل تھا نہ ان پر کسی قسم کے فوجی مصارف کا بار تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ اس دور میں ان کے قبضے میں ایک اور ذریعہ محاصل بھی تھا یعنی ان کے محاصل کا ایک حصہ تو اراضیات سے حاصل ہوتا تھا لیکن زیادہ حصہ چنگی کے محصول سے نکلتا تھا جو ان لوگوں نے اپنے ھاں کی مختلف نوآبادیات پر لگا رکھا تھا - ان محاصل کی مقدار چار لاکھ انتالیس ہزار پونڈ تھی - اس کمپنی کے صدر مجلس نے ایک بار دیوان عام کے سامنے بیان کیا تھا کہ اس کی تجارت کی سالانہ آمدنی چار لاکھ پونڈ ھے اور ان کے محاسب کے بیان سے پایا جاتا ھے کہ یہ محاصل پانچ لاکھ سے کم نہ تھے اور اقل حساب کی رو سے کم سے کم منافع اس زیادہ سے زیادہ مقسوم کے برابر تھا جو ملکوں کو دیا جاتا تھا - یہ محاصل فی الواقع گراں قدر تھے - ان سے یہ امر یقینی طور پر ممکن تھا کہ سالانہ رقوم کی ادائگی میں چھ لاکھ آٹھ ہزار کا اضافہ کر دیں اور اس کے علاوہ ایک ذخیرۂ ادائی بھی باقی رہ جائے جو ان کے قرضہ جات کی سریع تخفیف کے لئے کافی ھو لیکن ان کے قرضہ جات میں تخفیف نہ ھوئی بلکہ ۱۷۷۳ء میں اور زیادہ ھو گئے -

اور ان میں بد انتظامی کا ارتکاب کیا گیا -

خزانے کے ان کے ذمے چار لاکھ پونڈ واجب الادا تھے - اسی طرح چنگی خانوں کی بھی ایک رقم ان کے ذمہ واجب الادا تھی اس لئے کہ کچھ محصول ایسے تھے کہ انھوں نے ادا نہ کئے تھے - اس کے علاوہ رقوم کثیر

بینک کی تھیں جو ان لوگوں نے قرض لے رکھی تھیں اور کچھ ہنڈیاں تھیں کہ ھندوستان نے ان لوگوں کے نام لکھ رکھی تھیں اور انھوں نے یونہی بلا سوچے سمجھے قبول کر لی تھیں - ان کی رقوم کی مقدار بارہ لاکھ پونڈ سے زیادہ ھوتی ھے - ان مطالبات کا ان کے ذمے انبار لگ گیا اور ان کو اس قدر مصیبت میں پھنسا دیا کہ یہ لوگ اس بات پر مجبور ھو گئے کہ اپنے مقسوم کی مقدار کو یکا یک کم کردیں اور ان کو چھ فیصدی تک لے آئیں۔ اس کے علاوہ ان کو اس پر بھی مجبور کر دیا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حکومت کے رحم و کرم کے حوالے کر دیں اور اس سے بعجز درخواست کریں کہ چار لاکھ پونڈ سالانہ کی ادائگی سے آئندہ ان کو معذور رکھیں اور چودہ لاکھ پونڈ قرضہ دے تاکہ یہ لوگ دیوالے سے بچ جائیں ورنہ فوراً ان کا دیوالہ نکل جائے گا۔ ان کی دولت و ثروت میں بے قیاس ترقی ھو گئی تھی مگر معلوم ھوتا ھے کہ اس سے ان کے کارندوں اور گماشتوں کے لئے فضول خرچی اور بے دریغ بخششوں کا بہانہ نکل آیا تھا جو ان کی بد نظمیوں پر پردہ ڈالتا رھتا تھا۔ ان لوگوں کی دولت و ثروت میں اس نسبت سے اضافہ نہ ھوا تھا جس نسبت سے ان کے کارندوں اور گماشتوں کے اس طرز عمل کی تحقیق کے لئے جو انھوں نے ھندوستان میں اختیار کیا تھا - پارلیمینٹ نے تفتیش کا حکم صادر کر دیا تھا - اسی طرح اس صورت حالات کی تحقیق و تفتیش کا حکم بھی جاری کر دیا جو اس کمپنی کے معاملات نے ھندوستان اور یورپ میں اختیار کر رکھی تھی۔[1] اس

یہاں تک کہ پارلیمینٹ اس امر پر مجبور ھو گئی کہ ان میں تبدیلیاں کرے

---

۱ ۱۷۷۲ء اور ۱۷۷۳ء میں -

تفتیش کا یہ نتیجہ نکلا تھا کہ ان کے دستورالعمل میں چند اہم تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ ان تبدیلیوں کا اثر وطنی اور بیرونی دونوں قسم کے دستورالعمل پر مرتب ہوا تھا۔ ہندوستان میں ان کے خاص خاص مقام بمبئی کلکتہ اور مدراس تھے۔ اس سے پہلے یہ ایک دوسرے سے بالکل آزاد و بے نیاز تھے۔ اب یہ ایک گورنر جنرل کے ماتحت کر دئے گئے تھے۔ اس کی اعانت و امداد کے لئے چار اسیسروں کی ایک کونسل مقرر کی گئی۔ پارلیمینٹ نے اپنے لئے یہ قرض اپنے ذمے لے لیا کہ پہلے گورنر کو اور پہلی کونسل کو خود نامزد کرے اور یہ قرار دیا گیا کہ یہ گورنر اور اسیسر کلکتے میں قیام پذیر ہوں۔ اب کلکتے کو یہ شان نصیب ہو گئی جو پہلے مدراس کو حاصل تھی۔ یعنی ہندوستان میں انگریزوں کا اہم ترین مستقر قرار پا گیا۔ صدر بلدیہ کلکتہ کی عدالت ابتد ابتدا میں تجارتی مقامات کے انفصال کے لئے معرض وجود میں آئی تھی۔ اس عدالت میں ان مقدمات کی سماعت ہوتی تھی جو کلکتے میں اور اس کے گرد و نواح میں ہوتے تھے لیکن جوں جوں سلطنت برطانیہ کی حدود میں توسیع ہوتی گئی اس کے احاطہ اختیار میں بتدریج ترقی ہوتی چلی گئی۔ اب اس میں تخفیف کر دی گئی اور اس کو ان مقاصد تک محدود کر دیا گیا جس کے لئے ابتدا میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اب اس عدالت کی جگہ ایک عدالت عالیہ قائم کر دی گئی اور یہ قرار دیا گیا کہ اس میں ایک چیف جسٹس ہو اور اس کے ماتحت تین اور جج ہوں اور یہ چاروں تاجدار برطانیہ کی طرف سے مقرر کئے جائیں۔ یورپ میں ان مالکان حصص کو اپنی جماعتہائے عاملہ کے انتخابات میں رائے دینے کا حق حاصل

تھا جن کے پاس پانچ سو پونڈ کا حصہ ہوتا تھا اس لئے کہ ابتدا میں اس کمپنی کے ہر حصے کی قیمت یہی تھی - اب اس کو پانسو سے بڑھا کر ایک ہزار کر دیا گیا تھا یعنی اب وہ مالکان حصص کو رائے دینے کے مجاز تھے جن کے پاس ایک ہزار پونڈ کے حصے ہوتے تھے - اس حق رائے کے حصول کے لئے اب یہ قید بھی لگا دی گئی کہ اگر یہ حصہ اس نے بذات خود خریدا ہو اور موروثی نہ ہو تو یہ حصہ مالک کے حصے کے پاس کم از کم ایک سال سے ہو۔ اس سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ یہ حصہ مالک کے حصے کے پاس چھ مہینے سے ہو - اب سے پہلے ہر سال چوبیس ہدایت کاروں کی ایک جماعت منتخب ہوتی تھی - لیکن اب یہ قرار پایا کہ ہر ہدایت کار آیندہ چار سال کے لئے منتخب کیا جائے لیکن ان میں سے ہر سال چھ ہدایت کار باری باری علیحدہ ہو رہے ہیں اور آیندہ سال کے لئے جو نئے چھ ہدایت کار منتخب کئے جائیں یہ اس انتخاب میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑے نہ ہونے پائیں - [۱] ان تغیرات کی وجہ سے توقع ہوگئی تھی کہ مالکوں اور ہدایت کاروں کی عاملہ جماعتیں اب اس سے زیادہ شان اور استقلال سے انصرام امور کرسکیں گی جس قدر اب تک کوئی نہیں کرسکتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر محال ہے - کسی تغیر سے یہ جماعتیں انصرام امور کی اہل ثابت نہیں ہوسکتیں اور کسی اعتبار سے بھی ان میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی کہ یہ جماعتیں عظیم الشان سلطنت کی حکومت میں حصہ لے سکیں اس لئے کہ ان جماعتوں کے ارکان کی تعداد غالب کو اس سلطنت کی

---

۱ ملاحظہ ہو - قانون نمبر ۱۳ - مجریہ جارج سوم - قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۶۳ -

فلاح و بہبود سے چنداں سروکار نہ تھا ۔ ان کو صرف منافع و مفاد سے سروکار تھا اس لئے وہ ان امور کی طرف توجہ مبذول نہیں کرسکتے تھے، جن پر سلطنت کی فلاح و بہبود کا انحصار تھا ۔ بسا اوقات ذی استطاعت اور صاحب مقدور لوگ ہندوستان کے سرمائے میں ایک ہزار پونڈ کا حصہ خرید لیتے تھے ۔ کبھی کبھی کم حیثیت لوگ بھی یہ کام کر گزرتے تھے اور جماعت عاملہ کے انتخاب میں ایک گونہ رسوخ حاصل کرلیتے تھے اس لئے کہ ان کو یہ توقع ہوتی تھی کہ جب جماعت مالکان میں ہمیں ایک رائے حاصل ہوجائے گی تو ہمیں بہت کچھ رسوخ حاصل ہوجائے گا ۔ اس سے ایک حصے کے خریدار کو بھی مال غنیمت میں حصہ مل جاتا ہے ۔ اگرچہ یہ حصہ لوٹ میں تو نہیں ملتا تھا مگر ان لٹیروں کے تقرر میں ان کو بہت کچھ دخل نصیب ہوجاتا تھا جو ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ پر مامور کئے جاتے تھے ۔ اگرچہ لٹیروں کے تقرر کا حق ہدایت کاروں کی جماعتوں کو حاصل تھا مگر یہ جماعت کم و بیش خود بھی جماعت مالکان کے اثر میں تھی اور یہی جماعت مالکان تھی کہ ہدایت کاروں کی جماعت کو منتخب کرتی تھی اور کبھی کبھی ان ملازموں کے تقرر کی نفی بھی کردیتی تھی جو خدمت ہند پر مامور ہوتے تھے اور اس طرح ہدایت کاروں کے ساختہ پرداختہ کو کالعدم کر کے رکھ دیتی تھی ۔ اس قسم کے خریدار کو بسا اوقات مقسوم کی زیادہ پروا نہیں ہوتی تھی بلکہ اس امر کی پروا ہوتی تھی کہ اس کو یہ رسوخ حاصل ہوجائے اور یہ رسوخ چند سال تک قائم رہے تاکہ یہ حصہ‌دار اپنے دوستوں اور عزیزوں کے لئے ملازمتیں مہیا کرسکے یہاں تک

کہ کبھی کبھی تو اس کو اس سرمائے کی قدر و قیمت کی چنداں پروا نہیں ہوتی تھی جس پر اس کی رائے مبنی تھی۔ اس عظیم‌الشان سلطنت کی فلاح و بہبود کی تو اس حصہ دار کو سرمو پروا نہ ہوتی تھی حالانکہ اسی کی حکومت میں اس شخص کو اس رائے کی وجہ سے ایک گونہ دخل حاصل ہوجاتا تھا۔ تاجداران وقت میں کوئی تاجدار ایسا نہیں گزرا جو اپنی رعایا کی فلاح و بہبود بلکہ اس کی ہست و بود کی طرف سے اس قدر غفلت اور سہل انگاری کا مرتکب ہو جس قدر یہ حصہ‌دار تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ بہ اعتبار حالات ہو بھی نہیں سکتے تھے۔ نوآبادیات کی ترقی و تنزل سے اور ان کے انتظام و انصرام کے حسن و قبح سے ان کو کچھ سروکار بھی نہ تھا۔ اس کمپنی کے حصہ‌داروں کی تعداد غالب ان امور کی طرف سے بالکل غافل اور بے پروا تھی اور اس غفلت و بے پروائی کے راز کچھ ایسے اخلاق علل و اسباب میں مضمر تھے جو ہر اعتبار سے ناقابل مزاحمت گنے جاتے تھے۔ پارلیمنٹ نے ان کی بداعتدالیوں کی تحقیق و تفتیش کی تھی اور اسکی رو سے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کئے تھے مگر ان کی غفلت اور بے پروائی ایسی نہ تھی کہ ان سے کم ہوسکتی بلکہ وہ تو اور بھی زیادہ ہوگئی مثلاً دیوان عامہ میں ایک قرار داد منظور کی گئی اور اس کی رو سے یہ اعلان کیا گیا کہ جب وہ چودہ لاکھ پونڈ کی رقم ادا ہوجائے جو حکومت نے کمپنی مذکور کو قرض دے رکھی ہے اور اس کا تمسکی قرضہ پندرہ لاکھ پونڈ ہوجائے تو یہ لوگ اپنے راس المال پر آٹھ فیصدی کے حساب سے مقسوم تقسیم

لیکن ان کی ذات سے یہ توقع نہیں ہے کہ مفید اور کارآمد ثابت ہونگی۔

کرلیں ۔ اس سے پہلے نہ کرنے پائیں اور وطن میں ان کے مداخل و منافع میں سے جو کچھ بچ رہے وہ چار حصوں میں تقسیم ہوجائے۔ ان میں سے تین حصے استعمال عامہ کے لئے خزانہ عامرہ میں داخل کر دئے جائیں اور چوتھا حصہ ذخیرے کی حیثیت سے محفوظ رکھ لیا جائے اور اس ذخیرے سے یا تو آیندہ تمسکی قرضے کی تخفیف کا کام لیا جائے یا اس کو دیگر عارضی ضروریات پر صرف کیا جائے جو کمپنی مذکور کو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں[1] لیکن اگر اس کمپنی کی تاجرانہ اور شاہانہ حیثیات بدستور قائم رہیں تو اس امر کی توقع قطعاً محال ہے کہ اس کی حالت بہتر ہوسکے گی ۔ ایک وقت تھا کہ اس کے تمام خالص محاصل و منافع خود اس کے تحت و تصرف میں تھے۔ اس وقت بھی یہ لوگ اپنی حالت کی اصلاح نہ کر سکے تو اب کیونکر کرسکیں گے جب کہ ان منافع و محاصل کا تین چوتھائی حصہ اوروں کے قبضے میں چلا گیا ہے اور باقی ماندہ چوتھائی حصہ بھی اوروں کی نگرانی میں ہے اگرچہ لازم ہے کہ یہ حصہ خود کمپنی کے مصالح و مفاد کے امور میں صرف کیا جائے لیکن یہ بھی اوروں کی منظوری کے بغیر صرف نہیں کیا جاسکتا ۔

ان کا رحجان طبع فضول خرچی کی طرف ہے ۔

کمپنی مذکور کے لئے یہ بات زیادہ مرغوب طبع معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ملازم اور کارندے ان کو آٹھ فیصدی کے حساب سے مقسوم دے دیں۔ اس کے بعد جو ماحصل زائد باقی رہے اسے خوشی سے کھائیں اڑائیں یا ان کے مال میں سے جو چاہیں غبن کریں اور

---

۱ ملاحظہ ہو روزنامچہ دیوان عام - ۲۷ - اپریل ۱۷۷۳ء

اس سے خود فائدہ اٹھائیں - لیکن یہ بات اس کو پسند نہ تھی کہ سر حاصل ایسے لوگوں کی جماعت کے ہاتھ میں پہنچ جائے جو ان ارکان سے بر سر پرخاش ہیں- مالکوں کی جماعت پر ان کارندوں اور ملازموں کے مفاد کا یہاں تک غلبہ تھا کہ بعض اوقات یہ مالک ان غاصبوں اور غارتگروں کی تائید و حمایت پر آمادہ ہو جاتے تھے جو خود ان مالکوں کے اختیار و اقتدار کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرنے سے باز نہ رہتے تھے- ان مالکوں میں تعداد غالب ایسے لوگوں کی تھی کہ اس حمایت و تائید کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے جو خود جماعت مالکان کے اختیار واقتدار کے باعث حاصل ہوتی تھی اور اس کے مقابلے میں اس تائید و حمایت کو زیادہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی جو خود ان کے اختیار و اقتدار کو خاطر میں نہ لاتے تھے بلکہ ان کا مقابلہ کرتے تھے -

اب یہ کمپنی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ مصائب میں مبتلا ہے -

۱۷۷۳ء کے آئین و ضوابط سے اس کمپنی کی بدعنوانیوں کا انسداد نہ ہو سکا اور ہندوستان میں کمپنی کی حکومت میں تمام خرابیاں بدستور قائم ہیں لیکن اس کمپنی کے ارکان پر نیکوکاری اور خوش کرداری کا ایک فوری جذبہ طاری ہوگیا تھا اور اس کے ارکان نے کلکتے کے خزانے میں تین ملین پونڈ سے زیادہ جمع کر لئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے اپنی مملکت کی حدود میں توسیع کرلی تھی یا اپنی غارت گری ہندوستان کے نہایت زرخیز اور سیر حاصل علاقوں تک پھیلا دی تھی اور عمدہ عمدہ علاقے ملحق کر لئے تھے اور اس طرح جو کچھ حاصل کیا تھا سب کا سب تباہ و برباد کردیا تھا- جب حیدر علی نے اپنی

مہمات شروع کیں تو یہ لوگ اس کی مزاحمت نہ کر سکے بلکہ ان کے روکنے سے اپنے آپ کو معذور پایا اس لئے کہ یہ لوگ اس کے لئے تیار نہ تھے - ان بدنظمیوں اور بد عنوانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی مذکور اب ۱۷۸۴ء میں اس قدر ابتر حالت میں ہے کہ اب سے پہلے اس قدر ابتر حالت میں کبھی نہ تھی اور فوری دیوالے سے بچنے کے لئے حکومت سے پھر امداد کی استدعا کی ہے - پارلیمنٹ میں مختلف فرقوں کے نمائندے موجود ہیں - انھوں نے اس کے انتظام و انصرام میں اصلاح و درستی کے لئے مختلف تجویزیں پیش کیں - اس خیال میں یہ تمام تجویزیں متفق معلوم ہوتی ہیں کہ اس کمپنی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اپنے مقبوضات پر حکومت کر سکے - یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ ہمیشہ سے واضح اور روشن چلا آرہا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی مذکور کو بھی اس باب میں اپنی عدم صلاحیت کا یقین ہوگیا ہے - یہی وجہ ہے کہ اس امر پر رضامند ہے کہ ان مقبوضات کو حکومت برطانیہ کے حوالے کردے -

کمپنیوں کو صلح و جنگ کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں مگر وہ ان کا استعمال ناجائز کرتی ہیں -

کمپنیوں کو یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں کہ دور دراز ملکوں میں قلعے بنائیں اور کوٹ بندیاں قائم کریں اور اپنی تجارت کو وحشی اور بربری قوموں کی دستبرد سے بچائیں - اس کے ساتھ ہی انھیں یہ حق بھی حاصل ہوتا ہے کہ ان ملکوں کے ساتھ صلح رکھیں یا ان سے جنگ کریں - جن مشترک الاصل شرکتوں کو قلعے بنانے اور کوٹ بندیاں قائم کرنے کے حقوق حاصل تھے وہ صلح و جنگ کے حقوق بھی غصب کرلیتی تھیں اور اکثر اوقات تو وہ حکومت کو اس پر

راغب کرلیتی تھیں کہ یہ حقوق ان کو صریح طور پر عطا کردئے جائیں - زمانہ حال کے تجربے سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ ان حقوق سے ناجائز کام لیا گیا ہے اور ان کو نہایت ظالمانہ انداز سے برتا گیا ہے - بہرکیف اس باب میں میں نے بے حد تلون مزاجی اور دراز دستی کا ثبوت پیش کیا ہے -

کبھی کبھی یہ امر قرین عقل ہوتا ہے کہ کسی مشترک الاصل کمپنی کو کچھ عرصے کے لئے خاص طور پر اجارہ داری دے دی جائے لیکن دائمی اجارہ داری تو ایک گونہ لغو و لا یعنی محصول بن جاتی ہے -

کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ سوداگروں کی ایک کمپنی یہ بیڑا اٹھاتی ہے کہ کسی دور دراز ملک میں کسی وحشی قوم کے ساتھ رابطۂ تجارت قائم کرے، اس پر اپنا سرمایہ لگائےاور اس کی جوکھوں آپ برداشت کرے - اس حالت میں اس کمپنی کو شخصیاتی حقوق عطا کرنا نا معقولیت نہیں ہے- اسی طرح یہ امر بھی معقولیت سے بعید نہیں ہے کہ ابتدا ابتدا میں چند سال کے لئے اس کو اجارہ داری کے حقوق عطا کردئے جائیں تاکہ کمپنی کامیاب اور فائز المرام ہو جائے- ان تاجروں کو اس مہم پر مصارف کثیر کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس میں خطرات بھی ہوتے ہیں اس لئے اس کی تلافی خیال کی جاتی ہے اور اس تلافی کی آسان ترین اور قدرتی صورت یہی ہے کہ ان کو چند سال کے لئے اجارہ داری دے دی جائے اس لئے کہ آگے چل کر اس سے عامۃ الناس کو بھی فائدہ پہنچتا ہے- اسی طرح کسی نئی مشین کے موجد کو چند سال کے لئے اجارہ داری دے دی جاتی ہے اور کسی کتاب کے مصنف کے لئے حق تصنیف محفوظ کردیا جاتا ہے - ایک ہی اصول ہے کہ ان سب صورتوں میں عارضی اور چند روزہ اجارہ داری کے باب میں کار فرما ہے لیکن جب میعاد

مقررہ ختم ہوجائے تو اجارہ داری بھی ختم کردی جائے اور اگر قلعوں اور کوٹ بندیوں کی ضرورت کو محسوس کیا جائے تو حکومت کے حوالے کردئے جائیں اور کمپنی کو ان کا معاوضہ دے دیا جائے اور تجارت کو تمام ریاست کے تمام باشندوں کے لئے مفتوح کردیا جائے۔ جب اس قسم کی اجارہ‌داری کو دائمی بنا دیا جاتا ہے تو گویا تمام باشندوں پر ایک گونہ لغواورلایعنی محصول عائد کردیا جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اشیا کی قیمت بڑھ جاتی ہے اس لئے کہ تجارت کی آزادی کی حالت میں چیزیں سستی بکتی ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ باشندے تجارت کی ایک شاخ سے بالکل محروم ہوجاتے ہیں اور یہ شاخ ایسی ہوتی ہے کہ اکثر لوگ اس کو آسانی سے اختیار کرسکتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جس غرض کے حصول کے لئے اکثر الناس پر یہ محصول لگایا جاتا ہے وہ غرض بھی سراسر بے قدر اور بالکل بے کار ہوتی ہے۔ وہ غرض اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ کمپنی کے ملازموں اور کارندوں کی غفلت اور بے پروائی اور ان کی فضول خرچی اور بدنظمی کی تائید و حمایت کی جائے۔ ان لوگوں کی بداعمالیاں اس حد تک ترقی کر جاتی ہیں کہ مالکوں کا مقسوم بھی اس سے زیادہ نہیں ہونے پاتا جو آزاد تجارت میں معمولی شرح منافع سے حاصل ہوسکتا ہے بلکہ اکثر اور بیشتر حالات میں یہ مقسوم اس شرح منافعہ سے بھی بہت کم ہو جاتا ہے۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اجارہ‌داری کے حقوق نہیں ملتے تو کوئی مشترک الاصل کمپنی غیر ملکی تجارت کی کسی شاخ کو زمانۂ دراز تک قائم نہیں رکھ سکتی۔ ایک بازار سے مال خریدنا اور اس کو دوسرے بازار میں نفع سے

بیچنا اچھی خاصی معرکہ آرائی کا حکم رکھتا ہے جسکی کارروائیوں
میں متواتر اور پے در پے تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں - دونوں طرف
حریف ہوتے ہیں کہ مقابلے کے لئے تلے کھڑے رہتے ہیں - وقتاً
فوقتاً طلب اور مانگ میں جو تغیرات رونما ہوتے ہیں ان کو
نظر میں رکھنا پڑتا ہے اور ان سے بھی زیادہ ان تغیرات کو نظر
میں رکھنا پڑتا ہے جو مقابلے کی وجہ سے اکثر ظہور پذیر ہوتے
رہتے ہیں - اسی طرح اس رسد کے باب میں تغیرات رونما ہوتے
ہیں جو اس مانگ کے پورا کرنے میں وقوع میں آتے
ہیں اور مال کے میل اور اسکی مقدار میں حالات و واقعات کے
لحاظ سے ایک خاص تناسب ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور اس
تناسب کے قائم رکھنے کے لئے نہایت حزم و احتیاط اور عقل و
دانش سے کام لینا لازم ہوتا ہے - یہ اس قسم کی معرکہ آرائی
ہے کہ اس میں کامیابی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کی
طرف سے غیر منقسم توجہ مبذول نہیں کی جاتی اور اس باب میں
پوری پوری احتیاط اور ہوشیاری کی داد نہیں دی جاتی - یہ اوصاف
و صفات وہ ہیں کہ مشترک الاصل کمپنیوں کے ہدایت کاروں
میں نہیں پائے جاتے - ان کی طرف سے ان امور کی توقع رکھنا
محال کی تلاش کا مترادف ہے - ایسٹ انڈیا کمپنی کو پارلیمنٹ کی
طرف سے یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ذخائر کے انفکاک رہن پر
اور اپنے حقوق کلی کی میعاد کے خاتمے پر مشترک سرمائے سے اپنے
شخصیے کو قائم رکھے اور اپنی شخصیائی حیثیت سے شرق الہند
کے ساتھ تجارت کرتی رہے اور اس تجارت میں اپنے ساتھ اپنے
باقی ماندہ ہم وطنوں کو بھی شریک کرے لیکن گمان غالب یہ
ہے کہ اس تجارت سے یہ لوگ بہت جلد بیزار ہوجائیں گے اس لئے کہ

اس حالت میں ان کو نجی تخمین کار تاجروں اور سوداگروں سے مقابلہ کرنا پڑیگا اور یہ لوگ نہایت حزم و احتیاط اور توجہ اور ہوشیاری سے کام کرتے ہیں - ان سے مقابلہ محال ہے -

ایبے مورلے نے پچپن کمپنیوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے - ان سب کو غیر ملکی تجارت کے لئے کلی حقوق حاصل تھے لیکن یہ سب کی سب ناکام رہیں -

ایبے مورلے ایک مقتدر اور سر بر آوردہ فرانسیسی مصنف گزرا ہے - معاشیات میں اس کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع ہے - اس نے مشترک الاصل کمپنیوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جو غیر ملکی تجارت کے لئے قائم کی گئی تھیں - یورپ کے مختلف حصوں میں ان کی تعداد پچپن تھی جو ۱۶۰۰ء کے بعد بنائی گئی تھیں لیکن یہ سب کی سب بدنظمیوں کی شکار تھیں اس لئے سب کی سب ناکام اور نامراد رہیں حالانکہ ان کو کلی اور لاشریک حقوق حاصل تھے - ان میں سے دو تین کمپنیاں ایسی تھیں جن کے متعلق اس کی معلومات صحیح نہ تھیں - یہ مشترک الاصل نہ تھیں اور اسی وجہ سے ناکام نہ تھیں بلکہ ان کے بدلے میں کئی مشترک الاصل کمپنیاں تھیں جو نا کام تھیں مگر ان کو نظر انداز کرگیا ہے -

صرف چار تجارتیں ہیں کہ مشترک الاصل کمپنیاں حقوق کلی کے بغیر کر سکتی ہیں -

معلوم ہوتا ہے کہ صرف چند تجارتیں ہیں کہ مشترک الاصل کمپنیاں کرسکتی ہیں جن کے لئے ان کو حقوق کلی کی ضرورت نہیں ہوتی اور وہ کمپنیاں جن کی تمام کارروائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو ایک خاص ڈگر پر ڈالا جاتا ہے یا ان کے طریق عمل میں اس قدر یکسانیت پیدا کردی جاتی ہے کہ کسی قسم کے تنوع کی گنجائش نہیں رہتی

اور رهتی هے تو نہایت کم رهتی هے۔ اس قسم کی تجارت میں سب سے پہلی تجارت بینک کی تجارت هے۔ دوسری تجارت بیمه کی تجارت هے جو آگ سے بچنے اور سمندری خطرات سے محفوظ رهنے کے لئے کرایا جاتا هے یا دوران جنگ میں گرفتاری اور لوٹ کے خلاف عمل میں لایا جاتا هے۔ تیسری تجارت وہ هے جو ان نہروں کے بنانے اور قائم رکھنے سے تعلق رکھتی هے جن میں جهاز رانی هوسکتی هے اور چوتھی وہ تجارت هے جو کسی بڑے شہر میں پانی کی بهم رسانی کے لئے کی جاتی هے۔

بینک

بینک کی تجارت کے اصول بادی النظر میں کم و بیش مشکل معلوم هوتے هیں۔ عملی طور پر ان میں کوئی دشواری نہیں هے بلکه ان کے لئے طریقے معین کئے جاسکتے هیں یہاں تک که ان طریقوں سے انحراف کرنا اکثر اوقات نہایت خطرناک هوتا هے۔ کبھی کبھی حالات نہایت خوشگوار اور دل خوش کن هوتے هیں اور غیر معمولی منافع کی توقعات پیدا هو جاتی هیں۔ ایسے حالات میں بعض بعض کمپنیاں ان طریقوں کی خلاف ورزیوں پر آماده هوجاتی هیں۔

مگر یه انحراف اس کمپنی کے لئے مہلک اور تباہ کن ثابت هوتا هے، جو اس کا ارتکاب کرتی هے۔ مگر مشترک الاصل کمپنیوں کا دستور العمل ایسا هوتا هے که ان کو مقرره طریقوں کی پابندی پر مجبور کرتا هے۔ کسی نجی کمپنی کا دستور العمل ان کو ان کی پابندی پر اتنا زیاده مجبور نہیں کرسکتا۔ لہذا معلوم هوتا هے که یه کمپنیاں اس قسم کی تجارت کے لئے نہایت موزوں اور مناسب هیں۔ اسی اصول کے مطابق یورپ کی تمام بڑی بڑی کمپنیاں مشترک الاصل کمپنیاں هیں۔ ان میں سے اکثر کمپنیاں اپنے معاملات

کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں حالانکہ ان کو کسی قسم کے کلی حقوق نہیں ہیں۔ بنک آف انگلینڈ کو کوئی کلی حق حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ انگلستان میں کمپنی کے ارکان کی تعداد چھ سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔[۱] ایڈنبرا کے دو بنک مشترک الاصل کمپنیوں کے ہیں ان کو کوئی بھی کسی قسم کا کلی حق حاصل نہیں ہے۔

بیمہ۔

مال کو کبھی آگ لگ جاتی ہے، کبھی سمندر میں اسے کسی قسم کا نقصان پہنچ جاتا ہے، کبھی ڈاکو لوٹ لیتے ہیں اور یہ تمام شکلیں جوکھوں کی ہیں۔ لیکن ان کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا دشوار ہے۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے اور اس اندازے کی رو سے ان کے لئے کچھ نہ کچھ قاعدے اور طریقے معین کئے جاسکتے ہیں۔ لہذا بیمہ کمپنیوں کی تجارت بھی ایسی تجارت نہیں ہے کہ مشترک الاصل سرمائے سے چل سکتی ہے۔ اس میں کامیابی کے لئے کسی قسم کے کلی حقوق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس قسم کے کلی حقوق نہ تو لندن انشورنس کمپنی کو حاصل ہیں نہ رائل ایکسچینج انشورنس کو نصیب ہیں۔[۲]

نہروں کی ساخت تعمیر اور ان کا انتظام۔

قابل جہاز رانی نہروں کا جاری کرنا تو دشوار ہے، مگر جب ایک بار کوئی نہر جاری ہوجاتی ہے تو اس کا انتظام سہل اور آسان ہوتا ہے۔ اس کے لئے پختہ اصول و قواعد اور باضابطہ طریقے مقرر کئے

---

۱ ملاحظہ ہو قانون نمبر ۶ مجریہ ملکہ این، قانون موضوعہ پارلیمان نمبر ۲۲۔
۲ یا کم از کم نجی اشخاص کے مقابلے میں نہیں ہیں ملاحظہ ہو کتاب تجارت مصنفہ اینڈرسن مطبوعہ ۱۷۲۰ء۔

جاسکتے ہیں یہ انتظام یہاں تک آسان ہے کہ مہم کاروں سے یہ معاہدہ ہوسکتا ہے کہ محاصل اس قدر لیا جائے گا اور فی بند اس قدر وصول کیا جائے گا - یہی اصول آب ریزوں اور پانی کے بڑے بڑے نلوں پر بھی چسپاں ہوسکتا ہے، جو بڑے بڑے شہروں میں آب رسانی کی غرض سے لگائے جاتے ہیں - اس قبیل کے امور کو مشترک الاصل کمپنیاں نہایت کامیابی سے انجام دے سکتی ہیں - ان کے لئے کلی حقوق کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس قسم کے امور کو اکثر انجام دیتی بھی رہی ہیں -

مشترک الاصل کمپنیاں نہایت اہم اور مہتم بالشان امور کی انجام دہی کے لئے قائم ہونی چاہئیں جن کے لئے بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے باقی ماندہ امور کے لئے نجی شراکتیں کافی ہیں -

یہ امر یقیناً قرین عقل و انصاف نہیں ہے کہ معمولی اور غیر اہم امور کے انصرام کے لئے مشترک الاصل کمپنیاں قائم کردی جائیں اور محض اس لئے قائم کردی جائیں کہ یہ کمپنیاں ان امور کے انتظام و انصرام میں کامیاب اور فائز المرام ہوسکتی ہیں - اسی طرح یہ امر عقل و انصاف سے بعید ہے کہ معزز بزرگوں کی ایک جماعت کو ان آئین و قوانین سے مستثنیٰ کردیا جائے، جو کہ گردو نواح کے تمام لوگوں کے لئے قابل پابندی ہے اور وہ بھی محض اس لئے کہ ان سوداگروں میں یہ صلاحیت ہے کہ اگر ان کو ان آئین و قوانین سے مستثنیٰ کردیا جائے تو یہ سر سبز ہوں گے - اس قسم کے اداروں کو قرین عقل و انصاف قرار دینے کے لئے لازم ہے کہ حالات گردو پیش میں ان کے آئین و قوانین مرتب کئے جائیں - اس کے علاوہ دو اور امور ہیں جن کو پیش نظر رکھا گیا ہے اول تو یہ کہ نہایت واضح شہادت سے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مہم زیر غور نہایت

اهم اور مہتم باالشان ہے - اور اس سے مفاد عامہ وابستہ ہے - یہاں تک کہ عام تاجر اور سوداگر اس کی انجام دہی سے عاجز ہیں اور اس کے لئے اس سے زیادہ سرمائے کی ضرورت درپیش ہے جس قدر کہ نجی شراکتیں آسانی سے فراہم کرسکتی ہیں اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اس کے معمولی سرمائے سے کام چل سکتا ہے تو مشترک الاصل کمپنی بنانے سے پرہیز کیا جائے- یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اس میں منافع کثیر ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس مانگ کو نجی کمپنی اور تاجر آسانی سے پورا کر سکیں گے، جس کے پورا کرنے کے لئے مشترک الاصل بنائی جاتی ہے - مندرجہ بالا چاروں تجارتوں میں یہ چاروں حالتیں بدرجہ اتم موجود ہیں -

بنک ان شرائط کو پورا کرتا ہے -

اسی تصنیف کے دفتر دوم میں اس امر کی مفصل و مبسوط تشریح ہدیہ ناظرین کی جا چکی ہے کہ بنک اُن شرائط کو بوجہ اتم پورا کرتا ہے بشرطیکہ اس کے انتظام و انصرام میں حزم و احتیاط سے کام لیا جائے- یعنی بنک کی تجارت وسیع اور عظیم الشان تجارت ہے اور اس سے مفاد عامہ وابستہ و مربوط ہے[۱] لیکن بنک قائم کرنے کے لئے اس قدر زیادہ سرمائے کی ضروت لاحق ہوتی ہے کہ نجی شراکتیں اس قدر سرمایہ آسانی سے فراہم نہیں کر سکتیں اس لئے کہ یہ بنک کی ذمہ داری ہے کہ اعتبار عامہ کو قائم رکھے اور حسب ضرورت حکومت کو سال بھر کا اور کبھی کبھی دو سال کا تمام ٹیکس پیشگی ادا کرے اور اس پیشگی کی مقدار

---

۱ ملاحظہ ہو دفتر دوم کا دوسرا باب

کئی کئی ملین پونڈ تک ہوتی ہے -

بیمہ (۲)

بیمے کی تجارت سے نجی اشخاص و افراد کی دولت و ثروت کو امن و عافیت نصیب ہوتی ہے اور اس تجارت کی وجہ سے وہ نقصان لوگوں کی جماعت کثیر میں تقسیم ہوجاتا ہے جو ایک فرد واحد کی تباہی و بربادی کے لئے کافی ہوتا ہے اس لئے تمام معاشرۂ انسانی کا بار ہلکا اور آسان ہو جاتا ہے - البتہ اس امن و عافیت کے حصول کے لئے لازم ہے کہ بیمہ کرنے والوں کے پاس راس المال کی مقدار بہت زیادہ ہو - بیان کیا جاتا ہے کہ لندن میں دو مشترک الاصل بیمہ کمپنیوں کے قیام سے پہلے اترنی جنرل یعنی مختار عام کے سامنے نجی بیمہ کاروں کی ایک فہرست پیش کی گئی تھی اس میں ڈیڑھ سو آدمی تھے - یہ سب بیمہ کار چند سال کے عرصے میں ناکام ہو کر رہ گئے -

نہریں اور محکمہ آب رسانی (۳)

قابل جہاز رانی نہریں بھی ذریعۂ منافعہ اور باعث مفاد عامہ ہیں اسی طرح وہ ذرائع آب رسانی بھی مفید و سود مند ہوتے ہیں - جن سے کبھی کبھی بڑے بڑے شہروں کے لئے آب رسانی کی جاتی ہے مگر یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ان کی تیاری کے لئے اس قدر عظیم الشان مصارف کی ضرورت ہوتی ہے کہ نجی دولت و ثروت ان سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی -

اور کوئی تجارت ان شرائط کو پورا نہیں کرتی -

مندرجۂ بالا چار کاروبار ہیں کہ ان شرائط کو پورا کرتے ہیں - ان کے علاوہ اور کوئی تجارت ایسی نہیں ہے کہ اس معیار پر پوری اترسکے یعنی تین صورتیں ہیں کہ مشترک الاصل کمپنیوں کے قیام کو معقول ہی قرار دیتی ہیں - مجھے ایسی کوئی تجارت یاد نہیں جس میں یہ

تینوں صورتیں پائی جاتی ہوں - لندن میں ایک انگریزی تانبا کمپنی ہے - اسی طرح ایک سیسا پگھلانے کی اور ایک شیشہ چننے کی کمپنی ہے - یہ کمپنیاں اس امر کی دعویدار بھی نہیں ہیں کہ ہمارے اغراض و مقاصد میں کوئی اہم اور مہتم بالشان فائدہ شامل ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے غیر معمولی مصارف کی ضرورت ہے کہ نجی تاجروں اور سوداگروں کی استطاعت سے بالا تر ہو - مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ان میں کمپنی کی تجارت کے لئے خاص خاص آئین و قوانین مرتب ہوسکتے ہیں کہ نہیں جن کی رو سے یہ کمپنیاں مشترک الاصل کمپنیوں کے انتظام و انصرام کے لئے موزوں اور مناسب قرار دی جاسکیں یا یہ کمپنیاں اس بات کی مدعی ہیں کہ ان کی تجارت میں غیر معمولی منافع و مفاد کی گنجائش ہے - معدن کاروں کی کمپنی تھی کہ کان کنی کا کاروبار کرتی تھی مگر مدت ہوئی کہ اس کا دیوالہ نکل گیا ہے۔[۱] ایڈنبرا میں ایک برطانی کتانی کمپنی تھی - اس کے سرمائے کے ایک حصے کی قیمت آج کل حد مساوات سے بہت فروتر ہے اور اب بھی اتنی فروتر نہیں ہے جتنی اب سے پہلے ہوچکی ہے- مشترک الاصل کمپنیاں خاص خاص مصنوعات کو فروغ دینے کے لئے بنائی جاتی ہیں جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتی ہیں - اگر یہ کمپنیاں اپنے انتظام و انصرام میں بدنظمیوں اور بدعملیوں کا ارتکاب کرتی ہیں تو معاشرے کے عام سرمائے میں کمی کردیتی ہیں اور دیگر اعتبارات سے نفع کی جگہ نقصان کا باعث ثابت ہوتی ہیں - یہ

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب تجارت - مصنفہ اینڈرسن - مطبوعہ ۱۶۹۰ء - ۱۷۰۳ء ۱۷۱۰ء - ۱۷۱۱ء

امر لابدی ہے اس کے سواچارہ کار نہیں ہے خواہ اس قسم کی کمپنیوں کے ہدایت کاروں کے عزائم بے لوث خلوص پر مبنی کیوں نہ ہوں مگر یہ لوگ ناجائز جانب داری سے بالا تر نہیں ہوسکتے۔ یہ لوگ اس امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ صنعت و حرفت کی خاص خاص شاخوں کی طرف زیادہ توجہ مبذول کریں اس لئے کہ ان شاخوں کے کارکن اور سہم کار لوگ ان ہدایت کاروں کو مغالطہ دیتے اور ان کو بہکا لیتے ہیں اور یہ مغالطہ اور شاخوں کی ہمت شکنی کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ قدرتی تناسب کم و بیش باطل ہوجاتا ہے جو اس مغالطے کی عدم موجودگی کی صورت میں معقول صنعت و حرفت اور منافعے میں قائم ہوتا ہے اور یہی تناسب ہے کہ ہر ملک کی صنعت و حرفت کے لئے سب سے زیادہ حوصلہ افزائی کا موجب ہوتا ہے اور اس حیثیت سے نہایت موثر اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔[1]

---

۱ یہ حصہ صفحہ ۶۹۰ سے شروع ہوکر صفحہ ۷۱۶ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ صفحہ پہلی بار ایزادات و تصحیحات میں شامل کیا گیا تھا اور طبع سوم کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

مد دوم

مصارف تعلیم

یعنی

ان ادارات کے اخراجات جو نوجوانوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں۔

لازم ہے کہ ادارات تعلیم اپنا خرچ آپ نکال سکیں۔

اسی طرح وہ ادارات بھی اپنا خرچ آپ نکال سکتے ہیں جو قوم کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان سے کافی آمدنی حاصل ہوسکتی ہے۔ طلبہ مدرس حضرات کی خدمت میں فیس یا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ یہ حقیقتاً ایک گونہ آمدنی ہے۔

یا ان کو عطیات دئے جائیں۔

آمدنی کے قدرتی ذرائع تو یہی فیس یا نذرانے ہیں لیکن جہاں کہیں مدرسوں اور معلموں کی تنخواہیں ان میں سے نکل سکتی ہیں، وہاں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ خرچ معاشرۂ انسانی کے محاصل عامہ میں سے نکالا جائے، جس کا جمع خرچ اکثر ملکوں میں حکومت کی جماعت عاملہ کی تحویل میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ملکوں میں اسکولوں اور کالجوں کی امداد کا بار محاصل عامہ پر نہیں ڈالا جاتا اور اگر ڈالا بھی جاتا ہے تو بہت کم ڈالا جاتا ہے۔ اس قسم کے مصارف ہمیشہ مقامی محاصل یا صوبوں کے مداخل سے سے نکالے جاتے ہیں یا اراضیات کے لگان میں سے دئے جاتے ہیں یا کسی

ایسی رقم کے سود میں سے نکالے جاتے ہیں جو اس غرض کے واسطے مخصوص کردی جاتی ہے اور متولیوں کی ایک جماعت کے سپرد کردی جاتی ہے ۔ کبھی یہ رقم تاجدار وقت کی طرف سے ادا کی جاتی ہے اور کبھی دیگر معطی حضرات عطا کرتے ہیں ۔

کیا ان عطیات سے تعلیم میں ترقی ہوتی ہے ۔

ان عطیات کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت میں ترقی ہو لیکن کیا اس باب میں کسی قسم کی ترقی ہوتی ہے یا وہ اغراض و مقاصد پورے ہوسکتے ہیں جن کے لئے تعلیمی ادارات قائم کئے جاتے ہیں۔ کیا ان کی وجہ سے مدرسوں اور معلموں میں محنت اور جفا کشی کی عادت پیدا ہوگئی ہے یا ان کی لیاقت و قابلیت میں کسی قسم کا اضافہ ہوگیا ہے ۔ کیا ان کی وجہ سے تعلیم کا رخ ان مقاصد کی طرف منعطف ہوگیا ہے جو زیادہ مفید اور کار آمد ہیں کیا ان سے افراد و اشخاص کو یا من حیث الکل قوم کو اس سے زیادہ نفع پہنچا ہے جتنا اس وقت پہنچ سکتا جب اس قسم کے عطیات نہ ہوتے اور تعلیم کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ اپنے لئے جو رخ چاہے اختیار کرے ۔ ان سوالوں کے جواب کچھ مشکل نہیں ہیں، یا کم از کم یہ تو آسانی سے بتایا جاسکتا ہے کہ اس باب میں قیاس غالب کیا ہے ۔

ضرورت اور جد وجہد میں ہمیشہ ایک تناسب قائم رہتا ہے ۔

ہر پیشے میں محنت اور مشقت کی ضرورت پیش آتی ہے اور ان لوگوں کو ایک گونہ جدوجہد کرنی پڑتی ہے جو ان پیشوں میں مصروف ہوتے ہیں اور اس جدو جہد میں اور ضرورت میں ایک خاص نسبت ہوتی ہے ۔ ضرورت جس قدر زیادہ ہوتی ہے جدوجہد اسی قدر زیادہ کی جاتی ہے اور ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو پیش آتی ہے جن کے پاس حصول روزگار کا کوئی اور

ذریعہ نہیں ہوتا ۔ صرف یہی پیشہ ان کے لئے ذریعہ معاش ہوتا ہے ۔
اسی سے وہ دولت کمانی اور قسمت بنانی چاہتے ہیں یا کم سے کم
یہی پیشہ ہے جس پر ان کی معمولی آمدنی اور ان کی گزرمعاش
کا انحصار ہے ۔ حصول دولت و ثروت کے لئے یا محض بسر اوقات کے
لئے ہر پیشہ‌ور کو ہر سال ایک خاص مقدار کار انجام دینی پڑتی ہے
اور اس مقدار کار کی قیمت معین و معلوم ہوتی ہے یا جہاں کہیں
مقابلے میں کسی قسم کی قید و بندش نہیں ہوتی وہاں ہر شخص
یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے حریف و مد مقابل کو اس پیشے سے
نکال باہر کرے ۔ اس مقابلے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص
اپنے آپ کو اس امر پر مجبور پاتا ہے کہ محنت کرے اور اپنا کام
حتی الامکان ٹھیک ٹھیک انجام دے ۔ بعض بعض پیشے ایسے بھی
ہوتے ہیں کہ اگر ان میں کامیابی نصیب ہوتی ہے تو اس سے بڑے
بڑے مقاصد حاصل ہوتے ہیں ۔ کبھی کبھی ان مقاصد کی عظمت و
برتری بلاشائبہ شک بعض بعض اولوالعزم بزرگوں کو اس بات پر
آمادہ کردیتی ہے کہ جدوجہد کریں اور ان پیشوں کو کامیاب
بنائیں ۔ لیکن یہ امر واضح ہے کہ سعی و کوشش کے لئے ضروری
نہیں ہے کہ مقاصد ارفع و اعلیٰ ہوں بلکہ معمولی کاموں کے لئے
بھی کدو کاوش کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ مقابلے اور رقابت کے
باعث ادنیٰ ادنیٰ کاموں کو بھی عمدگی اور خوش اسلوبی سے انجام
دینے کو اپنا مطمح نظر قرار دے لیتے اور بسا اوقات ان میں سخت
جدوجہد اور کد و کاوش سے کام لیتے ہیں ۔ اس کے برعکس اکثر
بڑے بڑے کام بسا اوقات اس قابل خیال نہیں کئے جاتے کہ ان کے
لئے معتدبہ سعی و کوشش کی جائے ۔ ان کو اس قابل سمجھنے کے
لئے لازم ہے کہ ان کی ضرورت کا احساس کیا جائے اور یہ تسلیم

کرلیا جائے کہ اس کے پورا کرنے کے لئے محنت و مشقت لازمی اور لابدی ہے - انگلستان میں پیشہ قانون کی کامیابی کی وجہ سے بعض نہایت اہم اور عظیم الشان امور معرض ظہور میں آئے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی اس شریف پیشے میں ان بزرگوں میں سے بہت ہی کم لوگوں نے امتیاز حاصل کیا ہے، جن کو دولت و ثروت وراثت میں نصیب ہوئی تھی -

عطیات سے محنت کی ضرورت میں کمی واقع ہوجاتی ہے-

اسکولوں اور کالجوں کو جو عطیات دئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے لازمی طور پر معلموں اور مدرسوں میں محنت و مشقت کی عادت کم ہوگئی ہے اس لئے کہ اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی - ان کا گزارہ ان کی تنخواہوں سے ہوجاتا ہے اور یہ تنخواہیں ایک ایسے سرمائے سے حاصل ہوتی ہیں جو ان کی کامیابی اور ناکامی سے بے نیاز ہے اور ان کو اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے پیشے میں شہرت و ناموری حاصل کریں -

بعض بعض جگہ معلموں اور مدرسوں کی تنخواہوں کا ایک حصہ فیس سے نکلتا ہے- ان مقامات میں محنت کی ضرورت کلیۃً مرتفع نہیں ہوتی -

بعض بعض دانش گاھوں میں معلموں اور مدرسوں کی تنخواہ کا صرف ایک جزعطیات میں سے دیا جاتا ہے اور بسااوقات یہ جز بھی بہت ہی قلیل ہوتا ہے اور باقی ماندہ حصہ فیسوں اور نذرانوں میں سے دیا جاتا ہے جو طلبائے علم پیش کرتے ہیں - اس صورت میں بھی کم و بیش محنت کی ضرورت میں کمی واقع ہوجاتی ہے مگر کلیۃً یہ ضرورت مرتفع نہیں ہوتی-۱ اس کے علاوہ یہ امر بھی قدرے اہم اور ضروری

---

۱ مسٹر رائے سوانح نگار آدم اسمتھ کا خیال ہے کہ آدم اسمتھ کو

ہے کہ معلم اور مدرس مشہور اور نامور ہوں۔ اس صورت میں ان کو ان لوگوں کی محبت کا شکر گزار اور حسن ظن کا محتاج اور دست نگر ہونا پڑتا ہے جو ان کے سامنے زانوے تعلیم تہ کرچکتے ہیں اور یہ حسن ظن ان کو صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اس کا اہل اور مستحق ثابت کردیں - اس کے علاوہ ان کے حصول کی اور کوئی صورت قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی - اس کے یہ معنی ہیں کہ مدرس اور معلم حضرات ایک طرف تو لائق و قابل ہوں اور دوسری طرف محنت کے دلدادہ اور مشقت کے خوگر ہوں اور ادائے فرض پیش نظر رکھتے ہوں -

لیکن جہاں کہیں ان کی تمام تنخواہیں عطیات سے نکلتی ہیں وہاں محنت کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

بعض بعض دانش گاہوں میں مدرسوں اور معلموں کو اس امر کی بالکل اجازت نہیں ہوتی کہ طلبہ سے فیس لے سکیں اور ان کو ان کے منصب سے صرف تنخواہ وصول ہوتی ہے اور کچھ نہیں ملتا - اس صورت میں ان کے مفاد اور ان کے فرائض میں اس قدر تضاد ہوتا ہے جس قدر ہوسکتا ہے - ہر شخص کا مفاد اس امر میں مضمر ہے کہ اس قدر آرام و آسائش سے زندگی بسر کرے جس قدر اس کے حیز امکان میں ہے اور اگر اس کی آمدنی بالکل جوں کی توں رہتی ہے اور خواہ وہ محنت و مشقت کرے یا محض بیکار پڑا رہے، اس میں کچھ فرق نہیں آتا تو بلاشائبہ شک اس کا مفاد اس میں مضمر ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے بالکل غفلت برتنے لگے یا اگر اس کے اوپر کوئی اور ناظر اور نگران ہے کہ اس کو غفلت سے باز رکھتا ہے تو اسکی کوشش یہ ہوتی

کوئی ستر پونڈ ملتے تھے اور فیس کی آمدنی سو پونڈ کے لگ بھگ تھی- تنخواہوں کے علاوہ مکان بھی بلا کرایہ ملا ہوا تھا - ملاحظہ ہو سوانح آدم اسمتھ - مصنف رائے صفحہ نمبر ۴۸ -

ہے کہ اس فرض کو اتنی بے پروائی اور بد سلیقگی سے انجام دے جتنی ناظر و نگران اجازت دے سکتا ہے۔ کم از کم عرف عام میں مفاد کا مفہوم یہی لیا جاتا ہے۔ اگر یہ شخص بالطبع محنت پسند اور جفا شعار ہے اور چستی اور پھرتی اسکی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے تو اس کے مفاد کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس چستی اور پھرتی کو کسی اور صنف میں استعمال کرے جس سے اس کو کچھ فائدہ حاصل ہوسکے۔ اس کو یہ شخص ادائے فرض میں کسی صورت میں بھی صرف کرنے کا خواہاں نہیں ہوتا کیونکہ اس کو کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

کالجوں اور دانش گاہوں کے ارکان ایک دوسرے سے مسامحت برتنے اور اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اگر وہ اختیار و اقتدار جس کے سامنے اسے گردن جھکانی پڑتی ہے، کسی شخصیاتی جماعت میں مضمر ہے یعنی وہ شخص مثلاً کسی کالج یا کسی دانش گاہ کے تحت امرونہی ہے اور خود بھی اسی جماعت کا ایک رکن ہے اور اس جماعت کے ارکان میں بیشتر لوگ مدرس و معلم ہیں یا مدرس و معلم ہونے چاہئیں۔ اس صورت میں اس امر کا امکان ہے کہ یہ لوگ آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں اور ایک دوسرے کی مسامحت پر اتر آئیں اور یہ شخص اس امر پر رضامند ہوجائے کہ اس کا ہمسایہ اپنے فرض میں غفلت کرنے لگے بشرطیکہ اس کو خود بھی غفلت برتنے کی رضادے دی جائے۔ دانش گاہ آکسفورڈ میں اکثر پروفیسر حضرات نے سالہا سال سے پڑھانا ترک کردیا ہے یہاں تک کہ اس باب میں ظاہرداری کا بھی ارتکاب نہیں کرتے۔

خارجی قیود جہالت اور تلون مزاجی پر مبنی ہوتی ہے -

اور اگر یہ اختیار و اقتدار شخصیاتی جماعت میں زیادہ مضمر نہیں ہوتا جس کا یہ شخص رکن ہوتا ہے بلکہ زیادہ تر ایسے اشخاص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو اس جماعت سے خارج ہوتے ہیں - مثلاً ابرشیہ کے اسقف یا صوبے کے گورنر کے یا ریاست کے کسی وزیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو یہ امر قرین قیاس نہیں کہ یہ شخص اپنے فرض کی ادائگی سے بالکل غفلت کا ارتکاب کرنے لگے گا لیکن یہ افسران اعلیٰ اس کو صرف اس امر پر مجبور کرسکتے ہیں کہ یہ شخص چند گھنٹے کے لئے اپنی کلاس میں حاضر ہو اور ہفتے میں اتنے لیکچر دے دے جتنے اس ہفتے کے لئے مقرر ہیں یا سال بھر میں اتنے لیکچر دے دے جتنے سال بھر کے لئے ضروری ہیں لیکن اس امر کا انحصار مدرس و معلم حضرات کی محنت و تندھی پر ہے کہ ان لیکچروں کی نوعیت اور ماہیت کیسی ہونی چاہئے اور کیسی نہ ہونی چاہئے اور یہ محنت و تندھی ان اغراض و مقاصد کے مناسب ہوتی ہے جو اس کے محرک ہوتے ہیں لیکن بیرونی مداخلت اور خارجی قیود عام طور پر عطائیانہ ہوتی ہیں اور ان کا انحصار زیادہ‌تر تلون مزاجی پر ہوتا ہے - اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ مداخلت تحکمانہ ہوتی ہے اور بیرونی قیود کا انحصار افسران اعلیٰ کے اختیارات تمیزی پر ہوتا ہے اور جو افسر ان اختیارات کو استعمال کرسکتے ہیں، بسااوقات ان مضامین کو سمجھتے بھی نہیں جو معلم و مدرس حضرات پڑھاتے ہیں، اس لئے وہ خود کبھی اس قسم کے لیکچروں میں شریک نہیں ہوتے اور جو کچھ مداخلت وہ کرتے ہیں وہ سمجھ بوجھ کے نہیں کرتے - بسااوقات ان افسران بالا دست کو اس امر کی پروا نہیں ہوتی کہ ان اختیارات کو کس طرح استعمال کیا جائے اس لئے کہ

ان کے منصب اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ ماتحت لا محالہ ان
کے سامنے گردن جھکا دیں - یہ افسران بالا دست اس پر قادر ہوتے
ہیں کہ ماتحتوں کو سرزنش کریں یا ان کو یونہی بے وجہ
ملازمت سے سبک دوش کریں - وہ ماتحت بلا شک و شبہ ذلیل و
خوار ہو جاتے ہیں جو اس قبیل کے اختیار و اقتدار کے تحت امرونہی
ہوتے ہیں - ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ یعنی مدرس و
معلم حضرات نہایت معزز و سر برآوردہ بزرگ ہوتے مگر اس کے
برعکس ہوتا یہ ہے کہ یہ لوگ معاشرۂ انسانی میں نہایت کمینے اور
ذلیل گنے جاتے ہیں - یہ لوگ ہمیشہ اس امر کے لئے مفتوح ہوتے
ہیں کہ ان اختیارات کا ان کے باب میں ناجائز طور پر استعمال کیا
جائے اور جب تک ان لوگوں کو زبردست حمایت و حفاظت حاصل
نہیں ہوتی یہ لوگ مؤثر اور کارگر طریق سے ان اختیارات کے ناجائز
استعمال سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے اور یہ امر قرین قیاس ہے
کہ اس حمایت و حفاظت کے حصول کے لئے یہ لوگ محنت و
قابلیت سے کام نہیں لیتے بلکہ افسران بالا دست کی خوشامد و
چاپلوسی سے کام لیتے اور اس کی خوشنودی مزاج کے حصول کی
کوشش کرتے ہیں اور اس امر پر آمادہ و تیار ہوجاتے ہیں کہ
اس خوشنودی کے حصول کے لئے اس شخصیے کے حقوق و مفاد
کو قربان کردیں اور اس جماعت کے اعزاز و احترام کو خیر باد
کہ دیں جس کے یہ لوگ ارکان ہوتے ہیں - بعض حضرات ایسے
ہیں کہ ان کو فرانسیسی دانش گاہوں کے انتظام و انصرام
کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، جن بزرگوں کو اس قبیل کے مواقع
کافی عرصے تک حاصل ہوئے ہیں، ان کو اس امر کے اظہار کے
مواقع بھی ملے ہونگے کہ اس قسم کی تحکمانہ خارجی اختیارات کے

قدرتی نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں۔

نوجوانان قوم کو اس امر پر مجبور کرنا کہ وہ دانش گاھوں میں داخل ہوں مدرسوں اور معلموں کے حق میں مضر ہے۔

بعض اثرات و حالات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نوجوان قوم کو اس امر پر مجبور کرتے ہیں کہ دانش گاھوں میں اور کالجوں میں داخل ہوں اور ان میں مدرس اور معلم حضرات کی لیاقت و قابلیت اور ان کی شہرت و ناموری کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ ان اثرات و حالات کا رجحان طبعی اس امر کی طرف ہوتا ہے کہ کم و بیش اس لیاقت و شہرت کی ضرورت میں کمی پیدا کردیں۔

اس اعتبار سے طیلسانی نوجوانوں کی مراعات۔ شاگردان شخصیہ کی مراعات سے مشابہ ہیں۔

علوم و فنون، آئین و قوانین، طبیعات و الہیات کے طیلسان پوش نوجوانوں کو گونا گوں مراعات حاصل ہوجاتی ہیں اور ان کے حصول کے لئے ضرورت صرف اس امر کی ہوتی ہے کہ طالب علم چند سال کے لئے کسی خاص دانش گاہ میں قیام کریں۔ اسکے علاوہ اور کسی شے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی جماعت اس قسم کی دانش گاھوں کی طرف راغب ہوجاتی ہے، جن میں مدرس اور معلم حضرات کی لیاقت و قابلیت کو اور ان کی شہرت اور ناموری کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ طیلسان پوش نوجوانوں کی یہ مراعات اس لحاظ سے شاگردی اور کار آموزی کے آئین و قوانین سے مشابہ ہیں۔ ان مراعات کی ذات سے قوم کی تعلیم و تربیت میں وھی اصلاحات و ترمیمات رونما ہوئی ہیں، جو شاگردی اور کار آموزی کے آئین و قوانین کی ذات سے صنعت و حرفت میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔

وظائف

بعض خیراتی اداروں اور اوقاف کے وظائف اور امداد کی بنا پر طلبہ کی ایک خاص تعداد لامحالہ کسی خاص کالج سے وابستہ ہوجاتی ہے۔ اس میں اس کالج کے استحقاق اور اوصاف کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اگر ان خیراتی وقف یافتہ اداروں کے طلبہ کو اس امر کا اختیار حاصل ہوتا کہ وہ جس کالج کو چاہیں انتخاب کریں تو شاید اس سے ان کالجوں میں رقابت کے جذبات موجزن ہوتے۔

ترک درس گاہ کے متعلق آئین و ضوابط۔

اسکے برعکس ایک آئین موجود ہے جس کی رو سے ہر ایک کالج کے آزاد طلبہ بھی اس کالج کو چھوڑنے اور کسی اور کالج میں داخل ہونے کے مجاز نہیں ہیں۔ اس کے لئے طلبہ کو پہلے یہ درخواست دینی پڑتی ہے کہ ہم اس درس گاہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ جب تک یہ درخواست منظور ہوتی ہے اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے۔ اس آئین کا رجحان طبعی زیادہ تر اس امر کی طرف ہے کہ رہی سہی رقابت کا خاتمہ کردے۔

معلموں کے لئے طلبہ کی تعداد کا تعین بھی رقابت کے حق میں مہلک ہے۔

کسی کالج میں یہ قاعدہ نہیں ہے کہ طلبہ اُن معلموں اور اتالیقوں کا انتخاب خود کریں جو ان طلبہ کو علوم و فنون کی تعلیم دینے پر مامور ہوتے ہیں بلکہ ان کا تقرر صدر درس گاہ کی طرف سے عمل میں آتا ہے اور یہ معلم یا اتالیق اہل ہوں یا نہ ہوں اور محنت و تندھی سے پڑھائیں یا غفلت و سہل انگاری کا ارتکاب کریں اور طلبہ کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں یا کج خلقی کا ثبوت دیں لیکن طلبہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کو تبدیل کر

سکیں اور ان کی جگہ اوروں کا انتخاب کرسکیں ۔ اس کے لئے ان
کو پہلے درخواست دینی پڑتی ہے اور جب تک اجازت نہیں ملتی
وہ یہ کام نہیں کرسکتے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک درس گاہ
کے معلموں میں رقابت کے جذبات مردہ ہوجاتے ہیں اور محنت کی
ضرورت کے احساس میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور یہ معلم اور اتالیق
اپنے شاگردوں کی طرف سے توجہ ہٹا لیتے ہیں ۔ طلبہ خواہ کتنی
ہی فیس کیوں نہ دیں ۔ اس قسم کے مدرسوں کا رجحان طبع اس
طرف ہوتا ہے کہ طلبہ کی طرف سے غفلت برتنے لگیں ۔ اس باب میں
فیس دینے والے اور نہ دینے والے دونوں قسم کے طلبہ کو برابر
نظر انداز کیا جاتا ہے ۔ وہ مدرس جن کو صرف تنخواہ ملتی ہے،
اور جن کو فیس ملتی ہے دونوں کی روش ایک سی ہوتی ہے ۔

جہاں کہیں اس قسم کے آئین و ضوابط کار فرما ہوتے ہیں ۔ مدرس یہ کوشش کرتے ہیں کہ طلبہ کی طرف سے عدم استحسان کے جذبات ظہور پذیر نہ ہونے پائیں ۔

اگر مدرس مرد معقول ہوتا ہے تو اس
امر کے احساس کو ناگوار خیال کرتا
ہے کہ جو کچھ میں طلبہ کے سامنے
بیان کررہا ہوں یا ان کو جو کچھ
پڑھ کر سنا رہا ہوں وہ معقولیت کے
خلاف ہے اور اگر معقولیت کے بالکل
خلاف نہیں ہے تو کچھ یونہی بہتر ہے ۔ اس کے لئے یہ دیکھنا
ناگواری کا موجب ہوتا ہے کہ طلبہ کی تعداد غالب اس کے
حلقۂ درس میں سے نکل کر کسی اور کے حلقۂ درس میں شامل
ہورہی ہے یا اگر یہ تعداد اس کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتی ہے
تو بادل ناخواستہ حاضر ہوتی ہے اور ان کی اداؤں سے غفلت،
حقارت اور استہزا کی علامات ظاہر ہیں ۔ اگر معلم و مدرس اس
امر پر مجبور ہوتے ہیں کہ طلبہ کو اتنے عرصے میں اتنے لیکچر

دیں تو یہ محرکات ان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کیلئے کافی ہوتے ہیں کہ یہ لوگ قدرے زیادہ محنت کریں اور قابل پذیرائی لیکچر دیں خواہ اور قسم کے مفاد وابستہ ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ترکیبیں ہیں کہ استعمال کی جاسکتی ہیں مگر ان سب ترکیبوں سے اس رغبت میں کمی واقع ہوتی ہے جو ان لوگوں کو محنت و تندھی کی طرف ہوسکتی ہے۔ مثلاً مدرس طلبہ کے سامنے موضوع زیر بحث کی تشریح نہیں کرتے بلکہ اس موضوع کے متعلق کتاب لیتے اور پڑھ کر سنانے لگتے ہیں اور اگر وہ کتاب کسی غیر یا مردہ زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ مدرس اس کا ترجمہ طلبہ کی مادری زبان میں نہیں کرتے بلکہ طلبہ سے کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ کریں۔ اس لئے کہ اس میں اور بھی کم محنت لگتی ہے البتہ کبھی کبھی اپنی طرف سے بھی کچھ کہتے جاتے ہیں اور یہ خیال کر کے اپنا نفس پھلا لیتے ہیں کہ ہم لیکچر دے چکے ہیں۔ اس کے لئے کم سے کم علم اور کم سے کم محنت کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ لوگ اس قسم کے لیکچر دے دیتے ہیں کہ شاگردوں کی حقارت و استہزا سے بچ جاتے ہیں اور ایسی کوئی بات نہیں کہتے جو لغو اور تضحیک آمیز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کالجوں اور درسگاھوں کا نظم و نسق طلبہ کو مجبور کرتا ہے کہ ان کے درس میں نہایت باقاعدگی سے حاضر ہوں اور ان کے نام نہاد لیکچر کو توجہ سے سنیں اور اس تمام کارروائی کے دوران میں نہایت ادب و احترام کو پیش نظر رکھیں۔

دانش گاھوں اور درس گاھوں میں نظم و نسق محض مدرسوں اور معلموں کی سہولت کے لئے ملحوظ رکھا جاتا ھے اور اگر یہ ذرا بھی محنتی ھوتے ھیں تو یہ نظم و نسق بے کار ھوکر رہ جاتا ھے۔

دانش گاھوں اور درس گاھوں میں نظم و نسق کا خیال محض مدرسوں اور معلموں کی سہولت کے لئے رکھا جاتا ، ھے۔ طلبہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس کا مدعا صرف یہ ھوتا ھے کہ ھر حالت میں مدرسوں اور معلموں کی سیادت کو برقرار رکھا جائے خواہ یہ لوگ اپنا فرض ادا کریں یا اس میں غفلت برتیں مگر طلبہ کا فرض ھے کہ ھر حال میں اس طرح پیش آئیں کہ معلم و مدرس حضرات اپنا فرض نہایت محنت و قابلیت سے ادا کررھے ھیں۔ اس نظم و نسق کی ذات میں یہ قیاس مضمر ھے کہ معلم و مدرس حضرات کا طبقہ عقل و دانش کا مجموعہ اور حسن و خوبی کا مجسمہ ھے اور طلبہ کا طبقہ ضعف و ناتوانی اور حماقت و نادانی کا مرادف ھے۔ لیکن جہاں کہیں مدرس و معلم حضرات اصلی و حقیقی معنی میں اپنے فرض منصبی کی ادائگی کی کوشش کرتے ھیں وھاں یقیناً کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ شاگرد اور طالب علم اپنے فرض کی ادائگی میں غفلت کا ارتکاب کرتے ھوں۔ اگر لیکچر حقیقت میں اس قابل ھیں کہ طلبہ ان میں شریک ھوں تو وہ ضرور شریک ھوں گے۔ ان کو حاضری پر مجبور کرنے کے لئے کسی قسم کے نظم و نسق کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ظاھر ھے کہ جب کبھی کوئی عمدہ لیکچر دیا جاتا ھے تو جبری حاضری کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ البتہ بچوں کو حاضری کے واسطے مجبور کرنے کے لئے کسی نہ کسی قسم کے جبر و تشدد کی اور کسی نہ کسی طرح کی بندش کی ضرورت لاحق ھوتی ھے یا یہ ضرورت بہت چھوٹے

لڑکوں کے لئے تعلیم کے اس حصے کے حصول کے واسطے پیش آتی ھے جو اوائل عمر میں حاصل کرنی ضروری سمجھی جاتی ھے۔ لیکن بارہ تیرہ سال کی عمر کے بعد جبر و تشدد کی یا کسی بندش کی ضرورت باقی نہیں رھتی بشرطیکہ معلم و مدرس حضرات ادائے فرض میں کوتاھی نہ کرتے ھوں۔ اس عمر میں تعلیم کا ھر حصہ بلا جبر و اکراہ حاصل ھوسکتا ھے۔ نوعمر طلبہ کی ذات میں فیاضی کے جوھر مضمر ھوتے ھیں اور ان کی تعداد غالب تعلیم کی طرف سے غفلت یا کسی قسم کی نفرت کا ارتکاب نہیں کرتی لیکن شرط یہی ھے کہ مدرس و معلم حضرات کی نیت میں خیر ھو اور وہ طلبہ کی مدد کرنا چاھیں یہاں تک کہ اس حالت میں اگر مدرس اور معلم حضرات اپنے ادائے فرض میں سہو و خطا کا ارتکاب بھی کر جاتے ھیں تو یہ نوعمر طلبہ اس سے چشم پوشی کرتے ھیں اور ان کی کوتاھیوں کو بخش دیتے ھیں اور بسا اوقات ان کی صریح غفلتوں پر پردہ ڈالتے اور ان کی فاش لغزشوں کو پبلک سے چھپا لیتے ھیں۔

بعض مضامین ایسے ھیں کہ پبلک درسگاھوں میں پڑھائے جاتے ھیں۔ ان مضامین کی تعلیم ھمیشہ عمدہ ھوتی ھے۔

یہاں یہ امر قابل ملاحظہ ھے کہ بعض بعض مضامین ایسے ھیں کہ ان کی تعلیم کے لئے پبلک درس گاھوں میں کوئی انتظام نہیں ھوتا۔ ان مضامین کی تعلیم عام طورپر عمدہ ھوتی ھے مثلاً ایک نو عمر نوجوان کسی پٹے بازی کے اکھاڑے یا کسی رقص و سرود کی درس گاہ میں جاتا ھے تو وہ اچھی طرح ناچنا یا ٹھیک طرح پٹا کھیلنا نہیں سیکھتا لیکن یہ کبھی نہیں ھوتا کہ وہ شخص پٹا کھیلنا یا رقص کرنا بالکل ھی نہیں سیکھتا۔ سواری کی درس گاھوں سے بھی عمدہ

نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مگر یہ نتائج بالکل صریح اور واضح نہیں ہوتے۔ سواری کی درس گاہ کا خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے بلکہ اکثر مقامات پر یہ فن انفرادی حیثیت سے نہیں سیکھا جاتا بلکہ اس کے لئے پبلک درس گاہیں مہیا ہیں۔ لکھائی پڑھائی اور حساب ادبی تعلیم کی تین اہم اور ضروری شاخیں ہیں۔ ان تینوں شاخوں کی تعلیم اب تک بھی نجی مکاتب میں پبلک مدارس کی نسبت بہتر انداز سے ہوتی ہے اور کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان کے حصول میں اس حد تک ناکام و نامراد رہتا ہو جس حد تک ان کا حصول ضروری ہوتا ہے۔

انگلستان میں مدارس عامہ فیس کے محتاج ہیں اس لئے ان میں دانش گاہوں کی نسبت ابتری کم پائی جاتی ہے۔

انگلستان میں مدارس عامہ میں اس قدر ابتری نہیں پائی جاتی جس قدر دانش گاہوں میں پائی جاتی ہے۔ مدارس عامہ میں نوجوانوں کو لاطینی اور یونانی کی تعلیم دی جاتی ہے یا دی جاسکتی ہے اور یہی وہ مضامین ہیں کہ مدرس و معلم پڑھانے کا دعویٰ کرتے ہیں یا جن کے پڑھانے کی ان حضرات کی ذات سے توقع کی جاسکتی ہے۔ دانش گاہوں میں نوجوانوں کو سائنس کی تعلیم نہیں دی جاتی اور ان دانش گاہوں میں ان کی تعلیم کا سامان بھی موجود نہیں ہوتا اور حق یہ ہے کہ ان شخصیاتی جماعتوں یعنی دانش گاہوں کے قیام کا منشا انہیں کی تعلیم میں مضمر ہے۔ اکثر اور بیشتر حالات میں مدرسوں اور معلموں کو جو کچھ ملتا ہے اس کا انحصار بڑی حد تک فیسوں اور نذرانوں پر ہوتا ہے اور کہیں کہیں تو تمام تر

انھیں پر ہوتا ہے - درس گاہوں کو کلی اور لاشریک حقوق حاصل نہیں ہوتے- اعزاز تدریج یا شان طیلسان کے حصول کے لئے یعنی بی-اے- کی سند کے واسطے یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ صداقت نامہ پیش کرے کہ میں نے اتنے سال تک فلاں مدرسۂ عامہ میں تعلیم پائی ہے- کسی شخص سے یہ سوال نہیں پوچھا جاتا کہ تم نے تعلیم کہاں پائی ہے، یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم نے تعلیم کیا پائی ہے؟ اگر امتحان لینے پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ ان مضامین کو سمجھتا ہے جن کی اس نے تعلیم پائی ہے تو مقام تعلیم کی بابت پرسش نہیں ہوتی -

جن مضامین کی تعلیم دانش گاہیں بھونڈے پن سے دیتی ہیں اگر یہ دانش گاہیں نہ ہوتیں تو ان کی تعلیم ہی نہ دی جاتی

جن مضامین کی تعلیم دانش گاہوں میں دی جاتی ہے ان کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تعلیم اچھی طرح نہیں دی جاتی لیکن اگر یہ دانش گاہیں نہ ہوتیں تو ان مضامین کی تعلیم ہی نہ دی جاتی اور افراد و اقوام دونوں ان کے فوائد سے محروم رہ جاتے- اس لئے کہ یہ مضامین اہم اور مہتم بالشان ہوتے ہیں -

ابتدا میں یہ مضامین اہل کلیسا کی دینیات کی تعلیم کے لئے وضع کئے گئے تھے -

یورپ میں موجودہ دانش گاہوں کی بیشتر تعداد کلیسائی شخصیات پر مشتمل ہے - ابتدا ابتدا میں یہ شخصیے اہل کلیسا کی تعلیم و تربیت کے لئے پاپائے معظم کے حکم سے قائم کئے گئے تھے اور بلاواسطہ اسی کی حفاظت اور نگرانی میں تھے - اس وقت ان کے تمام ارکان کو

حقوق کلیسا حاصل تھے - ان ارکان میں طلبہ اور مدرس ومعلم سب شامل تھے - یہ شخصیے ان ملکوں کے غیر کلیسائی حیز اختیارات سے خارج تھے جن میں یہ واقع تھے - یہ شخصیے صرف کلیسائی عدالتوں کے تابع فرمان تھے - ان دانش گاھوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا اس کا اکثر حصہ کلیسا کی ضروریات کے لئے ضروری تھا - خواہ ان کا تعلق براہ راست دینیات سے ہو یا کسی ایسی چیز سے ہو جو دینیات کی تیاری سے مربوط ہو -

اس کے لئے لاطینی لازم تھی -

جب یہ امر ازروئے قانون قرار دیا گیا کہ عیسائیت مغربی یورپ کا سرکاری مذھب ہے تو لاطینی کی ایک تخریب یافتہ صورت یورپ کے تمام مغربی حصوں کی مشترکہ زبان قرار پاگئی - انجیل مقدس کا ترجمہ اسی تخریب یافتہ لاطینی میں کیا گیا اور یہی تمام کلیساؤں میں پڑھایا جاتا تھا اور عبادت کے لئے اظہار خیالات کا ذریعہ بھی یہی قرار پایا تھا، اس لئے کہ سب کی مشترکہ زبان یہی تھی - اس کے بعد بربری اور وحشی قوموں نے ھجوم کیا اور سلطنت رومۃالکبریٰ کا تختہ الٹ دیا - اس وقت سے لاطینی کا زوال شروع ھوا اور رفتہ رفتہ وہ یورپ کے تمام علاقوں سے معدوم ھوگئی مگر دینی رسوم و قیود عرصہ دراز تک قائم رھیں کیونکہ عامۃالناس ان کو ادب و احترام کی نظروں سے دیکھتے اور ان کو قائم رکھنا چاھتے تھے - ان رسوم و قیود کی بنا کچھ ایسے حالات پر قائم ھوتی ھے جو مدلل و معقول ھوتے ھیں، اس لئے لوگ ان کو بالطبع قائم رکھنا چاھتے ھیں چنانچہ یہ حالات بدل جاتے ھیں مگر ان رسوم و قیود میں فرق نہیں

آتا - اب وہ وقت آگیا کہ عامۃالناس کی تعداد کثیر لاطینی کے سمجھنے سے قاصر ہوگئی لیکن کلیساؤں میں عبادت جہاں کہیں ہوتی تھی وہ تمام و کمال لاطینی میں ہوتی تھی - اسی طرح یورپ میں دو مختلف زبانیں قائم ہوگئیں - ان میں سے ایک اھل کلیسا کی زبان تھی اور دوسری عامۃ الناس کی بولی تھی - ایک علما و فضلا کی زبان تھی دوسری عوام و جہلا کی زبان تھی - ایک مقدس و متبرک تھی دوسری بیگانہ تقدیس گنی جاتی تھی - اب سے پہلے یہی حالت مصر میں رونما ہوچکی تھی، لیکن یہ امر ضروری تھا کہ اھل کلیسا اور کاھن حضرات اس مقدس اور فاضلانہ زبان میں کچھ شدبد رکھتے ہوں جس میں ان کو خدمت انجام دینی پڑتی تھی، اس لئے ابتدا ھی سے لاطینی زبان کا مطالعہ تعلیم دانش گاہ کا اھم اور ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا -

لیکن یونانی اور عبرانی کا مطالعہ ضروری نہ تھا۔ یہ زبانیں اصلاح کلیسا کے وقت رائج ہوئی تھیں -

لیکن یونانی اور عبرانی کو یہ شان نصیب نہ تھی حالانکہ عیسائیت کی اصل کتابیں انھیں زبانوں میں ھیں - اھل کلیسا نے یہ فتوی صادر کرایا تھا کہ انجیل مقدس کا لاطینی ترجمہ یونانی اور عبرانی نسخوں کا ھم پلہ ھے اس لئے کہ یہ ترجمہ بھی الہام ربانی کا ماحصل ھے اور جس طرح یونانی اور عبرانی نسخے الہام ربانی کے اثر سے قلمبند کئے گئے ھیں اسی طرح یہ لاطینی ترجمہ بھی کیا گیا ھے - اھل کلیسا کا یہ فتوی سہو و خطا سے مبرا گنا جاتا ھے - انجیل مقدس کے اس ترجمے کو عرف عام میں ترجمہ ''لاطینی'' کہتے ھیں اس لئے یونانی اور عبرانی کا جاننا اھل کلیسا کے لئے لابدی نہ تھا - یہی باعث ھے کہ ان زبانوں کا مطالعہ دانش گاھوں کے نصاب کا

کوئی اهم اور ضروری جز نہیں گنا جاتا تھا - مجھے یقین ہے کہ هسپانیه میں بعض دانش گاهیں ایسی هیں کہ یونانی کی تعلیم ان کے نصاب میں داخل نہیں ہے - قدیم مصلح حضرات نے جب عهد جدید کے یونانی متن کو اور عهد عتیق کے عبرانی متن کو دیکھا تو ان کو اپنے رائے کے مطابق پایا مگر عام ترجمه لاطینی کو اتنا زیادہ مطابق نہیں پایا اس لئے کہ یه ترجمه کلیسائے رومی کی حمایت و تائید کے لئے کیا گیا تھا اور یه قیاس قرین فطرت ہے کہ شدہ شدہ حمایت و تائید کا پہلو اس میں ضم کردیا گیا اس لئے ان قدیم مصلح حضرات نے اس لاطینی ترجمے کی خامیاں بے نقاب کرنے کی طرف توجه مبذول کردی - اب کلیسائے رومی کے طرف داروں کو یه ضرورت پیش آئی کہ اس لاطینی ترجمے کی حمایت کریں یا اسکی شرح و تفصیل پیش کریں - اس مشکل سے عهدہ برا هونے کے لئے لازم تھا کہ اصل زبانوں سے بھی کچھ واقفیت حاصل کی جائے اس لئے شدہ شدہ ان زبانوں کا مطالعه بھی اکثر دانش گاهوں کے نصاب میں داخل هوتا چلا گیا - کچھ دانش گاهیں اصلاح ترجمه کی قائل اور اس کی طرف دار تھیں کچھ اس ہے منحرف اور بیزار تھیں لیکن ان زبانوں کو داخل نصاب کرنے میں دونوں برابر تھیں - یونانی زبان کلاسیکی تعلیم کی تمام شاخوں سے مربوط و مبسوط تھی جو اتفاق حسنه سے اسی دور میں رواج پذیر هوئی تھیں، جس دور میں مسئله اصلاح ظهور پذیر هوا تھا اور طرفه تر یه ہے کہ کلاسیکی تعلیم کی ان شاخوں کی ترقی و ترویج میں کلیسائی رومی اور اهل اطالیه کا خاص حصه ہے - اکثر دانش گاهوں میں یونانی زبان فلسفے اور حکمت کی تعلیم سے پہلے اس وقت پڑھائی جاتی تھی جب طلبه لاطینی زبان میں کچھ ترقی کرلیتے تھے- عبرانی کو کلاسیکی تعلیم

سے کچھ تعلق نہ تھا، اس لئے اس کی تعلیم عام طور پر فلسفے اور حکمت کی تعلیم کے بعد شروع ہوتی تھی کیونکہ طلبہ کو دینیات کی تعلیم اسی وقت شروع کرائی جاتی تھی۔ عبرانی زبان میں کوئی تصنیف ایسی نہیں ہے جس کو قابل امتیاز اور واجب احترام کہا جاسکے، البتہ صحف مقدسہ اس کلیے سے خارج ہیں۔

یونانی اور لاطینی اب تک بھی دانش گاھوں کی تعلیم کا معتدبہ جزو ہیں۔

ابتدا ابتدا میں مبادیات یونانی و لاطینی دانش گاھوں میں پڑھائے جاتے تھے اور بعض بعض دانش گاھوں میں اب بھی پڑھائے جاتے ہیں۔[۱] بعض دانش گاھوں کی طرف سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ انھوں نے ان میں کسی زبان کے یا دونوں کے مبادیات کی تعلیم اب سے پہلے حاصل کرلی ہوگی اس لئے کہ ان مبادیات کی تعلیم اب تک بھی ان دانش گاھوں کی تعلیم کی اہم اور معتدبہ جزو ہے۔

فلسفۂ یونانی کی انواع ثلاثہ۔

قدیم فلسفۂ یونانی کی تین شاخیں تھیں۔ اول طبیعات یا فلسفۂ طبعی۔ دوم اخلاقیات یا فلسفۂ اخلاق اور سوم منطق۔ یہ تقسیم نوعیت اشیا کے اعتبار سے بالکل موزوں اور مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(۱) طبیعات یا فلسفۂ طبعی۔

مظاھر فطرت، گردش اجرام فلکی، خسوف و کسوف، دمدار ستارے، رعدوبرق اور شہاب ثاقب وغیرہ حیرت خیز امور ہیں۔ اسی طرح پیدائش، حیات، ترقی و افزائش، انحلال نباتات و حیوانات وغیرہ تعجب انگیز ہیں۔ یہ امور فطری اور لابدی طور پر انسان کی راز جوئی

۱ طبع اول میں ہے۔ وہ اب تک بھی اس حیثیت سے بعض بعض دانش گاھوں میں جاری ہیں۔

کو برانگیختہ کرتے اور اس کو تحقیق و تدقیق پر اکساتے ھیں۔[1]
ابتدا ابتدا میں خرافات وھم پرستی سے انسان میں راز جوئی کے
جذبات کو تسکین حاصل ھوجاتی ھے اس لئے کہ ان حیرت خیز
اور تعجب انگیز مظاھر کو بلاواسط دیویوں اور دیوتاؤں کی طرف
منسوب کردیا جاتا ھے۔اس کے بعد فلسفے کی باری آتی ھےاور ان
کی توجیہ وتشریح کی کوشش کی جاتی ھے اور ان کے لئے ایسے
علل و اسباب پیش کئے جاتے ھیں جن سے لوگ واقف ھوتے ھیں
یا ان کے لئے ایسی وجوہ تراشی جاتی ھیں جن سے انسان اس سے
زیادہ اچھی طرح محرم ھوجاتے ھیں جتنے دیویوں اور دیوتاؤں کی
کارندگی سے محرم ھوتے ھیں۔ چونکہ اس قبیل کے عجیب و غریب
مظاھر فطرت انسان کے دل و دماغ میں رازجوئی کے جذبات کو
برانگیختہ کرتے ھیں اس لئے سائنس ان کو لیتا اور انکی توجیہ
کی کوشش کرتا ھے۔ یہی وجہ ھے کہ فلسفے کی اس شاخ میں سب
سے پہلے ترقی کے آثار نمودار ھوئے۔ تاریخ عالم شاھد ھے کہ
حکما و فلاسفہ میں سب سے پہلا گروہ انھیں حکیموں اور فلسفیوں
کا ھے جن کو حکمائے طبعی کہتے ھیں۔

اخلاقیات یا فلسفۂ اخلاق | تاریخ عالم کے ھر دور میں لوگ ایک
دوسرے کے افعال و کردار اور خیالات کی طرف توجہ مبذول کرتے
چلے آئے ھیں اور اس امر کے لئے اصول و قواعد منضبط ھوتے
رھے ھیں کہ انسان کو حیات بے ثبات کے دن کیونکر گزارنے
چاھئیں۔ یہ اصول و قواعد ذی اعتبار اور مقبول انام ھوتے ھیں۔
اس کے بعد وہ دور آیا کہ فن تحریر معرض وجود میں آیا۔ اب

---

[1] طبع اول میں ھے۔ ضروری اور لابدی طور پر۔

دانایان قوم یا مدعیان دانش و حکمت اس امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ ان ذی اعتبار اور واجب الاحترام اصول و قواعد کی تعداد میں اضافہ کریں اور اس امر کا اظہار کریں کہ اس کے نقطۂ نظر سے کون‌سا طرز حیات جائز و مناسب ہے اور کون سا انداز ماند و بود ناجائز و نا مناسب ہے۔ کبھی کبھی ان دانایان قوم کا انداز بیان، قصے اور افسانے کا اسلوب اختیار کر لیتا ہے یہ اسلوب زیادہ مصنوعی اور ساختہ ہوتا ہے جیسا حکایات لقمان حکیم کا ہے اور کبھی کبھی یہ نصائح مقولات و امثال کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں مثلاً ضرب الامثال حضرت سلیمان یا ابیات تھیوجانس اور ابیات فوسی‌لیدلیس اور یہ اسلوب بیان زیادہ سادہ ہے جیسے تصنیفات ھیسی اوڈ کا ایک حصہ۔ یہ دانشمندان قوم مدت مدید تک ایسی روش پر گامزن رہتے ہیں اور ان امثال و مقولات کی تعداد میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں، اس لئے کہ یہ امثال و مقولات اخلاق و پیش بینی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ ان میں کسی قسم کی ترتیب قائم کریں یا ان میں کسی قاعدے اور قرینے کو دخل دیں، یہاں تک کہ یہ لوگ ان کو کسی ایک ربط میں بھی مربوط نہیں کرتے۔ یہ ایک اصول یا چند اصولوں کے تحت میں آ جائیں کہ ان میں سے اور چیزیں اسی طرح نکلتی چلی آئیں جس طرح قدرتی علل و اسباب سے معلول و نتائج نکلتے چلے آتے ہیں۔ جب مختلف مشاہدات کو ایک خاص قاعدے اور قرینے سے مرتب کیا جاتا ہے تو اس میں ایک خاص خوبی جلوہ گر ہو جاتی ہے، اس لئے کہ یہ تمام مشاہدات چند عام اصولوں کے ذریعے مربوط

ہوتے ہیں۔ یہ خوبی ان موضوعات میں پائی جاتی ہے جو قدیم زمانے میں نظام فلسفۂ طبعی کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ بعد میں اخلاقیات میں بھی یہی کوشش کی گئی اور ایک گونہ ترتیب قائم کر دی گئی۔ یہاں تک کہ امثال و مقولات میں بھی اس کا التزام کر دیا گیا اور ان کو بھی چند عام اصولوں کے ذریعے مربوط و مبسوط کر دیا گیا۔ اس باب میں بھی اسی طریقے کو ملحوظ رکھا گیا جو مظاہر قدرت کی ترتیب و تنظیم کے باب میں ملحوظ رکھا گیا تھا۔ جو علم اس امر کا دعویدار ہے کہ ان ربط خیز اصولوں کی تحقیق و تدقیق کرے اور ان کی توجیہہ و تشریح کی خدمت اپنے ذمے لے۔ اس کا نام فلسفۂ اخلاق ہے۔

(۳) منطق

مختلف مصنفوں نے فلسفۂ اخلاق کو طبعی اور فلسفۂ اخلاق کو مختلف نظاموں میں منقسم کیا ہے۔ ان مختلف نظاموں کی تائید و حمایت میں یہ مصنف گوناگوں دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ یہ دلیلیں نہ تھیں زیادہ سے زیادہ ترجیحات تھیں اور وہ بھی اکثر نہایت ضعیف اور کمزور قسم کی تھیں اور کبھی کبھی تو یہ دلیلیں محض سفسطہ ہو کر رہ جاتی تھیں۔ ان کی بنیاد جن چیزوں پر قائم ہوتی تھی وہ یا تو زبانی لغزشیں تھیں یا ابہام و التباس، اس لئے کہ یہ نظام اثبات کی حد سے ہمیشہ بہ مدارج دور ہوتے تھے۔ تاریخ عالم کے ہر دور میں لوگ تخمینی نظامات کو ان دلائل و براہین کا قائم مقام قرار دیتے چلے آئے ہیں جو نہایت زدہ اور فرسودہ تھیں، یہاں تک کہ ادنےٰ ترین مالی مفاد کے باب میں کسی معقول آدمی کے قوت فیصلہ پر اثر نہ کرتی تھیں۔ محض سفسطہ

کبھی اس قابل نہیں ہوتا کہ خیالات انسانی پر اثر کرسکے، لیکن معاملات فلسفہ اور قیاسات ظن و تخمین اس کلیے سے خارج ہیں۔ ان اصناف میں بسا اوقات سفسطہ کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ فلسفۂ طبعی اور فلسفۂ اخلاق کے حامی اور سر پرست طبعاً اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ان دلائل کی لغزشوں اور فروگزاشتوں کو طشت از بام کریں جو ان کے مخالف نظام کی حمایت و تائید کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ جب یہ لوگ ان دلائل و براہین کی تنقیح کرتے تھے تو لازمی طور پر اس اختلاف پر غور کرتے تھے جو ترجیحی اور اثباتی دلائل یا مغالطہ آمیز اور نتیجہ خیز یا براہین قاطع کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تنقیح و تفتیش سے چند مشاہدات ظہور میں آئے۔ منطق انہیں مشاہدات پر مبنی ہے اس لئے کہ منطق علم استدلال کا نام ہے۔ اس علم میں حجت و استدلال کے عام اصولوں سے بحث کی جاتی ہے۔ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ وہ اصول صحیح ہیں کہ نہیں اگرچہ یہ علم طبعیات و اخلاقیات کے بعد وجود میں آیا مگر فلسفے کی اکثر درس گاہوں میں اس کی تعلیم ان دونوں کی تعلیم سے پہلے دی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدما کو خیال تھا کہ قبل اس کے کہ طلبہ ان اہم اور مہتم بالشان موضوعات پر استدلال کرنے کے قابل ہوں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح و غلط حجت و استدلال میں کیا فرق ہے۔

اس کے بعد فلسفہ پانچ شاخوں میں منقسم کیا گیا۔

فلسفہ ایام قدیم میں تین قسموں میں منقسم تھا۔ اب اس میں تبدیلی کی گئی اور اس کو پانچ شاخوں میں منقسم کر دیا گیا۔ آج کل یورپ کی اکثر دانش گاہوں میں

یہی تقسیم پنج گانہ رائج ہے۔

مابعدالطبیعات اورروحانیات کا اضافہ کیا گیا۔

فلسفۂ قدیم میں دماغ انسانی اور ذات باری کی نوعیت کے متعلق جو کچھ پڑھایا جاتا تھا ، وہ فلسفۂ طبیعات کے تحت میں آتا تھا اور اسی کا ایک جزو گنا جاتا تھا۔ یہ ہستیاں نظام کائنات کا ایک جزو تھیں اور یہ جزو کبھی نہایت اہم اور نتیجہ خیز تھا۔ اس سے بحث نہیں کہ ان کی ماہیت اور نوعیت کیا تھی اور کیا نہ تھی۔ عقل انسانی ان کے متعلق جس نتیجے پر پہنچ سکی اور جس قبیل کی قیاس آرائیاں ان کی بابت کر سکی وہ گویا اس علم کے دو باب ہیں جو اس عظیم الشان نظام کائنات کی اصلیت اور اس کے تغیرات کی توجیہ کا دعویدار ہے اور یہ دونوں باب نہایت اہم اور معرکۃالآرا ہیں لیکن یورپ کی دانش گاہوں میں فلسفہ دینیات کے تابع ہے۔ ان دانش گاہوں میں یہ امر قرین فطرت ہے کہ ان دونوں بابوں پر علوم کے دیگر ابواب کی نسبت زیادہ زور دیا جائے۔[۱] ان میں رفتہ رفتہ توسیع ہوتی چلی گئی اور یہ دو باب اکثر اور بابوں میں منقسم ہو گئے مگر یہ باب کچھ زیادہ وقیع نہ تھے۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسئلہ ارواح جلوہ گر ہو گیا اور نظام فلسفہ میں اس قدر حصہ لینے لگا جتنا کبھی مسئلۂ اجسام لیا کرتا تھا حالانکہ مسئلۂ اجسام کے متعلق تو بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے مگر مسئلہ ارواح کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔[۲] ان دونوں موضوعات کے متعلق جو نظریات قائم ہو چکے تھے ، ان کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دو جداگانہ

---

۱ طبع اول میں ان کی جگہ آن ہے۔

۲ طبع اول میں ہے۔ ان دونوں بابوں میں۔

علوم ہیں۔ جس علم کا نام مابعدالطبیعات یا روحانیات ہے،
وہ علم طبیعات کے مقابلے میں پیدا کیا گیا تھا اور اس کی
غور و پرداخت اس انداز سے کی گئی تھی کہ گویا وہ نہایت
جلیل القدر ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاص پیشے کے اغراض و
مقاصد کے اعتبار سے وہ ان دونوں علوم میں سے زیادہ مفید اور
سود مند متصور ہوتا تھا۔ اس باب میں تجربے اور مشاہدے
کی طرف سے بالکل چشم پوشی کر لی گئی تھی حالانکہ تجربہ اور
مشاہدہ وہ موضوعات ہیں، جن میں مفید اور کارآمد انکشافات کی
بہت کچھ گنجائش ہے، بشرطیکہ غور و توجہ سے کام لیا جائے۔
اس کے برعکس ان موضوعات کی غور و پرداخت کی گئی جن میں
محض چند سادہ اور صریح حقائق کے انکشاف کی گنجائش تھی۔
اس کے بعد کسی قسم کے انکشاف کی گنجائش نہ تھی اور
نہایت غور و فکر کے بعد بھی شکوک و شبہات کا ازالہ اور
ظلمات و التباس کا تدارک ممکن نہ تھا۔ ان موضوعات کے ارتقا
کا نتیجہ یہ نکلا سفسطہ معراج کمال پر جا پہنچا اور مو شگافیوں
کی داد دی جانے لگی۔

ان سے علم موجودات ظہور پذیر ہوا۔

جب ایک دوسرے کے خلاف یہ دونوں
علم قائم ہو گئے تو اہل علم حضرات
ان دونوں میں مقابلہ کرنے لگے۔ اس کا
نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تیسرا علم معرض وجود میں آگیا جس
کا نام علم موجودات ہے۔ ان میں ان اوصاف و خواص سے
بحث ہوتی ہے جو ان دونوں علموں کے موضوعات میں مشترک
ہوتے ہیں، لیکن جس طرح اہل دین حضرات کے مابعد الطبیعات
اور روحانیات کا تارو پود سفسطہ اور موشگافیوں سے مربوط تھا

اسی طرح اس علم موجودات کا بھی انھیں سے مرکب تھا - یہی باعث ہے کہ کبھی کبھی اس کو مابعدالطبیعات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے -

فلسفہ اخلاق اپنے معیار سے گرگیا اور محض حجت بازی بن کر رہ گیا یا راہبانہ اخلاقیات کا مرادف بن گیا -

قدیم فلسفہ اخلاق کا مطمح نظر یہ تھا کہ اس امر کی تحقیق و تدقیق کی جائے کہ انسان کی مسرت و تکمیل کس چیز میں مضمر ہے لیکن انسان پر انفرادی حیثیت سے نظر نہ کی جائے بلکہ اس حیثیت سے کی جائے کہ وہ خاندان بشری کا ایک رکن ہے یا ریاست و معاشرۂ انسانی کا ایک فرد ہے - اس فلسفے میں حیات انسانی کے فرائض و منصبی مسرت و تکمیل حیات انسانی کے تابع ہوتے تھے لیکن اب وہ وقت آگیا کہ فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ طبیعات دونوں کی تعلیم دینیات کے تابع کر دی گئی اس لئے حیات انسانی کے فرائض منصبی حیات ما بعد کی مسرت و تکمیل کے تابع کر دئے گئے - فلسفۂ قدیم میں یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ تکمیل خیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کو کامل مسرت حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ انسان میں خیر کامل موجود ہو - فلسفہ جدید میں عام طور پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اکثر اوقات حیات دنیوی میں مسرت کا حصول محال ہے بلکہ قریب قریب ہمیشہ حیات دنیا اور مسرت و انبساط متضاد ہیں - اس فلسفے کی رو سے حصول جنت کے لئے نفس کشی اور توبہ اور استغفار لازم ہیں - جب تک کوئی راہبانہ عبوست و صرامت اختیار نہیں کرتا اور جوگیوں کی طرح اپنے نفس کو ذلیل و خوار نہیں بناتا اس وقت تک وہ بہشت کا مستحق نہیں ہو سکتا - اگر وہ مردانہ وار زندگی بسر کرتا ہے تو اپنے آپ کو فردوس بریں کے لئے نا اہل ثابت

کرتا ہے ۔ علمائے دین کے فلسفۂ اخلاق کا جز و اعظم اکثر اور بیشتر حالات میں حجت بازی اور کج بحثی قرار پا گیا ہے یا اس کا انحصار راہبانہ اخلاقیات پر رہ گیا ۔ علوم فلسفہ کے سب سے زیادہ اہم اور مہتم بالشان شعبے یہی تھے اور یہی سب سے زیادہ فساد پذیر ہوگئے ۔

فلسفے کی پانچ قسمیں حسب ذیل ہیں : (۱) منطق (۲) علم موجودات (۳) روحانیات (۴) فساد پذیر فلسفہ اخلاق (۵) علم طبیعات ۔

یورپ میں[۱] بیشتر دانش گاہوں میں فلسفے کا نصاب تعلیم یہ تھا ۔ سب سے پہلے منطق کی تعلیم دی جاتی تھی اس کے بعد علم موجودات کی باری آتی تھی اس کے بعد روحانیات کا نمبر تھا ۔ روح انسانی اور ذات باری کی نوعیت کا نظریہ بھی اس میں شامل تھا۔ چوتھے درجے میں فلسفۂ اخلاق تھا ۔ یہ فلسفہ حقیقت میں فساد پذیر ہو چکا تھا۔ اس کی نسبت عام خیال یہ تھا کہ یہ براہ راست نظریات روحانیات ارتقائے روح سے مربوط ہے اسی کا تعلق جزاءسزا سے ہے اور یہ جزا وسزا عدلی باری تعالیٰ کے مطابق حیات ما بعد میں دی جاتی ہے ۔ ان تمام کے بعد علوم طبیعات کی مختصر سی تعلیم دی جاتی تھی اور نصاب ختم کر دیا جاتا تھا ۔ یہ نظام طبیعات بالکل سر سری اور سطحی ہوتا تھا ۔

دانش گاہوں کی تعلیم اس کے لئے موزوں نہ تھی کہ دنیا کی گوں آدمی پیدا کرے ۔

اس طرح فلسفہ قدیم کے نصاب تعلیم میں یورپ کی دانش گاہوں سے کہیں کہیں کچھ تبدیلیاں بھی کی تھیں لیکن ان تمام تبدیلیوں کا تعلق کلیسائی تعلیم سے تھا اور مدعا یہ تھا کہ نصاب تعلیم دینیات کی

---

۱ طبع اول میں ''میں'' کی جگہ ''کی'' ہے ۔

تعلیم کے لئے موزوں ہو جائے اور اس کے لئے مقدمے کا کام دے سکے لیکن اسی نصاب تعلیم میں موشگافی کی اور سوفسطانیت کی تعلیم بھی شامل کر دی گئی تھی ان سے حجت بازی اور کج بحثی میں ترقی ہو گئی تھی اور راہبانہ اخلاق عام ہو گیا تھا۔ الغرض ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ نصاب شرفا کی تعلیم کے لئے موزوں نہ تھا اور ایسے آدمی پیدا نہ کر سکا کہ دنیا کی گوں ثابت ہو سکیں اور اس نصاب میں یہ صلاحیت بھی نہ تھی کہ ان کے قوائے دماغی کو ترقی دے یا ان کی واردات قلبی کی اصلاح کر سکے۔

یہ نصاب اب تک بھی اکثر دانش گاھوں میں کم و پیش محنت سے پڑھایا جاتا ھے۔

یہی نظام فلسفہ ھے کہ اب تک بھی یورپ کی اکثر دانش گاھوں میں رائج ھے اور اس کی تعلیم میں کم و بیش محنت و تند ھی سے کام لیا جاتا ھے۔ اس محنت و تند ھی کا انحصار اس درس گاہ کے دستور اساسی پر ھے۔ اگر اس دستور اساسی کے اعتبار سے اس کی تعلیم کے لئے محنت کی ضرورت ھے تو مدرس و معلم حضرات محنت سے پڑھاتے ھیں اور اگر اس دستور کے لحاظ سے یہ محنت زیادہ ضروری نہیں ھوتی تو مدرس و معلم حضرات بھی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ بعض بعض دانش گاھیں زیادہ سرمایہ دار اور وقف یاب ھیں۔ ان میں مدرس و معلم حضرات اس تخریب پذیر نصاب کے غیر مربوط شقات و قطعات پڑھاتے ھیں اور ان کو بھی نہایت سطحی اور سرسری طورپر پڑھاتے ھیں اور اسی پر اکتفا کرتے ھیں۔

دانش گاھوں نے فلسفے کی تعلیم میں اصلاح و ترمیم سے بہت کم کام لیا ھے اور سرمایہ دار درس گاھوں نے تو ان سے اور بھی کم کام لیا ھے ۔

حکمت اور فلسفے کے مختلف شعبوں میں آج کل کہیں کہیں اصلاح و ترمیم سے کام لیا گیا ھے لیکن ھماری دانش گاھیں ان کے بیشتر حصے سے اب تک بے نیاز ھیں ۔ ایسی دانش گاھیں محض چند ھیں جنھوں نے اس قسم کی اصلاحوں سے کام لیا ھے ۔ ھماری دانش گاھوں کا اکثر اور بیشتر حصہ ان اصلاحات کے اختیار کرنے میں کچھ زیادہ پیش پیش نہیں ھے ۔ ان تعلیم یافتہ معاشروں میں تعداد غالب ان کی ھے جو تعصبات قدیم کی پناہ گاھیں گنی جاتی ھیں اس لئے کہ ان کو ان باطل اور متروک تعصبات قدیم کے نظامات دین کے گوشے گوشے سے خارج کر دیا گیا ھے ۔ اگر ان کے لئے کہیں ملجاو ماویٰ ھے تو انھیں درسگاھوں میں ھے ۔ الغرض جو درسگاھیں سب سے زیادہ سرمایہ دار اور اوقاف یافتہ ھیں وہ ان اصلاحات و ترمیمات کے اختیار کرنے میں اوروں سے زیادہ سست اور کاھل ھیں ۔ یہ دانش گاھیں اس امر کی روا دار نہیں ھیں کہ قائم شدہ نظام تعلیم میں کسی قسم کی معتدبہ تبدیلی کی اجازت دیں لیکن یہ اصلاحات و ترمیمات ان دانش گاھوں میں آسانی سے رائج ھو سکتی تھیں ، جو نسبتاً کم سرمایہ دار تھیں اس لئے کہ ان میں جو مدرس اور معلم کام کرتے تھے وہ اپنی وجہ معاش کے جزو اکبر کے لئے شہرت و ناموری کے محتاج تھے اس لئے وہ اس امر پر مجبور تھے کہ وہ رائے عامہ کا احترام کریں اور دنیا کی موجودہ روش کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔[1]

---

۱ ملاحظہ ھو کتاب ھذا کے دفتر پنجم کا پہلا باب ۔

اس کے باوجود بھی دانش گاھوں نے شرفاو اھل زر حضرات کی تعلیم کو اپنی طرف مائل کر لیا ۔

یورپ کی دانش گاھوں اور عام درسگاھوں سے ابتدا ابتدا میں مقصود بالذات یہ تھا کہ ملک کو ایک خاص فن کی یعنی دینیات کی تعلیم دی جائے یہاں تک کہ یہ ادارے ان علوم کی تعلیم میں بھی بہت محنت و تندھی سے کام نہ کرتے تھے، جو اس فن کی تحصیل کے لئے ضروری اور لابدی گنے جاتے تھے ۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان اداروں نے رفتہ رفتہ پبلک کی تعلیم کو اپنی طرف مائل کر لیا اور شرفا اور اھل زر حضرات کو تو خاص طور پر اپنی طرف راغب کر لیا ۔ عالم طفلی اور عہد جوانی کے درمیان ایک طویل وقفہ حائل ھے، جب انسان معاملات دنیا کی طرف دل سے توجہ کرنے لگتے ھیں اور ان معاملات میں انسان باقی‌ماندہ تمام دوران حیات میں منہمک رھتے ھیں ۔ لیکن معلوم ھوتا ھے کہ اس وقفہ حیات کے صرف کے لئے صرف یہی طریقہ ھے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ موجود نہیں ھے ۔ درس‌گاھوں اور دانش‌گاھوں میں جو تعلیم دی جاتی ھے اس کا بیشتر حصہ انسان کو ان معاملات کے لئے تیار نہیں کرتا اور معلوم ھوتا ھے کہ اس تیاری کے لئے موزوں اور مناسب نہیں ھے ۔

انگلستان میں یہ رواج عام ھوتا جاتا ھے کہ لوگ نوجوانوں کو بیرونی ملکوں کی سیر و سیاحت کے لئے بھیجتے ھیں ۔ یہ طریقہ نہایت لغوولایعنی ھے مگر ھماری دانش‌گاھوں کی بے اعتباری پر دلالت کرتا ھے ۔ اگر ھماری دانش

سر زمین انگلستان میں یہ رواج روز بروز عام ھوتا جاتا ھے کہ جب نوجوان بچے مدارس کی تعلیم سے فارغ ھوجاتے ھیں تو ان کو سیر و سیاخت کی غرض سے بیرونی ملکوں میں بھیجدیا جاتا ھے اور کسی دانش گاہ میں نہیں بھیجا جاتا ۔ بیان کیا جاتا ھے کہ جب یہ نوجوان

گاہیں کسی لائق ہوتیں
تو یہ طریقہ عمل میں
نہ آتا۔

اس سیر و سیاحت سے واپس آتے ہیں تو
بہت ترقی یافتہ ہوتے ہیں مثلاً ایک
نوجوان سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں باہر جاتا اور اکیس سال کی
عمر میں واپس آتا ہے۔ اس کو اس عرصے میں تین چار سال باہر
رہنے کا موقع ملتا ہے۔ اس سن و سال میں یہ امر محال ہے کہ
کوئی نوجوان تین چار سال کے عرصے میں کافی ترقی حاصل نہ
کرے۔ اس سیر و سیاحت کے دوران میں یہ نوجوان عموماً ایک یا
دو غیر ملکی زبانیں سیکھ لیتے ہیں۔ لیکن یہ علم اتنا نہیں ہوتا کہ
یہ نوجوان اس زبان کو صحیح صحیح بول سکیں یا اس میں ٹھیک
طور پر کچھ لکھ سکیں۔ دیگر اعتبارات سے واپسی کے وقت یہ نوجوان
اس سے زیادہ گئے گزرے ہوتے ہیں۔ جتنے روانگی کے وقت ہوتے
ہیں۔ اب یہ زیادہ برخود غلط اور مغرور ہوتے ہیں اور وہ پہلے کی
نسبت زیادہ بے اصول اور بے لگام ہوتے ہیں اور اس قابل نہیں
رہتے کہ دل لگا کر مطالعہ کر سکیں یا محنت و تندھی سے کاروبار
چلا سکیں۔ اگر یہ لوگ باہر نہ جاتے تو ان برائیوں میں اتنی ترقی
نہ کرتے۔ جب یہ لوگ اس نوعمری کے عالم میں سیر و سیاحت
کرتے ہیں تو لامحالہ والدین اور عزیز و اقارب کی نگرانی اور روک
تھام سے باہر ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمر عزیز کے بہترین
سال لہوولعب اور آوارگی و اوباشی میں ضائع کر دیتے ہیں اور سابقہ
تعلیم و تربیت سے اگر کوئی اچھی عادت ان میں پیدا ہوسکتی تھی
تو وہ بھی راسخ نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے برعکس یا تو وہ عادت
بالکل کالعدم ہوجاتی ہے ورنہ نہایت کمزور تو ضرور ہو جاتی ہے۔
غیر ملکی سیر و سیاحت کا یہ طریقہ بالکل لغوولا یعنی ہے اگر ہماری
دانش گاہیں سر تا سر ساقط الاعتبار نہ ہوتیں تو یہ لغوولا یعنی

طریقه صاحب اعتبار نه هوتا بلکه وجود پذیر هی نه هوتا - اولاد کو بے کار اور غفلت کا شکار دیکھنا اور اپنی آنکھوں کے سامنے اس کو تباهی و بربادی میں مبتلا پانا والدین کے لئے سوهان روح هے ' اس لئے یه والدین اپنے بیٹوں کو بیرونی ملکوں میں بھیج دیتے هیں اور کم از کم کچھ عرصے کے لئے اس ناگوار حالت سے نجات پا لیتے هیں
هارے موجوده تعلیمی ادارات کے یه نتائج هیں -

معلوم هوتا هے که مختلف اقوام میں مختلف زبانوں میں تعلیم کے لئے مختلف نظام اور مختلف ادارے عالم وجود میں آئے هیں -

یونان میں یه قاعده تھا که ریاست ورزش گاهوں کسرت خانوں اور سرود گاهوں میں تعلیم کی نگرانی کرتی تھی -

یونان قدیم جمهوری ریاستوں میں یه قاعده تھا که عام آزاد شهریوں کو جسانی ورزش کی اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی تھی اور یه تعلیم ایک سرکاری افسر کی هدایت و نگرانی میں هوتی تھی - جسانی ورزش سے مقصود بالذات یه امر تھا که انسان کا جسم سخت اور سڈول اور اس کی همت تیز هوجائے اور وه اس قابل هو جائے که صعوبات و خطرات مهلک کا مقابله کرسکے اور یه واقعه هے که یونان کی ردیفی فوج کا شمار ان ردیفی افواج میں تھا - جو هر اعتبار سے ارفع و اعلیٰ گنی جاتی هیں - اس سے معلوم هوتا هے که ان کی تعلیم عامه کے ورزشی حصے کی غرض وغایت بوجه احسن پوری هو گئی - ان کی تعلیم کا دوسرا حصه موسیقی تھا که دماغ انسانی میں انسانیت کے جوهر پیدا کئے جائیں اور مزاج میں نرمی اور برد باری پیدا کی جائے تا که ان آزاد شهریوں میں یه صلاحیت پیدا هوجائے که انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے عمرانی اور اخلاقی فرائض منصبی کو بخوبی انجام دے سکیں - کم از

کم فلسفیوں اور مورخوں کا ادعا تو یہی ہے جنھوں نے اس ادارے کے حالات قلمبند کئے ہیں -

رومیوں میں فوجی کیمپ تھے - یہ ورزش گاھوں سے مشابہ تھے لیکن ان کے ہاں موسیقی نہ تھی مگر اس کے نہ ہونے سے ان کی حالت کچھ ابتر نہ تھی -

قدیم رومیوں میں مریخی میدان یا فوجی کیمپ تھے - یہ وھی کام دیتے تھے جو قدیم یونان[۱] میں اکھاڑے دیتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ھی عمدہ کام دیتے تھے جیسا یونانی اکھاڑے دیتے تھے - لیکن رومیوں کے ہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جیسی یونانیوں کے ھاں موسیقی کی تعلیم، لیکن اس کے باوجود بھی اخلاق و اطوار میں رومی یونانی سے پیچھے نہ تھے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی حیثیات حیات میں ان کے برابر بلکہ ان سے بہت بہتر تھے - اس امر کے متعلق پولی بیوس[۲] اور دائیونی سیوس[۳] ساکن ہیلی کارنےسوس کی صریح شہادتیں موجود ہیں کہ رومی انفرادی حیثیت حیات میں یونانیوں سے افضل و اعلیٰ تھے - یہ دونوں مصنف ان دونوں قوموں سے اچھی طرح واقف تھے اور تمام تاریخ یونان اور تاریخ کی روش اس امر کی شاھد ہے کہ اجتماعی حیثیت حیات میں رومی یونانیوں سے فائق و سابق تھے - آزاد قوموں کے عام اخلاق و عادات میں یہ امر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خوش مزاج ہوں اور بحث و نزاع کے وقت فریقین حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں لیکن یونان میں فریقین نزاع ہمیشہ تشدد پسند

---

۱ یہ دفتر پنجم کے پہلا باب کا اعادہ ہے -

۲ پولی بیوس کی شہادت کے متعلق ملاحظہ ہو - تاریخ جلد ۶ - صفحہ ۵۶ اور جلد ۱۸ صفحہ ۳۴ -

۳ دائیونی سیوس کی شہادت کے متعلق ملاحظہ ہو - انطیقات رومی - جلد دوم صفحات ۲۴ تا ۲۷ - بالخصوص صفحہ ۲۶

اور خون آشام ہوتے تھے - لیکن رومیوں کی حالت اس کے برعکس تھی یہاں تک کہ گریشی کے عہد حکومت سے پہلے رومیوں کی نزاعوں میں کبھی خونریزی نہیں ہوتی تھی اور گریشی کے عہد حکومت سے تو یوں سمجھنا چاہئے کہ سلطنت رومۃ الکبریٰ کا خاتمہ ہوگیا ہے لیکن افلاطون ، ارسطو اور پولی بیوس کی شہادت کے باوجود بھی یہ امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کی تعلیم نے اہل یونان کے اخلاق و اطوار پر کچھ زیادہ اثر نہیں کیا ، اس لئے کہ رومی اخلاق و عادات کے اعتبار سے یونانیوں سے ارفع و اعلیٰ تھے اگرچہ ان میں موسیقی کی تعلیم کا رواج نہ تھا حالانکہ یہ تینوں مصنف نہایت ثقہ، سنجیدہ اور واجب احترام ہیں اور مسٹر مانٹیکو نے ان کی شہادت کی تائید میں جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ زبردست ذہانیت پر مبنی ہیں لیکن ان کے باوجود بھی اخلاق و عادات پر موسیقی کا اثر زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔[۱] ان بزرگوں کی نظر میں قدیم آبا و اجداد کے ادب و احترام بدرجۂ غایت تھی - غالباً یہی باعث ہے کہ ان کا رجحان طبع اس طرف تھا کہ یہ ادارات سیاسی دانشمندی پر مبنی ہیں حالانکہ یہ محض رسم و رواج پر مبنی تھے شاید اس سے بہتر نہ تھے - البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ادارے ازمنہ قدیم سے دور حاضر تک مسلسل چلے آئے ہیں اور اس دور میں ان میں بہت کچھ اصلاح و ترمیم ہوگئی ہے - قریب قریب تمام وحشی اور بربری قوموں میں رقص و سرود سامان عیش

---

۱ افلاطون کی شہادت کے متعلق ملاحظہ ہو جمہوریہ افلاطون جلد سوم صفحات ۴۰۱ اور ۴۰۰ اور ارسطو کی شہادت کے متعلق سیاسیات ارسطو ۱۳۴۰ الف اور پولی بیوس کی شہادت کے متعلق تاریخ جلد چہارم صفحہ ۲۰ -

و نشاط میں محمول ہوتے چلے آئے ہیں - خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا شمار ان کمالات میں ہے، جو معاشرۂ انسانی کی تفریح کے لئے ضروری ہیں- جن کو یہ کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ معاشرۂ انسانی کا دل بہلانے کے لائق ہوجاتے ہیں- ساحل افریقہ کے حبشی باشندوں میں یہی خیالات اب تک پائے جاتے ہیں - قدیم کیلٹی لوگوں میں اور اسکینڈی نیویہ کے باشندوں میں بھی یہی خیالات موجود تھے اور ہومر کی تصانیف کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ ترائی سے پہلے یونان کے قدیم باشندوں میں بھی یہی جذبات موجزن تھے-۱ اس کے بعد وہ دور آیا کہ اہل یونان میں جمہوری ریاستیں قائم ہوگئیں لیکن ان کمالات کی تعلیم ایک عرصے تک جاری رہی اور یہی قرین قیاس بھی ہے کہ یہ کمالات اہل ملک کی تعلیم عامہ کا جزو شمار کئے جائیں -

فوجی کرتب سکھانے والوں اور موسیقی کی تعلیم دینے والوں کو تنخواہ نہ ملتی تھی - یہ لوگ ریاست کی طرف سے مقرر نہ کئے جاتے تھے -

رومۃ الکبریٰ اور ایتھینز میں فوجی کرتب سکھانے والوں اور موسیقی کی تعلیم دینے والے لوگوں کو تنخواہ نہ دی جاتی تھی - یہاں تک کہ یہ استاد ریاست کی طرف سے مقرر بھی نہ کئے جاتے تھے، حالانکہ جمہوریہ یونان کا شمار ان ریاستوں میں ہے، جن کے آئین و قوانین سے ہم کماحقہ، واقف ہیں - ریاست کا مطالبہ تھا کہ ہر آزاد شہری کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس قابل بنائے رکھے کہ دوران جنگ میں ریاست کے دفاع و تحفظ کے فرائض انجام

۱ ملاحظہ ہو ایلیڈ - باب ۱۳ - صفحہ ۱۳۷ باب ۱۸ - صفحات ۴۹۴ - ۵۹۴ اور اوڈیسی باب اول - صفحہ ۱۵۲ - باب ۸ - صفحہ ۲۶۵ باب ۱۸- صفحہ۳۰۴ - باب ۲۳ - صفحہ ۱۳۴-

دے سکے اس لئے لازم ہے کہ ہر آزاد شہری فوجی کرتب سیکھے - ریاست اس باب میں دخل نہ دیتی تھی کہ وہ کن استادوں سے سیکھیں اور کس سے نہ سیکھیں - اس باب میں آزاد شہری خود مختار تھے جس کو پاتے تھے اس سے سیکھ لیتے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے ریاست کچھ دیتی بھی نہ تھی لیکن میدان عامہ یا ورزش گاہ ضرور مہیا کردیتی تھی جس میں آزاد شہری فوجی کرتبوں کی مشق و مزاولت کرتے اور اپنے کارنامے دکھاتے تھے -

پڑھائی لکھائی اور حساب بطور خود حاصل کرتے تھے -

معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی ایام میں جمہوریۂ روم اور جمہوریۂ یونان میں ان کے علاوہ اور جو کچھ تعلیم تھی وہ پڑھائی لکھائی اور حساب دانی پر مشتمل تھی جس کی تعلیم اس دور کی مروجہ ریاضی کے مطابق ہوتی تھی - معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر کا دولت مند اور خوش حال طبقہ ان کمالات کو بسااوقات بطور خود اپنے گھر میں کسی خانگی مدرس کی مدد سے حاصل کرتا تھا - یہ مدرس غلام بھی ہوتا تھا اور آزادی یافتہ شہری بھی ہوتا تھا - ان کے علاوہ ایسے مدرس اور معلم بھی تھے کہ مدرسے کھول لیتے تھے اور تعلیم کا کام پیشے کی حیثیت سے کرتے تھے - غریب طبقے کے شہری ان مدرسوں میں جاتے اور تعلیم پاتے تھے - اس قسم کی تعلیم والدین پر چھوڑ دی جاتی تھی یا سرپرستوں کے ذمے ڈال دی جاتی تھی، یہاں تک کہ ریاست ان مدرسوں کا معائنہ بھی نہ کرتی تھی اور ان کی ہدایت و رہنمائی میں کچھ حصہ نہ لیتی تھی اور والدین اپنے بچوں کو کسی مفید اور کارآمد پیشے یا سود مند تجارت کی تعلیم نہ دیتے تھے بلکہ اس کی طرف سے غفلت برتتے تھے - سولن کے قانون سے پایا جاتا ہے کہ ایسے والدین کے بچے اس امر پر

مجبور نہ تھے کہ عہد پیری میں والدین کے اخراجات برداشت کریں۔[1]

فلسفے کی تعلیم پر ریاست کی طرف سے کوئی قید نہ تھی۔

جب تہذیب و تمدن کا بازار گرم ہوا اور فلسفہ اور علم بیان عالم وجود میں جلوہ گر ہوئے تو بالائی طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو ان علوم کی درس گاہوں میں بھیجنے لگے کہ وہاں جائیں اور ان علوم مروجہ کی تعلیم پائیں۔ لیکن ان درس گاہوں کو پبلک کی حمایت و امداد حاصل نہ تھی۔ ایک عرصے تک ان کو محض مباح سمجھا جاتا تھا۔ اس عرصے میں فلسفے اور علم بیان کی ضرورت بہت کم محسوس کی جاتی تھی، یہاں تک کہ جو لوگ ان علوم کی تعلیم دیتے تھے، ان کو کسی شہر میں مستقل روزگار نصیب نہ ہوتا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کو مجبوراً شہر شہر پھرنا پڑتا تھا۔ زینو ساکن ایلیہ اسی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ پروتاغورس، غارغیاث، ہپیاس اور اکثر دیگر باکمال اسی طرح گزارہ کرتے تھے، لیکن جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی فلسفے اور علم بیان کے مدرسے مقامی ہوتے گئے۔ پہلے ان علوم کے مدرسے ایتھینز میں کھولے گئے۔ اس کے بعد اکثر اور شہروں میں جاری کئے گئے، لیکن ہوتا یہ تھا کہ ریاست کی طرف سے ان کی حوصلہ فزائی نہ کی جاتی تھی۔ البتہ کبھی کبھی کسی کو درسگاہ کے لئے ریاست کی طرف سے جگہ دے دی جاتی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کیا جاتا تھا۔ اسی طرح کبھی کبھی معطی اور مخیر اشخاص بطور خود بھی یہ کام تو کر گزرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ریاست نے افلاطوں کو اکیڈیمی کے لئے اور ارسطو کو لائی سیوم یعنی جمعیتہ علمیہ کے لئے جگہ عطا کی تھی۔ اسی طرح

---

[1] ملاحظہ ہو حیات سولن۔ مصنفہ پلوٹارک بہ حوالۂ روح لوئی۔ جلد ۲۶ باب پنجم اور جلد ۵۴

زینو ساکن ستہ کو رواق کے لئے جگہ مرحمت فرمائی تھی - یہی زینو ہے جو فرقۂ جبریہ کا بانی ہے۔ ایبی کورس نے اپنے باغات اپنے مدرسے کے نام ہبہ کر دئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مارکس انتونی لوس کے عہد حکومت تک کسی مدرس یا معلم کو ریاست کی طرف سے تنخواہ نہ دی جاتی تھی - اس کو نذرانوں یا شاگردوں کی فیسوں پر گزارہ کرنا پڑتا تھا، اس کے علاوہ کچھ نہ ملتا تھا - یہ شہنشاہ فلسفی مزاج تھا - لوشین کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ اس نے فلسفے کے ایک معلم[۱] کے لئے ایک وظیفہ مقرر کر دیا ہے لیکن یہ وظیفہ اس شہنشاہ کی حین حیات تک قائم تھا اس کے بعد بند کر دیا گیا ان کے ہاں ایسی چیز نہ تھی جس کو مراعات طیلسان پوشی کا مرادف قرار دیا جا سکے اور کسی تجارت یا پیشے کی اجازت کے حصول کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ ان مدارس میں شرکت کی جائے۔ اگر یہ لوگ مفید اور سود مند سمجھے جاتے تھے تو شاگرد ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے - ورنہ قانون کسی کو مجبور نہ کرتا تھا کہ ان کے مدرسوں میں جائیں اور نہ کسی کو وہاں جانے کے صلے میں انعام دیتا تھا - معلموں کو شاگردوں پر کسی طرح کا اقتدار نہ تھا اور نہ کسی قسم کا اور کوئی اختیار تھا - اگر کچھ تھا تو وہ محض فطری اقتدار تھا - جب استادوں میں اعلیٰ درجے کی قابلیت اور نیکی ہوتی ہے تو شاگرد لامحالہ ان کی عزت کرتے اور ان کا حکم مانتے ہیں -

---

۱- طبع اول و طبع دوم میں لفظ ''ایک'' نہیں ہے - غالباً یہ لفظ 'کسی' کی جگہ غلطی سے لکھا گیا ہے یا '' اس کی حین حیات '' کے سمجھنے میں غلطی کی گئی ہے - سہواً اس کو حیات مدرس سے تعبیر کر لیا گیا ہے حالانکہ اس کا منشا ہے ''حیات شہنشاہ مارکس انتونی لوس'' ملاحظہ ہو یونوکوس باب سوم مصنفہ لوشین -

روۃ الکبریٰ میں قانون کی تعلیم کیلئے کوئی درس گاہ نہ تھی حالانکہ قانون پہلے وہیں مدون ہوا تھا اور وہیں اس نے باقاعدہ نظام کی صورت اختیار کی تھی -

رومۃ الکبریٰ میں دیوانی قانون کا مطالعہ تعلیم کا جزتھا لیکن اس کا اطلاق عام اہالیان شہر پر نہیں ہوتا تھا بلکہ چند خاص خاص خاندانوں پر ہوتا تھا- لیکن جو نوجوان لوگ قانون کی تعلیم حاصل کرنی چاہتے تھے، ان کے لئے کوئی سرکاری درس گاہ موجود نہ تھی - یہ نوجوان ایسے اقارب اور احباب کی صحبت اختیار کر لیتے تھے جو قانون سے واقف ہوتے تھے - تحصیل قانون کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہ تھا - اس مقام پر یہ کہنا موزوں ہے کہ اگرچہ قوانین فہرست دوازدہ جمہوریہ یونان کے قدیم قوانین سے منقول ہیں یا ان میں سے اکثر منقول ہیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ یونان میں قانون کی تدوین کبھی نہیں کی گئی اور یونان قدیم کی کسی جمہوری ریاست میں اس کو علمی حیثیت کبھی نہیں بخشی گئی- اس کے برعکس رومۃ الکبریٰ میں بہت ہی ابتدائی زمانے میں قانون کو علمی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور جو لوگ قانون فہمی میں مشہور ہوتے تھے وہ بہت زیادہ نام و نمود حاصل کرتے تھے - یونان کی قدیم جمہوری ریاستوں میں معمولی عدالتوں میں اکثر کئی کئی جماعتوں کے افراد شامل ہوتے تھے اس لئے ان میں کوئی ترتیب و تنظیم نہ پائی جاتی تھی- جمہوریہ ایتھینز میں حالت خاص طور پر نمایاں تھی - یہ افراد یونہی بے سروپا اپنے فیصلے صادر کر دیتے تھے یا ان فیصلوں کا انحصار فریقین کے شور و شغب اور ان کے جوش و خروش پر ہوتا تھا - غیر منصفانہ فیصلہ صادر کرنا بد نامی کا باعث ہوتا ہے مگر یونان میں یہ بدنامی کسی ایک شخص کے نام نہ لکھی جاتی تھی بلکہ اکثر کے نام لکھی جاتی تھی - کبھی کبھی یہ

بد نامی ، پان پانسو ، هزار هزار بلکہ ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار آدمیوں میں تقسیم ہو جاتی تھی (اس لئے کہ اکثر یونانی عدالتوں میں اتنے آدمی ہوتے تھے) اس صورت میں اس بدنامی کا بار کسی فرد واحد پر بہت زیادہ نہ پڑتا تھا۔ رومۃ الکبریٰ کی عدالتوں کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہاں کی عدالتوں میں یا تو صرف ایک جج ہوتا تھا یا صرف چند جج ہوتے تھے۔ اگر یہ جج انفصال مقدمات میں بے راہ روی یا غیر منصفانہ رویہ اختیار کرتے تھے تو ان کے نام و نمود پر اور ان کے کردار پر اثر پڑتا تھا۔ اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا اس لئے کہ یہ جج کھلی عدالت میں سماعت مقدمات کرتے تھے۔ جہاں کہیں شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے تو یہ جج اور ججوں کے سابقہ فیصلوں سے مدد لیتے تھے اور اسی عدالت میں یا اور عدالتوں میں سابقہ ججوں کے صادر کردہ فیصلوں کے نمونوں کی تقلید کرتے اور اپنی برات کا سامان بہم پہنچا لیتے تھے، اس لئے کہ یہ جج الزام سے بچنا چاہتے تھے۔ اس روے اور اس تقلید پسندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون رومۃ الکبریٰ میں ایک گونہ باقاعدگی پیدا ہو گئی اور اس نے ایک ضابطہ نظام کی صورت اختیار کرلی اور اسی باضابطہ صورت میں یہ قانون ہم تک پہنچا ہے اور جن ملکوں میں ارتقائے قانون کی طرف اسی طرح توجہ مبذول کی جاتی ہے، وہاں اسی قبیل کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ رومیوں کا کردار یونانیوں کے کردار سے ارفع و اعلیٰ ہے جیسا کہ پولی بیوس اور دائیونی سیوس ساکن ہیلی کار ے سوس کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ بہتری کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ ان رومیوں کی عدالتیں یونانیوں کی عدالتوں سے بہتر تھیں۔ یہ راز جس قدر ان عدالتوں کی بہتری میں مضمر ہے اس قدر کسی اور امر میں مضمر نہیں ہے جو ان مصنفوں نے بیان کئے ہیں۔[۱] بیان کیا

۱۔ ملاحظہ ہو دفتر پنجم کا پہلا باب۔

جاتا ہے کہ اہل روم اس امر میں اوروں سے ممیز و ممتاز ہیں کہ یہ لوگ اپنی قسموں کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں لیکن اہل روم ان عدالتوں کے سامنے قسمیں کھاتے اور حلف اٹھاتے تھے جو انفصال مقدمہ میں محنت کی داد دیتی تھیں اور تمام امور سے بخوبی آگاہ اور با خبر ہوتی تھیں اور یونانی ان عدالتوں کے سامنے قسمیں کھاتے اور حلف اٹھاتے تھے جن میں بے قاعدہ اور بے اصول لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا - یہی وجہ ہے کہ اہل روم اس امر کا احترام کرتے تھے کہ ہم نے کس بات کی قسم کھائی ہے یونانی اس امر کا کچھ خیال نہ کرتے تھے -

نظام قدیم نظام جدید سے زیادہ کامیاب تھا موجودہ نظام سے قومی تعلیم میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور نجی تعلیم کا دم بند ہو گیا ہے -

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ اہل روم اور اہل یونان کی مصافی اور غیر مصافی قابلیتیں موجودہ قوموں کے برابر تھیں - لیکن ہمارے تعصب کا تقاضا ہے کہ ان کو فائق و سابق ظاہر کیا جائے - لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اس امر کی زحمت کبھی گوارا نہ کرتی تھی کہ یہ قابلیتیں پیدا کرے - اس سے اگر کوئی شے مستثنیٰ تھی وہ ورزشیں تھیں جن کا تعلق فوجی کرتبوں سے ہے اور یہ امر تو کسی طرح قابل اعتبار ہو ہی نہیں سکتا کہ یونانی موسیقی کی تعلیم کو ان قابلیتوں سے کچھ سروکار ہو سکتا ہے - لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں میں بالائی طبقات کے لوگوں کو ان علوم و فنون کی تعلیم کے لئے استاد مل جاتے تھے جو حالات گرد و پیش کے اعتبار سے ضروری اور سہل الحصول گنے جاتے تھے - قاعدہ ہے کہ جس چیز کی مانگ ہوتی ہے وہ مہیا کی جاتی ہے اس لئے اس تعلیم کی مانگ نے لوگوں میں اس تعلیم کے دینے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ

جب مقابلے میں کسی قسم کی قید نہیں ہوتی تو رقابت اور ھمسری میں ترقی ھوتی جاتی ھے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ھوا کہ رقابت و ھمسری میں ترقی ھو گئی اور اس کی بدولت تعلیم دھی کی صلاحیت میں بہت کچھ اضافہ ھو گیا اور وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ یہ قدیم فلاسفہ غور و توجہ میں ایک گونہ اشتعال پیدا کر دیتے تھے اور اپنے سامعین کے اصول و آرا پر ایک خاص اقتدار حاصل کر لیتے تھے۔ اس سے ان کے سامعین کے کلام اور کردار میں ایک شان پیدا ھو جاتی تھی۔ ان تمام اعتبارات سے فلاسفۂ قدیم اساتذۂ جدید سے بمدارج ارفع و اعلیٰ ھوتے تھے۔ آج کل کچھ ایسے حالات رونما ھوگئے ھیں کہ معلموں اور مدرسوں کی محنت اور تندھی میں کم و بیش خلل پیدا ھو گیا۔ ان حالات کی وجہ سے یہ معلم و مدرس حضرات اس امر سے بے نیاز ھو گئے کہ شہرت اور ناموری حاصل کریں اور اپنے پیشے میں کامیاب ھو کر دکھائیں۔ ان کی تنخواھوں کے لحاظ سے ان کے مقابلے میں نجی معلموں اور مدرسوں کی حیثیت وھی ھو جاتی تھی جو مالی امداد یافتہ تاجروں کے مقابلے میں ان سوداگروں کی ھوتی تھی جو مالی امداد بغیر تجارت کرتے تھے۔ اگر یہ دونوں تاجر اپنا مال قریب قریب یکساں قیمت پر فروخت کریں گے تو اس تاجر کا دیوالہ نکل جائے گا جو مالی امداد سے بے بہرہ ھے اور اگر دیوالے اور تباھی کی نوبت نہ آئے گی تو افلاس اور گدا گری میں تو کچھ شک نہ رھے گا۔ اگر یہ تاجر اپنا مال گراں تر بیچیں گے تو خریدار کہاں سے لائیں گے۔ اس سے ان کی حالت کچھ اچھی نہ ھوگی۔ اس کے علاوہ اکثر ملکوں میں مراعات طیلسان پوشی ضروری ھیں یا تعلیمی پیشہ اختیار کرنے والوں کے لئے نہایت آسان ھیں یعنی ان مراعات طیلسان پوشی کا حصول ان لوگوں کی تعداد غالب کے لئے از بس ضروری ھے جس کے لئے

فاضلانہ تعلیم کے حصول کے مواقع موجود ہیں۔ لیکن ان مراعات کے حصول کے لئے لازم ہے کہ کسی پبلک معلم کے درس میں شرکت کی جائے اور کوئی شخص کسی نجی معلم کے درس میں شامل ہوتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ ان مراعات کا مطالبہ کرسکے خواہ یہ معلم کیسا ہی لائق اور قابل کیوں نہ ہو اور اس کے درس میں کتنے ہی غور و توجہ سے شمولیت کیوں نہ کی گئی ہو۔ یہ علل و اسباب ہیں جن کی وجہ سے نجی معلموں اور مدرسوں کا شمار ادنیٰ ترین علمائے ادب میں ہے اور یہ علمائے ادب ان تمام علوم میں نہایت کم مایہ گنے جاتے ہیں جو موجودہ دانش گاھوں میں پڑھاتے ہیں۔ اصلی اور حقیقی قابلیت کے بزرگوں کے لئے اس سے زیادہ ذلت آمیز اور کوئی امر نہیں ہو سکتا کہ اُن کو مجبور کیا جائے کہ جو کام وہ کریں وہ نہایت کم نفع بخش ہو۔ اسکولوں اور کالجوں کو جو اوقاف عطا کئے جاتے ہیں، اس طرح وہ سرکاری معلموں اور مدرسوں کے اخلاق کی تخریب کا موجب ثابت ہوتے ہیں اور ان کی محنت و تندھی کی عادت میں خلل پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ عمدہ نجی معلموں کا ملنا بھی محال ہو جاتا ہے۔

اگر سرکاری تعلیمی درس گاهیں نہ ہوتیں تو جو کچھ پڑھایا جاتا وہ مفید اور سود مند علم پڑھایا جاتا اس کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھایا جاتا۔

اگر تعلیم کے لئے سرکاری ادارے موجود نہ ہوتے تو کوئی ایسا نظام وجود میں نہ آتا جس کی ضرورت نہ ہوتی اور کوئی علم بے ضرورت نہ پڑھایا جاتا۔ اس صورت میں وہی علوم پڑھائے جاتے جو از روئے حاجت ضروری ہوتے یا سہل الحصول گنے جاتے اور اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا کہ ان کا نہ جاننا وضع داری کے خلاف سمجھا جاتا۔ اگر کوئی نجی معلم کسی متروک

علم کی تعلیم دیتا یا کوئی ایسا علم پڑھاتا کہ کبھی مفید اور سود مند گنا جاتا تھا مگر اب عتیق اور بے وقت ہو گیا تو اس سے بھی کبھی کچھ فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ اسی طرح کسی ایسے علم کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکتا جو عام طور پر بیکار محض سمجھا جاتا یا غیر معقول سفسطہ یا لا یعنی انبار خیال کیا جاتا۔ اس قبیل کے نظامات و علوم کہیں قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر رہ سکتے ہیں تو محض تعلیم کے شخصیاتی معاشرات میں قائم رہ سکتے ہیں اس لئے کہ ان کی خوش حالی اور کامیابی کا انحصار اور ان کے مداخل و محاصل کا دار و مدار ان کی شہرت اور ناموری پر نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ان سے بے نیاز ہوتا ہے اور اس خوش حالی اور کامیابی میں ان کی محنت اور جانفشانی کو کچھ دخل ہوتا ہی نہیں۔ اگر تعلیم کے سرکاری ادارے نہ ہوتے تو ہمارے شرفا و اکابر بیگانۂ تعلیم نہ رہتے۔ یہ بزرگ زادے تمام نصاب تعلیم کا مطالعہ نہایت محنت و قابلیت سے کرتے ہیں مگر جب درس گاہوں سے باہر آتے ہیں تو ان تمام امور سے نا آشنا ہوتے ہیں جن پر عام طور پر شرفا و اکابر میں تبادلۂ خیالات ہوتا ہے یا حالات زمانہ کے لحاظ سے جن کا جاننا دنیا دار لوگوں کے لئے لا بدی ہوتا ہے۔

زنانہ تعلیم کے لئے تعلیم گاہیں نہیں ہیں اس لئے ان کی حالت بہتر ہے۔

زنانہ تعلیم کے لئے سرکاری درس گاہیں نہیں ہیں۔ یہی باعث ہے کہ زنانہ نصاب تعلیم میں کوئی بات بیکار اور لغوولایعنی نہیں ہے۔ یہ نصاب وہمی اور خیالی مضامین سے بالکل پاک ہے۔ عورتوں کو انہیں مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان کے والدین کے نقطۂ نظر سے ان کے لئے مفید اور کارآمد

متصور ہوتے ہیں اور ان کو وہی چیزیں سکھائی جاتی ہیں جو ان کے سرپرستوں کے نزدیک ضروری سمجھی جاتی ہیں - اس کے علاوہ ان کو اور کچھ نہیں سکھایا جاتا - ان کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے اس کا رجحان کسی نہ کسی مفید اور کارآمد مقصد کے حصول کی طرف ہوتا ہے - ان کی تعلیم کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ ان ذاتی کشش و گیرائی میں اضافہ ہو یا ان کے دماغ کو ترقی دی جائے کہ وہ شرم و حیا، عفت و عصمت اور کفایت و جزرسی کے اصولوں پر کاربند ہوں اور مناسب وقت پر اپنے اپنے گھر کی مالکہ بن سکیں اور جب اس منصب جلیلہ پر فائز ہوجائیں تو اس منصب کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے سکیں - عورت کی تعلیم و تربیت اس کی حیات کے ہر شعبے میں اس کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے - ادائے فرائض میں گوناگوں سہولتیں پیدا کردیتی ہے - مرد تعلیم کے حصول میں تکلیفیں اٹھاتے اور عرق ریزی سے کام لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ادائے فرض میں اس صعب و دشوار تعلیم سے ان کو کسی طرح کی مدد نہیں ملتی یہاں تک کہ کسی قسم کی سہولتیں بھی بہم نہیں پہنچتیں - اب سوال یہ پیدا

کیا ریاست کو چاہئے کہ تعلیم کی طرف توجہ مبذول نہ کرے -

ہوتا ہے کہ ریاست تعلیم عامہ کی طرف توجہ مبذول کرے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے اور اگر ریاست اس کی طرف توجہ مبذول کرے تو تعلیم کے کن کن حصوں کی طرف کرے اور عامۃ الناس کے کس طبقے کو کس قسم کی تعلیم دے اور اس تعلیم کے لئے کیا طریقے اختیار کرے -

بعض حالتوں میں اس کو چاھئے کہ توجہ مبذول کرے اور بعض حالتوں میں اس کو چاھئے کہ تعلیم کو اس کے حال پر چھوڑ دے -

بعض بعض حالات میں ریاست عامۃالناس کے افراد کثیر کو وہ حیثیت بخش دیتی ھے کہ ان میں وہ تمام قابلیتیں خود بخود پیدا ھوجاتی ھیں جن کی ریاست مذکور کو ضرورت ھوتی ھے - اس کے لئے حکومت کی توجہ کی حاجت نہیں ھوتی - اسی زمرے میں ان صفات کا بھی شمار ھے جن کو ریاست تعلیم دیتی ھے - دیگر حالات میں ریاست ایسا نہیں کرتی اور عامۃالناس کے افراد کثیر کو وہ حیثیت نہیں بخشتی - اس صورت میں حکومت کی کچھ نہ کچھ توجہ ضروی ھوتی ھے ورنہ نظام معاشرت خلل پذیر ھوجاتا ھے اور عامۃ الناس کی جماعت کثیر میں فساد و انحطاط پیدا ھوجاتا ھے -

اگر حکومت توجہ نہیں کرتی تو تقسیم عمل سے دماغی، عمرانی اور فوجی صفات کا قلع قمع ھوجاتا ھے -

جب تقسیم عمل کے اصول پر عمل کیا جاتا ھے تو جماعت انسانی کے افراد کثیر کے اعمال و افعال چند سیدھے سادے اور آسان امور میں محصور ھوجاتے ھیں - بسااوقات ان امور کی تعداد دو سے زیادہ نہیں ھوتی - یہ جماعت انسانی وہ ھے جو محنت کرتی اور کما کے کھاتی ھے - جماعت انسانی کی تعداد غالب کے دماغ کا نشو و نما انہیں اعمال و اشغال پر مبنی ھوتا ھے جو ان کو انجام دینے پڑتے ھیں - ایک آدمی ھے کہ اس کو محض چند سیدھے سادے اور آسان کام کرنے پڑتے ھیں اور ان سے جو نتائج مرتب ھوتے ھیں وہ بھی ھمیشہ یکساں یا قریب قریب یکساں رھتے ھیں - اس کو کبھی دماغ سے کام لینے اور دماغی قابلیت پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا - اس کے رستے میں کبھی مشکلات حائل نہیں ھوتیں اس لئے اس کو ان ترکیبوں

کے ایجاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جو حل مشکلات کے لئے لازم ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محنت کرنے اور تکلیف اٹھانے کی قابلیت نہیں رہتی اور یہ شخص اس قدر احمق اور نادان محض ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کا دماغ اس قدر سست ہوجاتا ہے کہ وہ مدلل اور معقول انداز سے گفتگو بھی نہیں کرسکتا بلکہ اس قسم کی گفتگو میں حصہ بھی نہیں لے سکتا۔ اس کے علاوہ اس شخص میں یہ صلاحیت بھی باقی نہیں رہتی کہ وہ کشادہ دلی، بلند حوصلگی اور آزاد خیالی کے جذبات کو دل میں جگہ دے سکے یہاں تک کہ یہ شخص اس قابل بھی نہیں رہتا ہے کہ خود اپنی روزانہ زندگی کے معمولی فرائض کی انجام دہی سے عہدہ برا ہوسکے اور ان کے متعلق کوئی معقول رائے قائم کر سکے۔ جہاں تک ملک و قوم کے منافع و مفاد کا تعلق ہے یہ ان کی طرف سے بے نیاز ہے۔ ان پر غور و فکر کرنا اس کا فرض نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ یہ شخص دوران جنگ میں اپنے ملک کا تحفظ بھی نہیں کرسکتا البتہ یہ حالت مستثنیٰ ہے کہ اس امر کی روک تھام کی جائے کہ یہ شخص اس حالت میں در نہ آنے پائے۔ اس کی روزانہ زندگی پر جمود طاری ہوتا ہے اس لئے کہ ہمیشہ ایک ڈگر پر چلی جاتی ہے۔ اس سے اس کا حوصلہ پست اور دماغ مردہ ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس سپاہی کی زندگی ہے کہ بے ثباتی کا آئینہ اور نشیب و فراز کا نقشہ ہے۔ یہ سر تا سر غیر یقینی اور مہم پسندی کا مرادف ہے۔ اس قسم کی سپاہیانہ زندگی سے اس شخص کو بالطبع نفرت ہوتی ہے۔ اس تقسیم عمل کی بدولت اس کی چستی چالاکی اور بدن کی پھرتی میں بھی انحلال پیدا ہوجاتا ہے۔

یہ شخص نہ محنت مشقت کرسکتا ہے نہ صبر و استقلال سے کام لے سکتا ہے - یہ شخص صرف وہی کام کرسکتا ہے جس میں عمر گزاری ہے- اس کے علاوہ اور کوئی، کام نہیں کرسکتا - اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنے پیشے میں بصیرت اور چابک دستی حاصل کر لیتا ہے مگر اس کے معاوضے میں اس کو سمجھ بوجھ سے دست بردار ہونا اور عمرانی اور فوجی اوصاف کو خیر باد کہنا پڑتا ہے - ہر مہذب اور ترقی یافتہ قوم میں یہی حالت پائی جاتی ہے اور غریب مزدوروں اور نادار لوگوں کی تعداد غالب اسی حالت میں گرفتار ہوتی ہے - یہ غریب مزدور اور نادار لوگ اپنی کوشش سے اس حالت سے نہیں نکل سکتے - یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی طرف توجہ مبذول کرے -

وحشی اور بربری قوموں کی حالت اس کے برخلاف ہے آن کو ہمیشہ ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں اور یہ ضرورتیں ان اوصاف کو قائم رکھتی ہیں -

وحشی اور بربری قوموں کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے - ان قوموں میں عام طور پر شکاری اور چوپان ہوتے ہیں- اسی زمرے میں کسانوں کا وہ طبقہ بھی شامل ہوتا ہے جو مصنوعات کی اصلاح اور تجارت کی ترقی سے پہلے ہوتا ہے- معاشرت انسانی کی اس حالت میں ہر شخص کے اشغال و افعال گوناگوں ہوتے ہیں اور ایک ایک فرد کو کئی کئی کام انجام دینے پڑتے ہیں - ان کاموں کی انجام دہی میں ان وحشی قوموں کو طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں - ان کے حل کرنے کے لئے ان کو سوچنا اور دماغ لڑانا پڑتا ہے یہاں تک کہ ان مشکلات کے حل کی کوئی صورت نکل آتی ہے - اختراع و ایجاد کا رستہ کھلا رہتا ہے اور دماغ کو اس امر کی مہلت نہیں

دی جاتی کہ وہ خوابیدہ اور بیکار رہے اور اس خوابیدگی کے عالم میں حماقت و نادانی کے قعر عمیق میں جا گرے۱ حالانکہ خوابیدگی اور بیکاری کی یہی حالت ہے کہ مہذب اور ترقی یافتہ قوموں میں افراد انسانی کے ادنیٰ اور زیریں طبقات کے قوائے دماغی کو بالکل بے حس کر دیتی ہے۔ ان نام نہاد وحشی قوموں میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ہر فرد بجائے خود ایک سپاہی ہوتا ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی حد تک مدبر و سیاست دان بھی ہوتا ہے اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے متعلق کم و بیش مدلل اور معقول طرز عمل اختیار کرسکتا ہے اور اسی طرح ان لوگوں کے رویے پر بھی تنقید کرسکتا ہے جو ان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قوم کا کوئی فرد دماغی نشو و نما کے اعتبار سے اس قدر ترقی یافتہ نہیں ہوسکتا جس قدر مہذب و متمدن اقوام کے بالائی طبقات کے بعض افراد ہوتے ہیں۔ ان بالائی طبقے کے افراد عقل و دانش سے آراستہ اور ان کے دماغ نشو و نما یافتہ ہوتے ہیں۔ ناشائستہ اور ناتراشیدہ اقوام میں ہر شخص کے اشغال و افعال میں ایک گونہ تنوع پایا جاتا ہے مگر یہ تنوع اس قوم کے تمام افراد میں نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص وہی کام کرتا ہے جو دوسرا کرتا ہے اور جو کام ایک شخص کر سکتا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ ہر فرد ایک خاص حد تک معلومات رکھتا ہے اور کسی نہ کسی حد تک ذہانت اور اختراع پسندی سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ مگر ایسا کوئی متنفس نہیں ہوتا کہ ان میں یدطولیٰ رکھتا ہو لیکن

۱ طبع اول میں ہے۔ دماغ انسانی۔

یہی مقدار معلومات اور یہی درجۂ ذہانت اور اختراع پسندی اس کے لئے کاروبار حیات کی انجام دہی کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مہذب اور شائستہ قوموں میں جماعت انسانی کے افراد کثیر کے مشاغل میں کسی قسم کا تنوع نہیں ہوتا لیکن من حیث القوم تمام کے مشاغل میں بہت زیادہ تنوع ہوتا ہے۔ اس تنوع میں بالائی طبقے کے چند افراد میں غور و خوض اور فکر و تامل کے لئے بہت کچھ سامان موجود ہوتا ہے۔ یہ چند افراد کسی خاص پیشے سے وابستہ نہیں ہوتے۔ یہ لوگ ذی مقدور اور صاحب فرصت ہوتے ہیں اس لئے بالطبع اوروں کے اشغال و افعال پر غور و فکر کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سوچنے اور غور کرنے کے لئے ان کے سامنے وسیع میدان ہوتا ہے اس میں گوناگوں اور بو قلموں چیزیں ہوتی ہیں کہ ان کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ ان کو ان سب پر غور کرنا اور ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس میں ان کو نئی نئی ساختوں اور گوناگوں ترکیبوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس سے ان کے دماغوں میں غیر معمولی تیزی اور ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے اس لئے لازم ہے کہ یہ چند افراد خوش حال اور فارغ البال ہوں۔ اگر یہ لوگ فکر فردا سے بے نیاز نہ ہونگے تو اپنی غیر معمولی قابلیتوں سے نہ تو حکومت کی مدد کر سکیں گے اور نہ قوم کو کچھ فائدہ پہنچا سکیں گے اور ان کی واجب الاحترام قابلیتیں محض رائگاں ثابت ہوں گی اور معاشرۂ انسانی کی مسرت و خوشنودی میں اضافہ نہ کریں گی۔ ان چند چیدہ اور برگزیدہ بزرگوں کی غیر معمولی ارفع و اعلیٰ

قابلیتوں کے باوجود بھی عامۃ الناس کی تعداد کثیر سے کردار انسانی کے بہترین اجزا نیست و نابود ھوجائیں۔

عامۃ الناس کی تعلیم ریاست کی توجہ کی اس سے زیادہ مستحق ھے جتنی با مقدور اور ذی وجاھت طبقے کی ھے۔ ذی حیثیت بچوں کے والدین ان کی تعلیم کی نگہداشت کر سکتے ھیں اس لئے کہ یہ لوگ مختلف عہدوں پر اور خصوصاً ان پیشوں پر قابض رھتے ھیں جن میں دماغ سے کام لینا پڑتا۔

مہذب اور تجارتی قوموں میں ھر طبقے کی تعلیم ریاست کی توجہ کی مستحق ھوتی ھے مگر عامۃ الناس کی تعلیم اس توجہ کی جس قدر مستحق ھوتی ھے اس قدر ذی وجاھت اور بامقدور طبقے کی تعلیم نہیں ھوتی ذی وجاھت اور صاحب مقدر لوگوں کے بچے عام طور پر اٹھارہ انیس سال کی عمر میں کسی خاص پیشے یا کسی خاص کار و بار میں در آتے ھیں۔ اس سے پہلے وہ کسی ایسے کام میں حصہ نہیں لیتے جس میں وہ امتیاز حاصل کرنا چاھتے ھیں۔ اس عمر سے پہلے ان کو وہ کمالات حاصل کرنے پڑتے ھیں، جو پبلک کی نظر میں احترام حاصل کرنے کے لئے ضروری گنے جاتے ھیں یا کم از کم یہ بچے اس عمر سے پہلے اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار کرتے ھیں کہ آئندہ چل کر ان کو حاصل کر سکیں یا اپنے آپ کو احترام عامہ کا مستحق ثابت کر سکیں۔ ان بچوں کے والدین عموماً اس امر کے خواھاں ھوتے ھیں کہ یہ بچے ان کمالات سے آراستہ ھوں اور اکثر حالات میں وہ مصارف برداشت کرنے پر آمادہ ھوتے ھیں جو اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری سمجھے جاتے ھیں۔ اگر ان بچوں کی تعلیم موزوں اور مناسب ثابت نہیں ھوتی تو اس میں ان مصارف کی کمی کو کچھ دخل نہیں ھوتا جو ان کی تعلیم پر کئے جاتے ھیں، بلکہ اس کی تہ میں یہ امر مضمر ھوتا ھے کہ ان مصارف کا استعمال غلط کیا گیا ھے۔ اس میں معلموں اور مدرسوں کی کمی کو بھی کچھ دخل

نہیں ہوتا بلکہ ان کی غفلت اور نا قابلیت کو ہوتا ہے ۔ موجودہ حالات میں عمدہ معلموں اور مدرسوں کا حصول دشوار بلکہ محال ہے ۔
عامۃ الناس کے مشاغل حیات سیدھے سادے اور بلا تنوع ہوتے ہیں ۔ اس کے برعکس ذی وجاہت اور بامقدور لوگوں کے مشاغل حیات میں تنوع پایا جاتا ہے ۔ یہ مشاغل بسا اوقات نہایت پیچیدہ اور دشوار ہوتے ہیں ۔ ان مشاغل کی انجام دہی میں ان کو جتنا کام دماغ سے لینا پڑتا ہے اتنا ہاتھوں سے نہیں لینا پڑتا ۔ لہذا ان لوگوں کی فہم و فراست مسلسل مشق و مہارت کے باعث[1] کبھی سست نہیں ہونے پاتی ۔ اس کے علاوہ ذی استطاعت اور بلند مرتبہ لوگوں کے مشاغل صبح سے شام تک ان کی توجہ کے طالب نہیں ہوتے ۔ یہ لوگ اکثر صاحب فرصت ہوتے ہیں ۔ اس فرصت میں یہ لوگ چاہیں تو علم کی ہر صنف میں کمال حاصل کرسکتے ہیں خواہ وہ علم مفید اور سود مند ہو یا محض آرائش و نمائش کے کام آتا ہو ۔ اگراوائل عمر میں یہ لوگ اس علم کی بنیاد قائم کر چکتے ہیں یا اس کے متعلق ذوق پیدا کرچکتے ہیں تو اب اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں ۔

غریبوں کے بچوں کو یہ شان نصیب نہیں ہوتی ۔

عوام الناس کی حالت اس کے خلاف ہے ان کو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ تعلیم کی طرف توجہ کرسکیں ۔ ان کے والدین عہد طفلی میں بھی ان کی پرورش کے مصارف برداشت نہیں کرسکتے ۔ جب یہ کام کے لائق ہوجاتے ہیں تو کسی نہ کسی کام پر لگادئے جاتے ہیں کہ کچھ کمائیں اور اپنے گزارے کے سامان میں باپ کا ہاتھ بٹائیں ۔ جو کام یہ اختیار کرتے ہیں وہ نہایت سیدھا سادہ اور آسان

---

[1] طبع اول میں ہے ’’ سے ‘‘ ۔

ہوتا ہے۔ اس میں اتنا تنوع نہیں ہوتا کہ ان کو دماغ پر زور دینے اور سمجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت پیش آئے۔ اس کے علاوہ ان کا کام اتنا سخت اور دشوار ہوتا ہے کہ صبح سے شام تک ان کو ایک لمحے کی فرصت نہیں ہوتی اس لئے ان کی طبیعت میں یہ رجحان پیدا ہی نہیں ہوتا کہ یہ لوگ کسی اور کام کی طرف توجہ کرسکیں۔

ریاست کو چاہئے کہ عوام الناس کو لکھائی پڑھائی اور حساب کا شوق دلائے۔

اگرچہ مہذب اور متمدن قوموں میں عوام الناس کے بچوں کو وہ تعلیم نہیں دی جاتی جو ذی حیثیت اور ذی مرتبہ لوگوں کی اولاد کو دی جاتی ہے لیکن پڑھائی لکھائی اور حساب کی تعلیم بہت چھوٹی عمر میں دی جاسکتی ہے یہاں تک کہ ادنیٰ ترین طبقے کے بچے بھی اس کی تحصیل کے لئے فرصت نکال سکتے ہیں اور تعلیم کے اہم ترین اجزا یہی ہیں اور ادنیٰ ترین طبقے کے بچوں کا بھی بیشتر حصہ کسی اور کام میں لگنے سے پہلے ان کو حاصل کرسکتا ہے۔ اگر ریاست تھوڑا سا خرچ بھی گوارا کرے تو اس کے حصول میں آسانیاں پیدا کرسکتی ہے اور عوام کو اس کی تحصیل کا شوق دلاسکتی ہے بلکہ اگر وہ چاہے تو عامۃالناس پر زور دے سکتی ہے اور ان کو تعلیم کے ان اجزائے ثلاثہ کی تحصیل کی طرف مائل کرسکتی ہے جو نہایت اہم اور ضروری ہیں۔

اس کو چاہئے کہ ہر علاقے میں اسکول کھول دے۔

ریاست کو چاہئے کہ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں مدرسے کھول دے۔ ان کی وجہ سے ان اجزائے تعلیم کی تحصیل میں سہولتیں پیدا ہوجائیں گی۔ ان میں نذرانہ اس قدر کم رکھا جائے

کہ معمولی مزدور بھی دے سکے۔ ان مدرسوں میں بچے آسانی سے تعلیم پاسکیں گے۔ ریاست کو چاہئے کہ مدرسوں اور معلموں کی تنخواہ کا ایک حصہ خود ادا کرے مگر تمام تنخواہ خود نہ دے بلکہ اس کا بیشتر حصہ بھی نہ دے ورنہ معلم اور مدرس سست ہو جائیں گے اور اپنے فرض کی ادائگی میں غفلت کرنے لگیں گے۔ اسکاچستان میں اس قسم کے مدرسے موجود ہیں۔ ان میں عوام الناس سے قریب قریب تمام بچوں کو پڑھائی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کی آبادی کے اکثر حصے کو لکھائی اور حساب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ انگلستان میں خیراتی اسکول ہیں۔ وہاں بھی اس قسم کے نتائج مرتب ہوئے ہیں، لیکن یہ نتائج اپنی نوعیت میں اس قدر عالم گیر نہیں ہیں، جتنے اسکاچستانی ہیں اس لئے کہ انگلستانی اسکول اتنے عام نہیں ہیں۔ انگلستان کے ان چھوٹے چھوٹے اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں، وہ معمولی کتابوں سے قدرے زیادہ آگاہی بخش ہیں۔ بعض اوقات ان اسکولوں کے طلبہ کو لاطینی میں شد بد کرائی جاتی ہے۔ یہ شدید عوام الناس کے بچوں کے لئے بالکل فضول اور بیکار ہے۔ اگر اس کی جگہ معمولی علم ہندسہ کی تعلیم دی جاتی اور زمین کی پیمائش سکھائی جاتی یا مشینوں کی تعلیم دی جاتی تو اس طبقے کے بچوں کی تعلیم اتنی مکمل ہوجاتی جتنی ہوسکتی ہے۔[۱] کوئی معمولی سے معمولی پیشہ بھی ایسا نہیں ہوسکتا جس میں علم ہندسہ اور میکانیات اور مشینوں کے اصولوں کے اطلاق کی ضرورت پیش نہ آتی ہو۔ اگر ان اصولوں کی تعلیم دی جائے گی تو عوام شدہ شدہ ان سے کام لینے لگیں گے اور رفتہ رفتہ ان کی دماغی حالت میں

---

۱ طبع اول میں جتنی حیز امکان میں ہے۔

ترقی ہوجائے گی اور یہ اصول آئندہ نہایت ارفع و اعلیٰ اور مفید اور کارآمد علوم کی تمہید ثابت ہوں گے۔

ریاست کو چاہئے کہ انعام دیا کرے۔

ریاست کو چاہئے کہ تعلیم عامہ کے ان اہم اور ضروری اجزائے ثلاثہ کی تحصیل کے لئے چھوٹے چھوٹے وظیفے مقرر کرے۔ ان سے بچوں کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوجائے گا اور عوام الناس کے بچوں میں سے جو بچے تعلیم میں امتیاز حاصل کریں ان کو تمغے عطا کرے۔

اور اس کو چاہئے کہ لوگوں کو مجبور کرے کہ کسی پیشے میں درآنے سے پہلے امتحان دیا کریں۔

ریاست کو اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ رعایا کے تمام افراد کو اس امر کا احساس کرائے کہ تعلیم کے ان اجزائے ثلاثہ کا حصول لابدی ہے۔ اس کو چاہئے کہ ہر فرد کو اس بات پر مجبور کرے کہ کسی گاؤں یا ''شخصیاتی'' قصبے میں سے پہلے امتحان پاس کرے اور ریاست کو یہ بھی چاہئے کہ ان افراد کو کسی شخصیے کی رکنیت عطا کرنے سے پہلے کچھ مدت کے لئے آزمائشی طور پر رکھا کرے۔

اس طرح یونانیوں اور رومیوں نے اپنا فوجی جوش قائم رکھا۔

یہی طریق کار ہے کہ جمہوریۂ یونان اور جمہوری روم نے اپنے اپنے ہاں اختیار کیا تھا اور اسی پر عمل کر کے انھوں نے اپنے فوجی جوش کو برقرار رکھا تھا۔ انھوں نے فوجی کرتبوں اور جسمانی ورزشوں کے حصول کے باب میں اپنی اپنی قوموں کے لئے گونا گوں سہولتیں پیدا کردی تھیں۔ یہ جمہوری ریاستیں اپنی اپنی رعایا کو طرح طرح سے ان کے حصول

کا شوق دلاتی تھیں بلکہ بسا اوقات لوگوں کو ان کی اهمیت کا احساس دلاتی اور ان کی تحصیل کو جبری قرار دے دیتی تھیں - ان جمہوری ریاستوں نے ان کے حصول کے لئے جگہ جگہ اکھاڑے بنادئے تھے اور ان کی مشق و ممارست کے لئے خاص خاص مقامات مقرر کردئے تھے - ان کی وجہ سے ان فنوں کی تحصیل میں آسانیاں ہوجاتی تھیں - اس کے علاوہ خاص خاص استادوں کو یہ رعایت عطا کردی جاتی تھی کہ ان ورزش گاھوں میں لوگوں کو فنون حرب کی تعلیم دیں - معلوم ہوتا ہے کہ ان استادوں کو نہ تو تنخواہ ملتی تھی اور نہ کسی اور قسم کی کوئی کلی رعایت عطا کی جاتی تھی - ان کا معاوضہ وھی تھا جو ان کو شاگردوں سے مل جاتا تھا - ان شہریوں کو جو سرکای ورزش گاھوں میں فنون حرب سیکھتے تھے ، ان شہریوں پر کسی قسم کی قانونی فوقیت حاصل نہ ھوتی تھی جو غیر سرکاری ورزش گاھوں میں بطور خود سیکھ لیتے تھے بشرطیکہ مہارت اور کاردانی میں دونوں برابر ھوں - ان جمہوری ریاستوں میں ان لوگوں کو انعام و تحائف دئے جاتے تھے جو فنون جنگ میں امتیاز کرتے تھے - ان سے لوگوں کے دلوں میں ان فنون کے لئے شوق پیدا ھو جاتا تھا - جو لوگ اولمپی ، خاکنائی اور نیمیائی کھیلوں میں انعام حاصل کر لیتے تھے - وہ تمام ملک مشہور ھو جاتے تھے اور اپنے خاندان کا نام روشن کرتے تھے - ان جمہوری ریاستوں میں یہ قانون تھا کہ ضرورت کے وقت ھر شخص کو ایک خاص مدت کے لئے فوج میں بھرتی ھونا پڑتا تھا - اس قانون کی وجہ سے فوجی فنون کا سیکھنا ھر شخص کے لئے لازم ھو جاتا تھا اس لئے کہ اگر کوئی شخص ان سے بے بہرہ ھوتا تھا تو فوجی خدمت کے لائق نہ

سمجھا جاتا تھا۔

جب کسی قوم میں فوجی جوش موجود ہوتا ہے تو زیادہ مستقل فوج کی ضرورت نہیں رہتی اور اس سے جو خطرات وابستہ ہوتے ہیں ان میں کمی ہو جاتی ہے۔

یورپ کی موجودہ مثال سے یہ امر پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ جب اصلاح و ترمیم میں ترقی رونما ہوتی ہے تو لوگ فوجی فنون کی طرف سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شدہ شدہ یہ فنون زوال آمادہ اور انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی عامۃ الناس کی جماعت کثیر فوجی جذبات سے بیگانہ ہو جاتی ہے اس لئے حکومت کو اس جوش کے قائم رکھنے اور ان فنون کو زندہ رکھنے کے لئے سخت جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ ہر قوم کی حفاظت و عافیت کا انحصار کم و بیش عامۃ الناس کی جماعت کثیر کے اسی فوجی جوش پر ہے لیکن دور حاضر میں محض فوجی جوش سے کام نہیں چل سکتا۔ آج کل دفاع و تحفظ کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے جو نظم و نسق سے پوری طرح بہرہ یاب ہو۔ لیکن قوموں میں ہر نوجوان میں فوجی جوش موجزن ہوتا ہے اس لئے محض مختصر سی مستقل فوج کافی ہوتی ہے۔ جہاں یہ جوش موجود ہوتا ہے وہاں ان خطرات میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے جو آزادی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ ہر ملک میں مستقل فوج کے وجود کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کو آزادی کے لئے خطرناک سمجھا جاتا ہے خواہ یہ خطرات اصلی اور حقیقی ہوں یا ان کا وجود محض وہم و خیال پر مبنی ہو لیکن قوم میں فوجی جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ اس خطرے میں کمی پڑ جاتی ہے۔ اگر کوئی بیرونی حملہ آور چڑھائی کرتا ہے تو

اس سے مستقل فوج کو بہت کچھ مدد پہنچتی ہے اور اگر بدبختی سے یہی مستقل فوج خود اپنے ملک کے دستور کے خلاف کچھ کرنا چاہتی ہے تو یہی فوجی جوش اس کی روک تھام کرتا اور اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔

قدیم یونانی اور رومی ادارے موجودہ ردیفی افواج کی نسبت زیادہ موثر و کارگر تھے اس لئے کہ ان ردیفی فوجوں میں قومی لوگوں کی نسبت کم ہوتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس فوج کے قائم رکھنے میں یونان اور روم کے قدیم ادارے اس سے زیادہ موثر اور کارگر تھے۔ آج کل کی ردیفی فوجیں اتنی موثر اور کارگر نہیں ہیں۔ وہ قدیم ادارے بالکل سادہ اور سہل تھے۔ جب وہ ادارے قائم ہوئے تھے تو اپنا کام آپ چلاتے تھے حکومت کی توجہ کے محتاج نہ تھے۔ اس کے بغیر ہی اپنے آپ کو قوی اور زبردست رکھتے تھے۔ اس کے برعکس موجودہ ردیفی فوج کے قواعد و ضوابط پیچیدہ اور دشوار ہیں۔ ان پر عمل کرنے اور معمولی طریقے سے کام چلانے کے لئے حکومت کی توجہ ضروری ہے۔ جب تک حکومت ان کی طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتی لوگ ان کی طرف غفلت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک

حکومت کا فرض ہے کہ بزدلی کا انسداد کرے۔

کہ رفتہ رفتہ یہ قواعد و ضوابط بالکل پس پشت ڈال دئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادارات قدیم کا اثر بھی عالمگیر تھا۔ ان ادارات کے ذریعے تمام قوم کو جنگی فنون کی تعلیم آسانی سے دی جا سکتی تھی۔ موجودہ ردیفی فوج کے قواعد و ضوابط کی رو سے قوم کے صرف ایک جزو قلیل کو فوجی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ غالباً سوئستان کی ردیفی فوج کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ بہادری کردار انسانی کا نہایت اہم اور ضروری جز ہے۔ بزدل لوگ اس سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہ

تو اپنے ملک کو غیروں کی لکد کوب سے بچا سکتے ھیں اور نہ اوروں سے انتقام لے سکتے ھیں۔ قوم میں کچھ لوگ لنگڑے اور محتاج ہوتے ھیں۔ یہ لوگ اپنے اھم و ضروری اعضا سے محروم ہوتے ھیں یا یہ اعضا موجود ہوتے ھیں مگر کام نہیں دیتے۔ بزدل لوگوں کی بھی یہی حالت ہوتی ھے۔ ان کے دل و دماغ مقطوع و مفلوج ہوتے ھیں بلکہ ان کی حالت اپاھجوں سے گئی گزری ہوتی ھے۔ یہ ان سے بھی زیادہ بدبخت اور بد نصیب ہوتے ھیں اس لئے کہ مسرت و انبساط کا انحصار دماغ پر ھے۔ اگر دماغ صحیح و سالم ھے تو مسرت و شادمانی حاصل ھے اور اگر دماغ مقطوع و مفلوج ھے تو رنج و الم کے سوا چارۂ کار نہیں ھے۔ مسرت و انبساط کا تعلق صحت جسمانی سے بھی اتنا نہیں ھے جتنا صحت دماغی سے ھے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ فوجی جوش اپنے ملک کے دماغ و تحفظ کے لئے ضروری نہیں ھے تو بھی بزدلی کے انسداد کے لئے حکومت کو اس طرف توجہ مبذول کرنی چاھئے اس لئے کہ بزدلی ایک قسم کی دماغی بیماری ھے کہ انسان کے بطون کو مفلوج اور ماؤف کر دیتی ھے اور اسکو شقی اور بدبخت بنا دیتی ھے۔ اگر اس حالت کی روک تھام نہیں کی جاتی تو یہ تمام قوم میں سرایت کر جاتی ھے اور اس کے بیشتر حصے کو ماؤف و مفلوج کر دیتی ھے۔ اس اعتبار سے بزدلی ایک گونہ جذام ھے یا کسی اور مہلک مرض سے مشابہ ھے۔ جس طرح اس مہلک اور خطرناک بیماری کی روک تھام اور اس جذام کا انسداد حکومت کا فرض ھے اسی طرح بزدلی کا سدباب کرنا بھی اس کا فرض ھے۔ کوئی مرض مہلک اور خطرناک ہو یا نہ ہو مگر اس کا پھیلنا مضر ہوتا ھے اس لئے حکومت کا یہ فرض ھے کہ اس کو پھیلنے نہ دے۔ اسی طرح حکومت کا فرض یہ بھی ھے کہ قوم میں بزدلی کے جذبات کو عام نہ ہونے

دے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حکومت کی اس توجہ سے پبلک
کو کسی قسم کا کوئی عام فائدہ نہ پہنچے گا مگر قوم کے لئے یہی
فائدہ بہت کافی ہے کہ بزدلی کا انسداد ہو جائے اس لئے کہ بزدلی
حقیقت میں باعث آزار عامہ ہے۔

اسی طرح جہالت و حماقت
کا بھی انسداد کرے

جہالت و حماقت کے باب میں بھی یہی
کہا جا سکتا ہے۔ مہذب و متمدن اقوام
میں یہ چیزیں طبقۂ زیریں کے افراد کی عقل
و دانش کو بالکل ماؤف و مفلوج کر دیتی ہیں۔ وہ شخص بزدل اور
نامرد سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے جو دماغی قابلیت سے بے بہرہ
ہے۔ دماغی قابلیت کردار انسانی کے لئے بہادری سے بھی زیادہ
اہم اور ضروری ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہے وہ نامرد اور
بزدل سے بھی زیادہ مفلوج و ماؤف ہے۔ اگرچہ طبقہ زیریں کی
تعلیم و تربیت سے ریاست براہ راست کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا
لیکن یہ امر بھی حکومت کی توجہ کا مستحق ہے کہ یہ طبقہ
بھی سر تا سر محروم تعلیم و تربیت نہ رہے اور عوام الناس کی
تعلیم سے ریاست کو کچھ فائدہ ہوتا ہے وہ بھی کچھ کم اہم نہیں
ہوتا۔ اس طبقۂ زیریں کی تعلیم و تربیت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی
یہ طبقہ وہم پرستی اور حماقت سے بچا رہتا ہے اور یہی چیزیں
ہیں کہ بسا اوقات جاہلی قوموں کو نہایت ہیبت ناک بدنظمیوں
پر برانگیختہ کر دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیم یافتہ اور دانشمند
آدمی جاہلوں اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی نسبت زیادہ اطاعت شعار
اور پابند قانون ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ انفرادی اور
جماعتی دونوں حیثیتوں سے اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں اور یہ خیال
کرتے ہیں کہ ہمارے افسران بالادست ہماری عزت افزائی کی طرف

مائل ہیں - یہی وجہ ہے کہ لوگ افسران بالادست کا اور اپنے سے
بالائی طبقے کے کا ادب و لحاظ پیش نظر رکھتے ہیں - بعض اوقات
اہل غرض فرقے اور بغاوت انگیز گروہ حکومت کی شکایتیں کرنے
لگتے ہیں - تعلیم یافتہ ان شکایتوں کی حقیقت کو پہنچ سکتا اور ان
کے جھوٹ سچ پر غور کر سکتا ہے اور اس کلیے تک رسائی حاصل
کرسکتا ہے کہ ان اہل غرض طبقات کا ان شکایات سے کیا منشا
ہے اور اس طرح اس لغو و لایعنی اور غیر ذمہ دارانہ حماقتوں سے
محفوظ رہتے ہیں، جو حکومت کے کارناموں کے متعلق کی جاتی ہیں اور
آسانی سے صراط مستقیم سے منحرف نہیں ہونے پاتے - آزاد ملکوں
میں حکومت کی حفاظت و سلامتی کا انحصار زیادہ تر عامة الناس
کی رائے پر ہوتا ہے اور یہ عامة الناس یہ رائے حکومت کے
رویے کی رو سے قائم کرتے ہیں - اس کے لئے یہ امر نہایت اہم اور
ضروری ہے کہ عامة الناس حکومت کے رویے کی تنقید و تنقیح
میں جلد بازی اور تلون مزاجی سے کام نہ لیں بلکہ اس پر ٹھنڈے
دل سے غور کریں -

مد سوم

ہر سن و سال کے اشخاص کی تعلیم

اس تعلیم کے ادارات

کے

اخراجات

اس قبیل کے ادارے دینی ادارے ہوتے ہیں۔ ان کے معلم بھی محنت اسی وقت کرتے ہیں جب اوقاف سے بہرہ یاب نہیں ہوتے۔

کچھ ادارے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہر سن و سال کے اشخاص کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے ہیں۔ اس قبیل کے ادارات خاص طور پر دینی ادارات ہوتے ہیں۔ یہ تعلیم کی وہ صنف ہے کہ انسان کو اس دنیا کے لئے عمدہ شہری بنانا چاہتی ہے اور اس سے بھی زیادہ آئندہ زندگی کے لئے تیار کرتی ہے جو اس زندگی سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ ہے۔ اس تعلیم کے معلم بھی یا تو اپنے سامعین کے رحم و کرم کے دست نگر ہوتے ہیں اور بہ طیب خاطر جو کچھ وہ پیش کر دیتے ہیں، اس پر گزارہ کرتے ہیں یا ان کو کسی اور مد سے تنخواہ ملتی ہے جس کے یہ لوگ از روئے قانون ملک حقدار ہوتے ہیں مثلاً جاگیر، عشریا لگان اراضی۔ تنخواہ یا معینہ وظیفہ۔ اس حیثیت سے ان میں اور دیگر معلموں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اگر ان کو تنخواہ یا امداد

نہیں ملتی تو بہت محنت اور جانفشانی سے کام لیتے ھیں - اگر وظیفہ و
مشاھرہ ملنے لگتا ھے تو محنت اور جانفشانی میں کمی پڑ جاتی ھے - اس
لحاظ سے جدید مذاھب کے معلموں کو قدیم مذاھب کے معلموں
پر ایک خاص فوقیت حاصل ھوتی ھے - جدید مذاھب کے معلم
نظامات قدیم پر نہایت جوش و خروش سے حملے کرتے ھیں - قدیم
نظامات کے علمبردار خانقاھوں اور درگاھوں سے وظیفے پاتے اور
عیش اڑاتے ھیں - ان کو اس امر کی پروا نہیں ھوتی کہ اپنے
معتمدان کے جوش اور ولولے کو قائم رکھیں اور ان کے عقائد و
خیالات میں فرق نہ آنے دیں اس لئے یہ لوگ لا محالہ ان کی طرف
سے غفلت اور سہل انگاری کا ارتکاب کرنے لگتے ھیں - ان پر سستی
اور کاھلی کا غلبہ ھو جاتا ھے یہاں تک کہ خود اپنے ادارات کے
تحفظ کے باب میں بھی یہ لوگ محنت و تندھی سے کام نہیں کر سکے -
جن عالموں اور دینداروں کو مقررہ مشاھرے اور معینہ وظیفے
ملتے ھیں - اکثر اوقات تعلیم و تربیت میں کمال پیدا کر لیتے ھیں
ان کو اخلاق شستہ اور اطوار پاکیزہ ھوتے ھیں - یہ شرافت کے پتلے
اور نجات کے مجسمے ھوتے ھیں - شرفاء قوم ان کے گرویدہ اور اکابر
وطن ان کے دلدادہ ھوتے ھیں - لیکن یہ علمائے دینی شدہ شدہ ان
اوصاف سے بیگانہ ھو جاتے ھیں - جن کی وجہ سے ان کو ادنیٰ طبقے
کے لوگوں پر اختیار اور اقتدار حاصل ھوتا ھے اور یہی اوصاف ان
کی کامیابی اور ان کے مذاھب کی ترقی کے اسباب ھوتے ھیں - جب اس
قسم کے علمائے دین پر کسی طرف سے حملہ ھوتا ھے تو لوگ فوراً بغلیں
جھانکنے لگتے ھیں اور یہ محسوس کرتے ھیں کہ ھم بالکل بےکس اور
بے بس ھیں - لیکن لازم ھے کہ حملہ آور لوگوں کو عامۃ الناس کی
اعانت حاصل ھو اور بطور خود یہ لوگ دیدہ دلیر ھوں - اس سے

بحث نہیں کہ سراسر جاہل اور بے وقوف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس
حالت میں علمائے دین کی وہی حالت ہوئی تھی جو کسی زمانے میں
جنوبی ایشا کے ناز پروردہ اور نعمت خوار لوگوں کی ہوئی
تھی جب ان پر شمالی علاقوں کے بھوکے اور جفا کش تاتاریوں نے
حملہ کیا تھا۔ ایسے موقعوں پر علمائے دین حاکمان ملک سے درخواست
کرتے ہیں کہ ان کے مخالفوں پر مقدمہ چلائیں اور ان کو جلا وطن
کر دیں یا ان کا بالکل قلع قمع کر دیں کیونکہ ان کی وجہ سے نقص
امن کا اندیشہ ہے - یہی باعث تھا کہ کلیسائے رومی کے عالموں نے فرقہ
جدید کے خلاف حاکمان ملک کو برانگیختہ کیا تھا اور ان سے
درخواست کی کہ فرقۂ جدید کے خلاف مقدمات دائر کئے جائیں اور
کلیسائے انگلستان سے بھی یہ درخواست کی کہ مخالفین دین پر مقدمات
چلائے جائیں - بہر نوع یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی دینی فرقہ
سو دو سال اوقاف اور قانونی حمایت و اعانت سے حظ اندوز ہو
چکا ہے تو کسی مخالف فرقے کے جواب میں جوش و محنت سے کام نہیں لے
سکتا اور اپنے عقیدے کو اور اپنے فرقے کے نظم و نسق کو مخالفوں
کے اعتراضات سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ایسے حالات میں دین قدیم کے
طرف دار تعلیم و تربیت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور یہ لوگ فن تحریر
کے ماہر اور اظہار خیالات پر قادر ہوتے ہیں لیکن ان کے مخالف عوام
پسند ہوتے ہیں - عامۃ الناس کے دلوں میں ان کا گھر ہرتا ہے اور
یہ لوگ اس گر سے واقف ہوتے ہیں کہ اور فرقوں کے لوگوں کو
کھینچ کر اپنے فرقے میں کیونکر لاتے ہیں اور نومعتقد کس طرح
حاصل کرتے ہیں - دین قدیم کے طرفدار انگلستان میں اس صفت سے
بالکل بیگانہ ہو گئے ہیں اس لئے اوقاف و مراعات پر بسر کرتے چلے
آئے ہیں - آج کل مخالفین دین اور متھودسٹ یا زہد پسند لوگ ان

اوصاف کے دلدادہ ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان مخالفین دین کے معلم اور مدرس حضرات بھی کبھی حصول معاش کی طرف سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے مداح اور معترف لوگ بہ طیب خاطر ان کے لئے چندہ دے دیتے ہیں یا ان کو اوقاف میں سے حق ملنے لگتے ہیں یا یہ لوگ کسی طرح قانون کی نظر بچانے اور فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ بھی یہ نکلا ہے کہ یہ لوگ اپنے جوش و انہاک سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے اکثر بزرگ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ یاب ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ ادب اور حترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں لیکن اب ان کے وعظ میں کشش اورگیرائی نہیں رہی۔ میتھوڈسٹ دیتی زہد پسند فرقے کے علمائے دین فضل و کمال میں مخالفین دین کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوتے۔ مگر ان کا بازار اب تک گرم ہے۔

کلیسائے رومی کے ادنیٰ پادری بھی خود غرضی کے اس سے زیادہ شکار ہوتے ہیں جتنے کلیسائے جدید کے اوقاف یا فتہ پادری ہوتے ہیں۔

کلیسا۔ رومی میں ادنیٰ درجے کے پادری بھی جس قدر محنت اور جوش و انہاک سے کام لیتے ہیں وہ خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے پردے میں جو محرک کار فرما ہوتا ہے وہ اس سے زیادہ قوی ہوتا ہے جس قدر وہ محرک ہوتا ہے جو کلیسائے جدید کے اوقاف یافتہ پادریوں کے جوش وانہاک کے پردے میں کار فرما ہوتا ہے۔ اطراف واضلاع کے علمائے دین حضرات میں بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی آمدنی کا زیادہ حصہ اس ایثار و قربانی سے حاصل ہوتا ہے جو ان علاقوں کے رہنے والے بلا جبرو اکراہ کرتے ہیں۔ ان کے مداخل و محال کا یہ ایک معتد بہ ذریعہ ہے اور اعتراف معصیت کے اصول سے اس میں بہت کچھ ترقی کے موقع نکل آتے ہیں۔ طبقہ

فقرا کے ارکان کے گزارے کا انحصار تمام تر اسی نذر و نیاز پر ہوتا ہے۔
اس طبقے کے ارکان کی وہی حیثیت ہے جو بعض بعض لشکروں کے
سواروں اور سپاہیوں کی ہوتی ہے۔ اگر لوٹ ہاتھ آ گئی تو تنخواہ
ملے گی ورنہ نہ ملے گی۔ ان اضلاع و اطراف کے پادریوں کی وہی حالت
ہے جو معلموں اور مدرسوں کی ہوتی ہے۔ ان کی آمدنی کا انحصار
کچھ ان کی تنخواہ پر ہوتا ہے اور کچھ شاگردوں کی فیس اور
نذرانوں پر ہوتا ہے اور اس فیس کا اور ان نذرانوں کا دار و مدار
ان کی محنت و جانفشانی اور ان کی شہرت و ناموری پر ہوتا ہے طبقۂ
فقرا کے ارکان کی حالت ان معلموں اور مدرسوں کی حالت سے مشابہ
ہے جس کی آمدنی کا انحصار تمام و کمال خود ان کی محنت و عرق ریزی
پر ہوتا ہے، اس لئے یہ لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ عامۃالناس کے
جذبات عقیدت کو ہیجان میں لائیں۔ اس کے حصول کے لئے وہ ان
تمام امور و فنون سے کام لیتے ہیں جن سے لے سکتے ہیں۔ فرقۂ فقراء
کے دو طبقات ہیں۔ ایک طبقے کا نام ہے فقراء سیاہ پوش اور دوسرے
طبقے کا نام فقراء اشہب۔ ان کے متعلق میکائیل کا بیان ہے کہ ان کے
قائم مقام ہونے سے تیرھویں اور چودھویں صدی میں کلیسائے روما
کے متعلق اعتقاد از سرنو زندہ ہو گیا جو پہلے مضمحل اور انحطاط
پذیر ہو چکا تھا۔١ جو ملک کلیسائے رومی کے زیر اقتدار ہیں ان
مین زھد و تقوی کے جذبات اب تک برقرار ہیں۔ مگر ان کا دار و مدار
راھبوں اور غریب طبقے کے پادریوں پر ہے جو اطراف و جوانب
میں رہتے ہیں۔ کلیسا کے بڑے عہدہ داروں کی حالت اس کے برعکس
ہے۔ یہ لوگ دنیا دار اور صاحب جاہ و جلال ہیں۔ یہ تعلیم اور
تربیت سے آراستہ اور جوہر شرافت سے بہرہ یافتہ ہیں۔ وہ اس گر سے

١۔ ملاحظہ ہو مباحث برعشرہ اول ازطیطوس لیوی یوس جلد سوم۔ باب اول۔

واقف ہیں کہ نظم و نسق ضروری چیز ہے اس لئے یہ اکابر کلیسا اس امر کی احتیاط رکھتے ہیں کہ طبقات ادنیٰ کے ہمیشہ حدود و قیود کا لحاظ رکھیں مگر خود اس امر کی زحمت کبھی گوارا نہیں فرماتے کہ عامۃ الناس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مبذول کریں۔

ہیوم کا قول ہے کہ ریاست کو چاہئے کہ بعض فنون کے ارتقا کو افراد وارکان پر چھوڑ دے جو ان سے فائدہ اٹھائیں گے وہی ان کی طرف توجہ کرینگے۔

داؤد ہیوم دور حاضر میں نہایت مقتدر فلاسفر اور نامور مورخ ہے۔ یہ باکمال مصنف لکھتا ہے کہ اکثر فن اور پیشے اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں کہ معاشرت انسانی کے مفاد کو ترقی دیتے اور اس کو تقویت بخشتے ہیں لیکن اس کے ساتھ افراد واشخاص کو بھی فائدہ بخشتے اور نفع پہنچاتے ہیں اور ہر لحاظ سے ان کے لئے موزوں مناسب ہوتے ہیں۔ اس حالت میں حاکمان ریاست کا ہمیشہ فرض ہونا چاہئے کہ ان پیشوں اور فنون کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ وہی افراد واشخاص ان کا خیال رکھیں جو ان سے نفع اندوز ہوتے ہیں البتہ وہ حالت اس سے مستثنیٰ ہے کہ یہ پیشے اور فن اول اول رواج پذیر ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کو حاکمان ریاست کی پیہم توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کاریگر اس گر سے واقف ہوتے ہیں کہ آمدنی میں ترقی صرف گاھکوں کی عنایت پر موقوف ہے وہ اپنے پیشے پر محنت اور جانفشانی کی داد دیتے اور اس میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ہر وقت اور ہر حالت میں ان کی پیدا کردہ اشیا کی مانگ اتنی ہوتی ہے جتنی وہ تیار کر سکتے ہیں۔ یہ حالت اس وقت تک یونہی جاری رہتی ہے جب تک نا معقول طور پر اس میں دخل اندازی نہیں کی جاتی۔

حکومت کو چاہئے کہ ان کے علاوہ اور پیشوں اور فنوں کی ترقی کا خیال رکھے۔

بعض پیشے ایسے بھی ھیں کہ ریاست کے نقطۂ نظر سے مفید اور کار آمد بلکہ ضروری اور لا بدی ھیں مگر افراد اور اشخاص کے لئے مفید اور سود مند نہیں ھیں اور ان کو ان سے کسی قسم کی مسرت و شاد مانی بھی حاصل نہیں ھوتی - اس حالت میں ریاست اس امر پر مجبور ھوتی ھے کہ اپنی توجہ کو ان لوگوں کی طرف منعطف کرے جو ان پیشوں کو کرتے چلے آئے ھیں۔ حکومت کا فرض ھے کہ سرکاری طور پر ان کی امداد کرے تا کہ یہ لوگ نان و نفقہ کو محتاج نہ ھوں۔ عامۃ الناس کا رجحان عام طور پر اس طرف ھوتا ھے کہ ان پیشوں کی طرف سے غفلت و سہل انگاری کا ارتکاب کریں اس لئے حکومت کو چاھئے کہ اس حالت کا سد باب کرے اور ان پیشوں کے کرنے والوں کے گزارے کا سامان هم پہنچائے۔ اس کی دو صورتیں ھیں - اول تو یہ کہ ان پیشوں کے اختیار کرنے والے لوگوں کے لئے خاص خاص اعزاز و خطاب مقرر کئے جائیں - دوسرے یہ کہ ان کے ماتحت کثیر جماعتیں کی جائیں اور ان کو اس پیشے کے اختیار کرنے والوں کا دست نگر قرار دیا جائے یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ترکیب نکالی جائے۔ اس کی مثال میں وہ افراد و اشخاص پیش کئے جاتے ھیں جو مالی فوجی اور عدالتی مناصب پر سر افراز ھوتے ھیں -

ممکن ھے کہ یہ خیال کیا جائے کہ تعلیم دین کا تعلق شق اول سے ھے -

بادی النظر میں قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ھوتا ھے کہ علمائے کا پیسا شق اول کے تحت میں آتے ھیں اور ان کی فلاح و بہبود کو محض پبلک پر چھوڑ دینا چاھئے جس طرح وکیلوں اور ڈاکٹروں اور حکیموں کی بہتری اور بھلائی کو پبلک پر چھوڑ

دیا جاتا ہے اور افراد و اشخاص کی فیاضیوں پر اعتماد کیا جائے کہ وہ ان کے رکھ رکھاؤ کا خیال رکھیں گی اس لئے کہ پبلک کو ان پر اعتقاد ہے اور اس کو ان کے روحانی اعمال سے تسکین حاصل ہوجاتی ہے اور آن کی ذات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر اس قسم کا کوئی محرک پیدا ہوجائے گا تو ان کے لئے محنت کرنا اور احتیاط برتنا موثر اور کارگر ثابت ہوگا اور یہ لوگ روز مرہ اپنے پیشے میں مہارت اور اپنے کام میں کمال پیدا کرتے چلے جائیں گے اور عامۃالناس کی تسخیر قلوب میں ایک خاص ملکہ حاصل کرلیں گے اور جس قدر حزم و توجہ سے کام لیں گے اسی قدر کامیاب ہونگے اور اس باب میں جس قدر مشق و ممارست کریں گے اسی قدر پایۂ تکمیل کو پہنچیں گے۔

لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اہل کلیسا کا جوش و انہاک خود غرضی پر مبنی ہے۔ اس کی روک تھام ضروری ہے۔

اگر ہم اس معاملے کا مطالعہ زیادہ غور و فکر سے کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اہل کلیسا کی محنت و عرق ریزی کا راز ان کی خود غرضی میں مضمر ہے اور اس کی روک تھام قانون ساز حضرات کا فرض ہے۔ اگر یہ قانون ساز حضرات عاقل و دانشمند ہوں گے تو اس کے انسداد کی طرف توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ یہ ہر مذہب میں مہلک و خطرناک ہے۔ صرف سچا مذہب اس سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے بلکہ اس کا فطری رجحان اس طرف ہے کہ سچے مذہب میں بھی وہم پرستی، حماقت اور مکر و فریب کے عناصر شامل کردے یعنی ناصح اور واعظ حضرات اس امر کی جد و جہد کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو اپنے مقلدوں اور پیروؤں کی نظر میں گرانقدر اور

قابل تقدس ظاہر کریں - اس مقصد کے حصول کے لئے یہ لوگ اور تمام فرقوں کی تصویر نہایت بھونڈی کھینچتے ہیں اور اپنے مقلدوں کے دلوں میں ان کی طرف سے نہایت سخت نفرت اور حقارت کے جذبات مشتعل کردیتے ہیں - یہ لوگ اس امر کے لئے ہمیشہ نئی نئی ترکیبیں اختراع کرتے رہتے ہیں کہ اپنے مقلدوں اور معتقدوں کے انحطاط پذیر جذبات عقیدت کو زندہ رکھیں - ان واعظوں کو اس امر سے کچھ سروکار نہیں ہوتا کہ وہ مسائل حق و صداقت پر مبنی ہیں کہ نہیں جو وہ ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ مسائل سامعین کے اخلاق و عادات پر عمدہ اثر کریں گے کہ نہیں، یہاں تک کہ ان کو اس امر سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ ان میں تہذیب و شائستگی کا کچھ شائبہ بھی ہے کہ نہیں - جو مسئلہ قلوب انسانی پر سب سے زیادہ اثر کرتا ہے وہ سب سے زیادہ اختیار کر لیا جاتا ہے اور قلوب انسانی عوارض و امراض سے ماؤف ہیں - یہ لوگ ان جذبات کو برانگیختہ کرتے اور جو لوگ ان کے اجتماعات دینی میں شریک ہوتے ہیں ان کے ضعف عقیدہ کو گوناگوں انداز سے ابھارتے اور ان کو اوہام پرستی پر لا ڈالتے ہیں - بالآخر حاکمان ریاست کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سودا گراں رہا ہے - ان کی کفایت شعاری اور جزرسی اصلی نہ تھی بلکہ محض ساختہ اور مصنوعی تھی - انھوں نے علمائے دین کے لئے تنخواہیں مقرر نہ کیں اور اس طرح ایک گونہ بچت کرلی اور امر واقعہ یہ ہے کہ اس تمام پند و نصائح کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ان کے پیشے کے لئے تنخواہیں معین کی جاتی ہیں تو گویا ان کو ان کی سستی

اور کاہلی کے معاوضے میں ایک گونہ رشوت دی جاتی ہے اور ان کے اشغال و مشاغل کو زائد از ضرورت قرار دیدیا جاتا ہے اور اگر تنخواہیں معین نہیں کی جاتیں تو گویا ان کے مقلدوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ نئے نئے پیشوان دین کی تلاش میں حیراں و سرگرداں رہیں۔ مگر پہلی صورت دوسری صورت سے احسن ہے۔ اگرچہ تمام کلیسائی ادارے ابتدا ابتدا میں دینی خیالات اور مذہبی جذبات پر مبنی ہوتے ہیں مگر اخیر میں ملک اور قوم کے سیاسی مفاد کے لئے مفید اور سودمند گنے جاتے ہیں۔[1]

مذہبی ادارے قائم کئے گئے اور ان کے لئے اوقاف بھی مقرر کئے گئے مگر ان کی بنا اس قسم کی دلائل و براہین پر نہ تھی بلکہ سیاسی فرقوں کی ضروریات پر تھی۔

ارکان کلیسا کے لئے جدا گانہ مشاہرے مقرر کئے گئے۔ ان سے اچھے نتیجے بھی نکلے اور خراب نتائج بھی مرتب ہوئے لیکن ان مشاہروں کے تقرر و تعین کو ان نتائج سے کچھ تعلق نہ تھا اور اگر تھا تو محض شاذ تھا۔ جس زمانے میں شدید سیاسی نزاعیں بھی رونما ہوئی ہیں ایسے موقعوں پر ہر سیاسی گروہ اپنے کو کسی مذہبی گروہ سے وابستہ کر لیتا ہے اور اس اتحاد کو اپنے حق میں مفید پاتا ہے یا کم از کم اس کو اپنے لئے سود مند خیال کرتا ہے۔ اس اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اس مذہبی فریق کے عقائد کو اختیار کیا جائے یا کم از کم ان کو استحسان کی نظروں سے دیکھا جائے۔ جو دینی فرقہ ایسا خوش نصیب ہوتا ہے کہ فتحیاب سیاسی گروہ سے اتحاد پیدا کر لیتا ہے تو

---

۱ ملاحظہ ہو تاریخ - مصنفہ داؤد ہیوم - جلد ۴ - باب ۲۹ - صفحات ۳۰ اور ۳۱ - مطبوعہ ۱۷۷۳ء - یہ باب طبعات ماقل اور طبعات مابعد سے مختلف ہے -

لازمی طور پر اپنے حلیف کی فتوح میں حصہ لیتا ہے اور اس فتحیاب سیاسی گروہ کی اعانت و حفاظت کے طفیل وہ دینی فرقہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ کسی نہ کسی حد تک اپنے حریفوں کو ساکت و سامت کر دے بلکہ ایک خاص حد تک مغلوب اور مقہور کر دکھائے اور جو دینی فرقہ شکست خوردہ سیاسی گروہ سے اتحاد قائم کرتا ہے اس کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ بھی سیاسی گروہ کے دشمن قرار دئے جاتے ہیں لہذا فتح مند فریق کے علمائے دین مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ تمام میدان پر ان کا غلبہ اور تصرف ہوتا ہے اور عامۃ الناس کی تعداد کثیر پر ان کا رسوخ غالب ہوتا ہے۔ اب ان کو یہ حیثیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے سیاسی گروہ کے سرداروں اور پیشواؤں کو مرغوب کر سکیں کہ وہ ان کے خیالات کا لحاظ اور ان کے رجحانات کا احترام کریں۔ عام طور پر قابو یافتہ علمائے دین کا پہلا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ تمام مخالف فرقوں کو مغلوب و مقہور اور ساکن و صامت کر دیا جائے اور ان کا دوسرا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کو فکر فردا سے بے نیاز کیا جائے اور ان کے لئے مستقل وجہ معاش مقرر کر دی جائے۔ چونکہ حصول فتح و نصرت میں علمائے دین کا کافی حصہ ہوتا ہے اس لئے یہ امر خلاف معقولیت معلوم نہیں ہوتا کہ مال غنیمت میں سے ان کو کچھ حصہ دیا جائے۔ ان کے علاوہ علمائے دین عامۃ الناس کی تالیف قلوب کرتے کرتے تھک بھی جاتے ہیں اور اس امر کا تحمل نہیں کر سکتے کہ حصول معاش کے لئے ان کے دست نگر رہیں اور نان شبینہ کے لئے اپنے آپ کو پبلک کا محتاج رکھیں۔ جب علمائے دین وجہ معاش کا مطالبہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے عیش و آرام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ اس وقت

ان علمائے کرام کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ آیندہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ یہ بزرگ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آگے چل کر ان کے اختیار و اقتدار پر اور ان کے طبقہ عالیہ پر اس کا اثر کیا مرتب ہو گا۔ دوسری طرف حاکمان ریاست ان مراعات کے عطا کرنے اور مطالبات کے منظور کرنے پر کبھی بہ خوشی و خرمی آمادہ نہیں ہوتے اس لئے کہ جو کچھ علمائے دین کو دیا جاتا ھے وہ پیشوایان قوم کے حصے میں سے دیا جاتا ھے اور پیشوایان قوم کی خواھش ہوتی ھے کہ اس کو بھی اپنے پاس رکھیں۔ لیکن یہ لوگ ان مراعات و مطالبات کے منظور کرنے پر مجبور ہوتے ھیں، بسا اوقات ابتدا ابتدا میں تاخیر و تعویق سے کام لیتے ھیں، گوناگوں حیلے اور بوقلموں بہانے تراشتے ھیں اور طرح طرح سے بچنے کی کوشش کرتے ھیں۔ مگر بالآخر ضرورت ان کو مجبور کرکے چھوڑتی ھے۔

اگر سیاسی فرقوں کو دینی فرقوں کی اعانت و امداد کی ضرورت پیش نہ آتی اور سیاسی فرقے دینی فرقوں سے مدد نہ لیتے تو فرقوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو جاتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ تمام فرقے روا داری سے کام لینے لگتے۔

لیکن اگر سیاسی فرقے دینی فرقوں سے اعانت و امداد طلب نہ کرتے اور فریق غالب ایک فرقے کے مسائل کو دوسرے کے مسائل سے زیادہ اختیار نہ کرتا تو فتح پا چکنے کے بعد غالباً وہ تمام فرقوں کے ساتھ برابرانہ اور غیر جانب دارانہ سلوک روا رکھتا اور ہر شخص کو یہ اجازت دے دیتا کہ اپنے رہبر اور پیشوا اپنی مرضی سے خود اپنی خواھش کے مطابق منتخب کر لیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس صورت میں فرقوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی اور گمان غالب یہ ھے ہر جماعت اپنا ایک جداگانہ فرقہ قائم کر لیتی اور چند خاص خاص مسائل کو اپنے لئے مخصوص کر لیتی۔ اس صورت میں ہر پیشوا کو یہ ضرورت محسوس

ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ کوشش کرے اور اپنے پیروؤں کی تعداد
کو قائم رکھنے اور معتقدوں کی تعداد کو بڑھانے میں فن و فریب
کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے - لیکن یہی ضرورت اور پیشوایان
دین کو بھی پیش آتی اور کوئی پیشوا اس سے بے نیاز نہ ہوتا تو
کسی پیشوا کو بھی غیر معمولی کامیابی حاصل نہ ہوتی اور اسی
طرح ہادیان مذاہب کے گروہوں کو بھی جو ترقی نصیب ہوتی وہ
غیر محدود نہ ہوتی - پیشوایان دین کا جوش و انہاک اپنے ذاتی
اغراض و مقاصد پر مبنی ہوتا ہے اور یہ جوش و انہاک اس وقت
آزار رساں اور خطرناک ثابت ہوتا ہے، جب تمام قوم میں صرف
ایک فرقہ قابل برداشت ہوتا ہے اور قوم دو یا تین فرقوں میں
منقسم ہوتی ہے اور ہر ایک فرقے[۱] کے پیشوایان دین اتفاق اور
اتحاد سے کام لیتے اور ادائے فرائض میں نظم و نسق کا خیال اور
حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں - لیکن جب یہی قوم دو تین سو
فرقوں میں بلکہ دو تین ہزار گروہوں میں منقسم ہو جاتی ہے تو
پیشوایان مذاہب کا یہ خود غرضانہ جوش بے آزار ہو جاتا ہے
اس لئے کہ ان میں سے کوئی فرقہ بھی اتنا زبردست نہیں ہوتا کہ
اس کی طرف سے بغض کا اندیشہ اور فتنہ و فساد کا خطرہ ہو - ہر
فرقے کے پیشوا جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اپنے آپ کو
مخالفوں میں محصور پاتے ہیں اس لئے کہ طرفدار کم ہیں، اغیار زیادہ
ہیں - اس صورت میں ان بزرگوں کو اخلاص رواداری اور میانہ
روی اختیار کرنی پڑتی ہے - لیکن جب فرقوں کی تعداد کم اور فرقہ
پرستوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو صورت اس کے برعکس ہوتی
ہے اس لئے کہ حاکمان ریاست فریق غالب کے طرفدار اور ان کے
عقائد کے پرستار ہوتے ہیں - اسی وجہ سے تمام قوم کی قوم ان عقائد

---

۱ طبع اول میں ہے - ہر ایک فرقے - الخ

کو ادب و احترام سے دیکھتی اور تمام سلطنت ان کی پرستش کرتی ہے - جب اس کثیرالتعداد فرقے کے ہادی اور پیشوا نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہر طرف مقلدوں کے گروہ اور معتقدوں کے انبوہ پاتے ہیں اور چار جانب سے اپنے آپ کو پیروؤں اور مداحوں میں محصور دیکھتے ہیں اس لئے ان میں روا داری اور میانہ روی کے جو شاذ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس قلیل التعداد فرقوں کے ہادی اور رہنما اپنے آپ کو تنہا اور بے کس سمجھتے ہیں اس لئے یہ لوگ اور فرقوں کے جذبات کا احترام کرتے ہیں اور دوسرے کو وہ مراعات دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جو وہ آسانی سے دے سکتے ہیں۔ اس باہمی روا داری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فریق غالب کے عقائد مدلل اور معقول ہو جاتے ہیں - اب ان میں کسی ایسے عقیدے کی آمیزش نہیں رہتی جس کو لغو و لا یعنی قرار دیا جا سکے یا جس کو خدعت و تعصب پر مبنی ٹھہرایا جا سکے اور یہی عقائد ہیں کہ ہر زمانے میں ہر ملک اور قوم کے پیشوایان ان کی تمنا کرتے چلے آئے ہیں - لیکن عقائد کے متعلق اب تک اس قسم کے قوانین وضع نہیں ہو سکے اور غالباً آیندہ بھی نہ ہو سکیں گے - اس لئے کہ مذہب میں ساختہ اور مصنوعی قوانین کو کچھ دخل نہیں ہے - معاملات دین کے متعلق جو قانون وضع کئے جاتے ہیں ان پر کم و بیش عامۃ الناس کی وہم پرستی غالب ہوتی ہے اور ان میں عامیانہ جوش و خروش کو بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے - انگلستان میں مذہبی لوگوں کا ایک فرقہ تھا اس کا نام ''ان دی پنڈینٹ'' یا آزاد خیال تھا - اس میں جوشیلے اور رمندہ مزاج افراد کی تعداد غالب کسی خانہ جنگی کے خاتمے پر اس فرقے کی تجویز تھی کہ انگلستان میں کلیسائی حکومت قائم کی جائے اور حق تو یہ ہے کہ

اگر اس کو غیر کلیسائی حکومت کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اگر یہ حکومت قائم ہو جاتی تو غالباً اس وقت تک اس کی وجہ سے ہر قسم کے مذہبی اصول میں ایک گونہ اعتدال اور میانہ روی کو دخل ہو جاتا اور اگرچہ یہ نظام سر تا سر فلسفے کے منافی تھا مگر پھر بھی اس سے لوگوں میں ایک گونہ فلسفیانہ خوش مزاجی پیدا ہو جاتی۔ اس قسم کا نظام حکومت ''پین سلونیہ'' میں قائم کیا گیا تھا۔ وہاں انجمن احباب کے ارکان کی تعدادیں غالب تھی۔ لیکن ازروے قانون تمام فرقے برابر تھے۔ کسی قسم کی مراعات حاصل نہ تھیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس احترام مساوات کا یہ اثر ہوا کہ وہاں کے شہروں میں اس قسم کی فلسفیانہ خوش مزاجی اور میانہ روی پیدا ہو گئی تھی۔

اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھی ان کے جوش و خروش سے کچھ آزار نہ پہنچے گا۔

اگرچہ اس امر کا امکان ہے کہ اس برابرانہ سلوک سے ہر جگہ خوش مزاجی اور میانہ روی پیدا نہ ہوگی یا اکثر مذہبی فرقوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وفور جوش و خروش کچھ زیادہ آزار رساں ثابت نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس اس سے کچھ نہ کچھ اچھے ہی نتائج مرتب ہوں گے[1] لیکن شرط یہی ہے کہ فرقوں کی تعداد زیادہ ہو اور فرقہ پرست لوگوں کی تعداد اتنی کم ہو کہ امن عامہ میں خلل انداز نہ ہو سکے اور اگر حکومت اس امر کا تہیہ کرے کہ ہر ایک فرقے کو اس کے حال پر چھوڑ دے، نہ کسی کی طرفداری کرے، نہ کسی کو آزار پہنچائے اور ان فرقوں کو بھی اس

---

[1] طبع اول میں انجمن احباب سب سے زیادہ کثیرالتعداد تھی۔

اس پر مجبور کرے کہ وہ ایک دوسرے سے نہ الجھیں تو ان کی طرف سے کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا بلکہ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ خود ان کے اندر پھوٹ پڑ جائے گی اور بہت جلد ان میں سے نئے فرقے پیدا ہو جائیں گے -

فلسفۂ اخلاق کے دو نظام ہیں - ایک عبوست اور صرامت پر مبنی ہے دوسرا رخاوت اور رخصت کا حامی ہے عامۃالناس نظام اول کے پرستار ہیں اور با وضع حضرات نظام دوم کے دلدادہ ہوتے ہیں -

مہذب اور شائستہ معاشرت انسانی میں لوگوں کے طبقات معین ہو جاتے ہیں اور یہ طبقات ایک دوسرے سے بالکل مشخص و ممتاز ہوتے ہیں - اس قبیل کی معاشرت میں فلسفۂ اخلاق کے دو نظام پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے دوش بدوش بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں - ان میں سے ایک عبوست و صرامت کا دلدادہ ہوتا ہے اور دوسرا رخصت و رخاوت کی حمایت کرتا ہے - عوام الناس پہلے نظام کے مداح و پرستار ہوتے ہیں اور مہذب اور با وضع حضرات دوسرے نظام کے دلدادہ ہوتے ہیں - تلون مزاجی لڑائی کا مبنع ہے - اسی طرح اقبال مندی کی افراط اور فکاہات و خوش طبعی کی فراوانی شر و فساد کا سرچشمہ ہے - ہمارا فرض ہے کہ ہم اس برائی کو استحسان کی نظروں سے نہ دیکھیں اور اس شر و فساد کو غیر مطبوع سمجھیں - جس حد تک یہ ایسا کریں گے اسی حد تک ان دونوں نظاموں کے درمیان امتیاز قائم ہو جائے گا - بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دو مخالف اور متضاد نظامات میں مابہ‌الامتیاز فرق یہی ہے - رخصت پسند اور رخاوت شعار نظام میں عیش و

عشرت اور بے قاعدگی بلکہ عناں گستہ سرور و طرب کی داد دی
جاتی ہے، مسرت و انبساط کی تلاش میں جائز و ناجائز کا امتیاز
فراموش کر دیا جاتا ہے اور ایک گونہ بے اعتدالی کو روا رکھا
جاتا اور ذکور و اناث میں سے کوئی فریق عفت و عصمت کی
خلاف ورزی کی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتا بشرطیکہ اس کے
ارتکاب میں فاش بد سلیقگی کا اظہار نہ کیا جائے اور اس سے
کذب و ناانصافی وجود میں نہ آئے ۔ الغرض اس رخصت پسند
نظام میں ان سیئات کے ساتھ بہت کچھ رواداری کا سلوک
ملحوظ رکھا جاتا ہے اس کے ارتکاب کو یا تو معذور قرار دیا
جاتا ہے یا بالکل صاف کر دیا جاتا ہے ۔ عبوسی اور صرامت
شعار نظام کا حال اس کے برخلاف ہے ۔ اس نظام میں اس قسم
کی فراوانیوں اور طغیانیوں کو سخت نفرت و حقارت کی نظروں
سے دیکھا جاتا ہے ۔ تلون مزاجی اور بے اعتدالی عامۃالناس کے
حق میں سمّ قاتل کا حکم رکھتی ہے ۔ اگر مزدور اور اجیر
ایک ہفتہ بے پروائی کا ارتکاب کرتے اور اسراف و تبذیر سے
کام لیتے ہیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جاتے ہیں
اور یاس و قنوط کے وفور کے عالم میں بدترین جرائم کا ارتکاب
کر بیٹھتے ہیں، اس لئے طبقہ عوام میں جو لوگ دانشمند اور
عاقبت اندیش ہوتے ہیں وہ اس قسم کی فراوانیوں اور طغیانیوں
سے احتراز کرتے اور ان کو نفرت اور حقارت آلود نگاہوں سے
دیکھتے ہیں ۔ ان کا تجربہ اور مشاہدہ ان کو اس امر کا قائل
کرتا ہے کہ یہ چیزیں اس کے ہم چشموں کے لئے مہلک
اور پناہ کن ہیں ۔ صاحب حیثیت لوگوں کی حالت ایسی نہیں
ہے ۔ یہ لوگ سالہا سال تک بے قاعدگیوں کا ارتکاب کرتے

اور طغیانیوں اور فراوانیوں کی داد دیتے رہتے ہیں اور بسا اوقات عواقب سے بچے رہتے ہیں۔ صاحب حیثیت اور ذی استطاعت لوگ خیال کرتے ہیں کہ بے قاعدگیوں کا ارتکاب کرنا اور طغیانیوں اور فراوانیوں میں مبتلا ہونا ہمارے طبقے کے بزرگوں کا حق ہے۔ یہ ایک گونہ رعایت ہے کہ ذی حیثیت اشخاص کے لئے ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ ان کے ارتکاب پر جرح و تعدیل نہیں ہو سکتی۔ اس قبیل کی مراعات اکابر قوم کا حق ہوتا ہے اس لئے اس قسم کی لغزشوں اور فروگزاشتوں کو ذی مقدور لوگ عدم استحسان کی نظروں سے نہیں دیکھتے اور جب ان کا کوئی ہم چشم ان کا ارتکاب کرتا ہے تو یوم لائم سے بالاتر سمجھا جاتا ہے ورنہ یونہی برائے نام سزا پاتا ہے۔

ابتدا ابتدا میں تمام دینی فرقے عبوست اور صرامت پر مبنی ہوتے ہیں۔

قریب قریب تمام مذہبی فرقے غرباء و عامۃالناس سے شروع ہوتے ہیں۔ ابتدا ابتدا میں ان کو لوگ قبول کرتے ہیں وہ اسی طبقۂ غربا کے لوگ ہوتے ہیں اور نو معتقدین کی تعداد غالب بھی اسی طبقے سے ماخوذ ہوتی ہے اس لئے ان فرقوں میں جو نظام رواج پذیر ہوتا ہے وہ مستقل طور پر عبوست و صرامت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر اس سے کچھ لوگ مستثنیٰ ہوتے ہیں تو نہایت شاذ ہوتے ہیں۔ یہی نظام ہے جو اس طبقے کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے جس کے سامنے نظام قدیم میں اصلاحی تجویز پیش کی جا سکتی ہے۔ اکثر لوگ اس عبوسی اور صرامتی نظام میں عمدگی اور خوبی پیدا کرتے ہیں اور اس طرح حصول اعتبار و اعتماد کی کوشش فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد غالب اس کو حماقت اور نادانی کی

حد تک پہنچا دیتی ہے اور اس کو حد جائز سے متجاوز کر دیتی ہے مگر طبقہ عوام کے لوگوں کو جو وصف اوروں سے زیادہ پسند آتا اور ادب و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے وہ زھد خشک اور یہی عنف و عبوست ہے۔

قلیل التعداد دینی فرقوں میں اخلاق کی پابندی کا لحاظ رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ ان میں ناگوار سختی کو روا رکھا جاتا ہے اور ان کو غیر عمرانی حد تک پہچادیا جاتا ہے۔

ذی رتبہ اور صاحب مقدور لوگ ہر قوم میں معزز اور سر بر آوردہ ہوتے اور اپنی حیثیت و وجاہت کے باعث واجب احترام گنے جاتے ہیں۔ جو کچھ یہ اکابر قوم کرتے ہیں اس کو اہل قوم غور و توجہ سے دیکھتے ہیں اس سے یہ اکابر خود بھی محتاط رہتے اور اپنے افعال و کردار کا خیال رکھتے ہیں۔ اکابر قوم صاحب اختیار اور ذی اقتدار ہوتے ہیں۔ عامۃالناس ان کا احترام کرتے اور ان کے اعمال و کردار کو عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اکابر قوم کے اختیار و اقتدار کا راز اسی امر میں مضمر ہے کہ عامۃالناس ان کے افعال و کردار کو ادب و احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بندگان قوم کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کرسکتے کہ ان کو قوم کی نظروں میں ذلیل کرے اور ان کو ان کے مرتبے سے گرا دے اس لئے یہ لوگ راہ عبوست و صرامت پر محنت سے گامزن رہتے اور زھد اور اتقا کی پابندی کرتے ہیں۔ الغرض یہ بزرگ وہی رویہ اختیار کرتے ہیں جس پر افراد قوم مہر خوشنودی ثبت کردیتے اور یہ قرار دےدیتے ہیں کہ یہ کردار اس حیثیت کے لوگوں کے لئے معین و مشخص ہیں خواہ کردار عبوست و صرامت پر مبنی ہوں یا ان کی بنیاد

رخصت و رخاوت پر رکھی گئی ہو اور زوال و ارتقا کی حالت
اس کے خلاف ہے۔ ان کو قوم میں کسی قسم کا امتیاز حاصل
نہیں ہوتا۔ جب تک یہ لوگ اپنے دیہات میں رہتے ہیں اپنے
افعال و کردار کا خیال رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان
کے افعال پر نظر رکھتے ہیں۔ اس حالت میں ان کو اپنے
کردار کی احتیاط کرنی پڑتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی
حالت ایسی نہیں ہوتی کہ ان کو کردار و افعال کا خیال رکھنا
پڑے۔ جب یہ اراذل و انفار اپنے دیہات سے نکلتے اور کسی بڑے
شہر میں آرہتے ہیں گمنامی اور تاریکی کے سمندر میں غرق ہو
جاتے ہیں۔ اب ان کے افعال و کردار کی طرف کوئی شخص
التفات نہیں کرتا یہاں تک کہ یہ شخص خود اب اس کی
طرف سے غفلت برتنے لگتے ہیں اور ہر قسم کے فسق و فجور پر
آمادہ اور ہر طرح کی برائی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یہ شخص
قعر ضلالت سے کبھی نہیں نکلتے اور مہذب اور شائستہ معاشرۂ
انسانی میں کوئی شخص ان کے کرتوت کی طرف توجہ نہیں
کرتا۔ لیکن جب یہ شخص کسی قلیل التعداد دینی فرقے میں
در آتے ہیں تو ایک گونہ امتیاز حاصل کرلیتے ہیں۔ اب ان
کی گمنامی میں کمی ہوجاتی ہے اور لوگ ان کے افعال کی
طرف التفات کرنے لگتے ہیں۔ اب ان کا اس قدر لحاظ ہونے
لگتا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا۔ اب ان کے دینی بھائی
ان کے کارناموں کو غور سے دیکھتے اور ان کے رویے میں
دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے فرقے کی لاج
اسی پر موقوف ہے۔ اب اگر یہ شخص کسی ناکردنی فعل کا
ارتکاب کرتے اور عبوسی اور صرامتی نظام سے منحرف ہوتے ہیں

تو سزائے عظیم پاتے ہیں ان کو اس فرقے سے خارج کردیا جاتا ہے اور بھائی بندی سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہی سزا ہے جو وہ ایک دوسرے کے لئے تجویز کرتے ہیں، حالانکہ ان کا جرم بسااوقات ایسا نہیں ہوتا کہ قانون وقت اس پر گرفت کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ قلیل التعداد مذہبی فرقوں میں عامۃالناس کے اوضاع و اطوار باقاعدہ اور صراط مستقیم پر قائم ہوتے ہیں۔ اس باب میں حالت اس سے زیادہ فائق و سابق ہے جو قدیم فرقوں میں پائی جاتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ ان قلیل التعداد فرقوں کے اطوار و کردار بسااوقات صراط مستقیم سے منحرف ہوتے ہیں۔ ان میں غیر ضروری سختی ہوتی ہے کہ ان کو ناگوار اور معاشرت کے اصولوں کے خلاف بنادیتی ہے۔

اس کے دو علاج ممکن ہیں۔

اس کے دو علاج ہیں اور دونوں سہل و موثر ہیں اگر دونوں سے متفقہ طور پر کام لیا جائے تو اس امر کا امکان ہے کہ ریاست اس ناگوار زهد و اتقا اور اس غیر معاشرتی حالت کی اصلاح کر سکے جو قلیل التعداد فرقوں کے افراد کے اوضاع و اطوار میں پیدا ہوجاتی ہے اگر ریاست ان پر عمل کرے گی تو اس کو تشدد سے کام نہ لینا پڑے گا۔

پیشوں اور عہدوں کے امیدواروں کے لئے سائنس اور فلسفے کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

پہلا علاج تو یہ ہے کہ سائنس اور فلسفے کی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا جائے۔ اس باب میں ریاست کو چاہئے کہ درمیانی طبقے کے لئے اور اس طبقے کے بالائی حصے کے لئے اس قسم کی تعلیم کو عالم گیر کر دے مگر مدرسوں اور مجلسوں کی تنخواہیں معین نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو یہ سست اور کاہل ہو جائیں گے بلکہ اس کی جگہ مشکل و دشوار

علوم میں بھی کوئی آزمائش مقرر کر دے کہ کسی پیشے میں در آنے اور اس کا آغاز کرنے سے پہلے یا کسی پر منفعت، معزز اور ذمہ دارانہ عہدے کے واسطے امیدوار ہونے سے پیشتر یہ لازم ہے کہ ہر شخص اس آزمائش میں کامیابی حاصل کرے۔ اگر ریاست ان طبقات کے افراد پر ان علوم کی تحصیل لازم قرار دے دے گی تو اس کو یہ تکلیف گوارا نہ کرنی پڑے گی کہ وہ ان کے واسطے موزوں اور مناسب معلم اور مدرس تلاش کرے۔ وہ خود اپنے لئے ان سے بہتر معلم و مدرس تلاش کریں گے جو ریاست ان کے لئے مہیا کرتی ہے۔ تعصب اور وہم پرستی سم قاتل ہیں۔ ان کے لئے اگر کوئی تریاق ہے تو وہ سائنس کی تعلیم ہے اور جب بالائی طبقے کے انسان زہر ہلاہل سے مامون و مصئون ہو جائیں گے تو زیریں طبقات کے افراد پر بھی اس کا کچھ زیادہ اثر نہ ہوگا۔

ریاست کو چاہئے کہ تفریحات عامہ کا شوق پیدا کرے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ تفریحات عامہ رائج کی جائیں اور ان میں تواتر، تنوع اور بہجت و اقتدار پیدا کیا جائے۔ اس باب میں ریاست کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو پوری آزادی بخش دے جو نقاشی، مصوری، موسیقی، شاعری اور رقص و سرود کے ذریعے لوگوں کی دلچسپی اور دلبستگی کا سامان فراہم کرنا چاہتے ہیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس صنف میں ان کی ہمت افزائی کرے مگر افترا انگیزی اور ناشائستہ کارروائی سے باز رکھا جائے۔ ڈراموں اور تمثیلوں، نمائشوں اور سانگوں اور تماشوں کے ذریعے اس رنج والم اور افسردگی اور اداسی کا تدارک کیا جا سکتا ہے جو تعصب کی جان اور وہم پرستی کی روح و رواں ہے۔ اگر ان کا پوری طرح تدراک نہیں ہوتا تو ان میں بہت حد تک تخفیف ضرور ہوتی ہے۔ جو لوگ

عامۃ الناس میں جوش و خروش پھیلانا چاہتے ہیں وہ تفریحات عامہ کو اپنے حق میں مضر اور تباہ کن پاتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ان کو نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں - ان تفریحات عامہ سے ایک گونہ خوش طبعی اور خوش مزاجی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ان لوگوں کے مناسب حال ہوتی ہے - یہ لوگ عوام کے تعصب سے کام لے سکتے ہیں، ان کے جذبات مسرت سے کام نہیں لے سکتے - جب ڈراموں اور تمثیلوں سے کام لیا جاتا ہے تو ان کے کارناموں کو طشت از بام کر دیا جاتا ہے اور ان کا مضحکہ اڑا دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کو ملامت عامہ کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ڈراموں اور تمثیلوں سے جس قدر نفرت کرتے ہیں اس قدر اور کھیلوں اور تفریحوں سے نہیں کرتے -

جس ریاست میں کسی خاص مذہب کو استحسان کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا اس میں تاجدار کو یہ ضرورت پیش نہیں آتی کہ کسی فرقے کے علما کی نرم گرم برداشت کرے -

جن ملکوں میں کسی ایک فرقے کے علما کو ازروئے قانون دوسرے مذہب کے علما سے زیادہ استحسان کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا، ان میں اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ تاجدار ملک کے محتاج و دست نگر ہوں یا کسی ضروری اور خاص ضرورت کے لئے ارباب بست و کشاد کے منت پذیر ہوں - اسی طرح تاجدار ملک کو اس سے کچھ سروکار نہیں ہوتا کہ کس کو کس منصب پر سرفراز کرے یا کس کو کس عہدے سے برخاست کردے - اندریں حالات تاجدار وقت کو ان امور سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا - اگر کچھ ہوتا ہے تو صرف اس قدر ہوتا ہے کہ ان میں امن قائم رکھے اور اسی طرح وہ

اور تمام لوگوں میں بھی امن قائم رکھتا ہے اور ان میں سے کسی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ایک دوسرے کو آزار پہنچائیں ، ایک دوسرے کے باب میں سب و شتم سے کام لیں اور ان کے درپئے آزار ہوں۔ اس کو ان کے معاملات سے اس سے زیادہ کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن جن ملکوں میں تاجدار ملک کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتا ہے ، اس میں حالت دگرگوں ہوتی ہے۔ ان میں تاجدار وقت اس وقت محفوظ و مصئون نہیں ہوتا جس حد تک علمائے دین کی تعداد کثیر کو اپنا ہم خیال اور طرفدار نہیں بنالیتا اور اس طرفداری کے حصول کے لئے وسائل و ذرائع پیدا نہیں کرتا۔

لیکن جس ریاست میں کوئی خاص فرقہ ازروئے قانون استحسان سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں تاجدار وقت کو یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ اس فرقے کے علما کی نرم گرم برداشت کرے

کلیسائے شخصیہ کے پادری یعنی قابو یافتہ فرقے کے علمائے دین کا ایک زبردست شخصیہ ہوتا ہے۔ یہ علمائے دین اپنے اغراض و مقاصد کے تحفظ کے لئے متفقہ اور متحدہ کارروائی کرتے اور ایک گونہ یک جہتی جوش اور نظم و نسق کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کے روپے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ تمام فرقے ایک فرد واحد کے تحت امرونہی ہیں اور اس کے اشاروں پر نقل و حرکت کرتے ہیں اور یہ گروہ علما اکثر اوقات ایک ہی شخص واحد کے زیر امرونہی ہوتا بھی ہے۔ ایک شخصیائی جماعت کی حیثیت سے علمائے دین کے مفاد وہی نہیں ہوتے جو تاجداروقت کے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تو ان دونوں کے مفاد میں بالکل تضاد ہوتا ہے۔ علمائے دین کا فائدہ اس میں ہے کہ عامۃالناس پر ان کا اقتدار قائم رہے اور اس اقتدار کا راز

اس میں پوشیدہ ہوتا ہے کہ ان مسائل میں کسی قسم کے
شکوک و شبہات کو دخل نہ ہو جو وہ لوگوں کے ذہن نشین
کرنا چاہتے ہیں اور ان کی اہمیت و عظمت میں کسی طرح
کا فرق نہ آنے پائے۔ علمائے اکرام کے اس گروہ کے نزدیک یہ
امر نہایت اہم اور ضروری ہے کہ یہ مسائل تمام و کمال اختیار
کر لئے جائیں اور ان پر پورا پورا اعتقاد رکھا جائے تاکہ
دنیا دائمی عذاب سے بچی رہے۔ اگر تاجدار وقت ان مسائل کی
تضحیک کرتا ہے یا ان کو شکوک و شبہات کی نظروں سے
دیکھتا ہے تو سخت ناعاقبت اندیشی اور کم نظری کا ثبوت
دیتا ہے۔ اگر یہ شبہ بھی ہوجاتا ہے کہ تاجدر وقت ان خیالات
کا ارتکاب کرتا ہے اور ان مسائل کے کسی جزو کو بھی
ماننے سے انحراف کرتا ہے تو علمائے کرام کی شان تقدس میں
فرق آجاتا ہے اور اگر ازراہ تقاضائے بشری وہ کسی ایسے شخص
کی حمایت کرتا ہے جو اس قسم کے امور کے مرتکب ہوچکے
ہیں تو ان کی نازک مزاجی میں اشتعال پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ
تقدس مآب بزرگ اس پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں اور اس
کو خلاف مذہب قرار دیتے ہیں۔ عوام‌الناس کو اس امر پر
برانگیختہ کرتے ہیں کہ اس کی اطاعت کا جوا اتار پھینکیں
اور اس کی جگہ دیندار اور راسخ الاعتقاد شخص کو تاجدار
بنالیں۔ اس کارخیر کے حصول میں علمائے کرام اس تخویف و
ترھیب سے کام لیتے ہیں جو دین کی شان کے شایاں ہے اور
اس جور و تشدد کا ارتکاب روا رکھتے ہیں جو اس کے رتبے
کے لائق ہے۔ اگر تاجدار وقت کسی وجہ سے علمائے کبار کے
ادعات و اعتصابات سے اختلاف کرتا ہے تو بھی اسی طرح

خمیازہ بھگتنا ہے - جن جن تاجداران جہان نے علمائے کلیسا کی اطاعت سے سرتابی کا ارتکاب کیا ہے ان سب پر بغاوت کا الزام لگایا گیا ہے اور اس کے علاوہ ان پر بدعت کا اتہام بھی عائد کیا گیا ہے حالانکہ یہ تاجدار نہایت خشوع و خضوع سے اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کرتے ہیں اور بعض تقدس کے ہر مسئلے کی اطاعت کا دم بھرتے اور اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن مذہب کی شان تقدس سب سے ارفع و اعلیٰ اور اس کا اقتدار سب سے بالا ہے - لوگوں کے دلوں میں جو خوف و خطر مذہب پیدا کرسکتا ہے وہ اور کوئی قوت نہیں کرسکتی علمائے دین کے ماتحت واعظوں اور مبلغوں کی ایک جماعت کثیر ہوتی ہے - جب اس جماعت کثیر کی وساطت سے یہ قابو یافتہ مبلغ اور واعظ تاجدار وقت کے خلاف تبلیغ کرتے ہیں تو تاجدار وقت اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتے - اس کے لئے جبرو تشدد کا ارتکاب کرنا اور مستقل فوج سے کام لینا پڑتا ہے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا - اندریں حالات مستقل فوج سے بھی پوری طرح حمایت و حفاظت کی توقع نہیں ہوسکتی اس لئے کہ سپاھی بھی علماء کی تبلیغ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے کہ وہ بھی اسی قوم کے افراد ہوتے ہیں - اس صورت میں حفاظت اس میں ہوتی ہے کہ مستقل فوج میں غیر ملکی سپاھی ہوں اور یہ صورت ہمیشہ ممکن نہیں ہوتی - قسطنطنیہ میں یونان کے شوریدہ سر پادری ہمیشہ انقلاب برپا کرتے رہتے تھے اور جب تک مشرقی سلطنت قائم رہی ان میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی - اسی طرح کلیسائے رومی کے شورش پسند پادری بھی صدیوں تک یورپ کے ہر حصے

میں ابتری اور برھمی پھیلاتے رھتے تھے۔ ان مثالوں سے کماحقہ واضح ھے کہ ان کے تاجداروں کی حالت بالکل غیر محفوظ ھوتی ھے جو علمائے دین پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکتے۔ جن تاجداروں کو اس کے وسائل میسر نہیں ھوتے وہ ھمیشہ مشخصہ گروہ کے قابو یافتہ علمائے دین کے رحم و کرم پر موقوف ھوتے ھیں۔

اس لئے کہ یہ تاجدار مسائل مذھبی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

یہ امر اظہر من الشمس ھے کہ مذھبی اعتقاد اور روحانی معاملات دنیوی تاجداران کے حیز اختیار میں نہیں ھیں۔

یہ تاجدار رعایا کی حمایت و حفاظت کر سکتے ھیں۔ اس کی ھدایت و رھنمائی کے فرائض سے عہدہ برا نہیں ھو سکتے۔ ان معاملات کے متعلق ان کے اختیارات کبھی اس قدر وسیع نہیں ھوتے کہ کلیسائے شخصیہ کے قابو یافتہ علمائے دین کے متحدہ اختیارات کا مقابلہ کر سکیں۔ لہذا امن عامہ کا انحصار ان مسائل پر ھوتا ھے جن کی تلقین یہ علمائے دین کرنا چاھتے ھیں اور تاجداران ملک کی سلامتی اسی میں ھوتی ھے کہ ان کے سامنے گردن جھکاتے رھیں۔ یہ امر حیزامکان سے خارج ھے کہ تاجداران وقت براہ راست ان کے فیصلے سے انحراف کر سکیں، اس لئے مناسب یہی ھوتا ھے کہ مناسب اثر و رسوخ کے ذریعے ان کے فیصلوں کو اپنے موافق بنا لیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی صرف ایک صورت ھے اور وہ یہ ھے کہ طبقۂ علما کے افراد کے دماغوں میں بیم و رجا کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں اور اکثر علما کو اپنا طرف دار بنا لیا جائے اس اصول بیم و رجا کے اطلاق کی یہ صورت ھے کہ ان کے دماغوں میں ایک طرف تو یہ خوف پیدا کیا جائے کہ اگر تاجداران وقت کے خلاف کوئی قدم

اٹھائیں گے تو محروم الارث ہو جائیں گے اور اس کے علاوہ اور اور سزائیں بھی پائیں گے اس کے برعکس اگر ان کی تائید کریں گے تو ترقیات اور انعامات حاصل کریں گے -

علمائے کلیسا کو کلیسا کی مراعات تا حیات حاصل ہوتی ہیں - اگر ان علمائے کلیسا پر تشدد کیا جاتا ہے تو موثر اور کارگر ثابت نہیں ہوتا - اس لئے حسن انتظام سے کام لینا چاہئے -

مراعات کلیسا علمائے کلیسا کے حق میں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی امراؤ رؤسا کے حق میں جاگیریں ہوتی ہیں - یہ علماء ان سے تاحین حیات تمتع اندوز ہوتے ہیں - یہ لوگ تابع مرضی معطی نہیں ہوتے - اگر یہ مراعات محض تابع مرضی معطی ہوتیں تو تاجداروں اور وزیروں کی خوشنودی پر موقوف ہوتیں اور ان کی ذرا سی بے اعتنائی پر ضبط ہو سکتیں - اس صورت میں علمائے کبار اپنا اقتدار قائم نہ رکھ سکتے، اس لئے کہ عوام الناس ان کو دربار شاہی کا محتاج اور تنخواہ دار غلام سمجھتے اور ان کی تعلیم و تلقین کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھنے لگتے - جب تاجداران ملک کسی پادری کو جاگیر سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں جبر و تشدد سے کام لیتے ہیں تو ان کو اور بھی زیادہ ہر دل عزیز بنا دیتے ہیں اور اگر اس باب میں ذرا سی بے قاعدگی کا ارتکاب کر گزرتے ہیں تو ان کے مسائل کو پہلے سے دس گناہ زیادہ موثر اور کارگر بنا دیتے ہیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اب یہ لوگ پہلے سے بھی کہیں زیادہ تکلیف رساں اور خطرناک ثابت ہوتے ہیں خواہ اس جبر و تشدد میں تاجداران ملک کتنے ہی حق بجانب کیوں نہ ہوں اور علمائے دین کسی فرقہ پرستی کا ثبوت کیوں نہ دیتے ہوں یا کتنے ہی جوش و خروش سے

باغیانہ تقریریں کیوں نہ کرتے ہوں۔ حکومت کے ہاتھ میں
تخویف ایک زبردست آلۂ کار ہے مگر یہ آلۂ کار جس قدر زبردست
ہے اسی قدر ناگوار بھی ہے۔ حکومت کا فائدہ اسی میں ہے کہ
اس سے ان طبقات کے خلاف کام نہ لے جو ذرا بھی آزادی اور
خود مختاری کے مدعی ہوں۔ ان کے باب میں تخویف و ترھیب
سے کام لینا ان طبقات کے لوگوں کو برہم کرنا اور بدمزاج
بنانا اور اپنی مخالفت میں راسخ کرنا ہے۔ اگر نرمی اور لطف
و کرم سے کام لیا جاتا ہے تو علمائے دیں بھی نرم ہو جاتے
ہیں بلکہ بسا اوقات اپنی مخالفت سے بھی باز آ جاتے ہیں۔ حکومت
فرانس اپنی قانوں ساز مجلسوں اور اپنی خود مختار عدالتوں
کو اکثر اس امر پر مجبور کرتی تھی کہ اگر کوئی شخص
یا کوئی جماعت کسی قسم کی خلاف جمہور کارروائی کا ارتکاب
کرے تو اس کو درج رجسٹر کیا جائے۔ اس باب میں حکومت
فرانس جبر و تشدد سے کام لیتی تھی لیکن اس میں اس کو
شاذ و نادر ہی کامیابی ہوتی تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے
جو کارروائی کی جاتی تھی وہ عموماً سزائے قید تھی۔ یعنی جو
شخص سرکشی اور عناں تابی کا ارتکاب کرتا تھا اس کو
قید خانے میں ٹھونس دیا جاتا تھا۔ ہر کس و ناکس کے نزدیک
یہ کار روائی جبر و تشدد پر مبنی تھی۔ خاندان اسٹیوارٹ کے
تاجدار مقننۂ انگلستان کے ارکان پر اثر کرنے کے لئے اس قسم
کی کار روائیاں کیا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی
ارکان کی سرکشی اور عنان تابی میں کچھ فرق نہ آتا تھا۔
اب مقننۂ انگلستان کے انتظام و انصرام کے قاعدے بدل گئے ہیں۔
بارہ سال کا عرصہ گزرا کہ نواب ”کوائے سیول“ نے مقننۂ پیرس پر

اس قسم کا ایک مختصر سا تجربہ کیا تھا - اس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسی طرح فرانس کی اور قانون ساز جماعتوں کا انتظام بھی سہولت اور آسانی سے ہو سکتا ہے لیکن اس تجربے کی تقلید نہیں کی گئی - قانون ساز جماعتوں سے جو کام لیا جا سکتا ہے وہ انتظام و انصرام کے تبادلے سے اور تحریص و ترغیب کے ذریعے سے لیا جا سکتا ہے - یہ طریقے حکومت کے لئے آسان ترین آلات کار ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے - اس کے برخلاف جبر و تشدد بدترین اور نہایت خطرناک ہیں لیکن انسان بالطبع سست اور کاہل ہے - معلوم ہوتا ہے کہ جس آلۂ کار کے استعمال سے نفور ہے وہ اس آلہ کار سے صرف اس وقت کام لیتا ہے جب خراب اور خطرناک آلہ کار سے کام نہیں لے سکتا - حکومت فرانس جبرو تشدد کے استعمال پر قادر تھی اس لئے انتظام و انصرام میں تبدیلی کرنے اور اس طرح کام چلانے کو نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتی تھی - لیکن صدیوں کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرو تشدد جس قدر کلیسائے شخصیہ کے قابو یافتہ ارکان کے باب میں مضر اور خطرناک ثابت ہوتا ہے، اس قدر کسی اور طبقہ انسانی کے افراد کے خلاف نہیں ہوتا - ارکان کلیسا کے باب میں تو جبرو تشدد سر تا سر تباہ کن ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ارکان کلیسا عوام کے نزدیک واجب الاحترام ہوتے ہیں - تمام ارکان کلیسا کے حقوق و مراعات کا شخصی اور مطلق العنان حکومت میں بھی اس قدر خیال رکھا جاتا ہے اور کسی طبقے کے ارکان کا نہیں رکھا جاتا اور ان کی شخصی آزادی کا جس قدر احترام کیا جاتا ہے اور کسی طبقے کی آزادی کا اس قدر نہیں کیا جاتا لیکن شرط یہ ہے کہ ان ارکان کلیسا میں اندرونی

نزاعات نہ ہوں - خود مختار اور مطلق العنان حکومتوں میں مدارج ہیں - فرانس کی حکومت نرم اور معتدل ہے - قسطنطینہ کی سخت اور تشدد پسند ہے - مگر اس باب میں دونوں برابر ہیں - اگرچہ ارکان کلیسا سے جبر و تشدد سے کام نہیں لے سکتے لیکن حسن انتظام سے اس طبقے سے بھی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے کام لے سکتے ہیں اور تاجدار وقت کی سلامتی اور ملک کی عافیت اسی میں ہے کہ ان سے حسن انتظام سے کام لیا جائے اور حسن انتظام کے صرف یہ معنی ہیں کہ اس کے ساتھ نرمی برتی جائےاور ان پر لطف و کرم کیا جائے -

ابتدا ابتدا میں اسقف حضرات کا انتخاب اہل کلیسا اور اہل ملک کی طرف سے عمل میں آتا تھا بعد میں یہ حق انتخاب صرف اہل کلیسا تک محدود ہو کے رہ گیا -

کلیسائے عیسویت کے دستور قدیم میں اسقفون کے انتخاب میں اہل کلیسا اور ابرشیہ کے اور تمام باشندے حصہ لیتے تھے[۱] لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا کہ غیر کلیسائی لوگ اس حق انتخاب سے محروم ہو گئے اور محروم الحق ہونے سے قبل بھی یہ لوگ ہمیشہ اہل کلیسا کے زیر اثر ہوتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ امور دین میں یہ اہل کلیسا عامۃ الناس کے فطری ہادی اور رہنما ہیں - لیکن اہل کلیسا ان کے انتظام و انصرام سے خود بھی تنگ آگئے تھے اور اس امر کو سہل سمجھنے لگے تھے کہ اپنے اسقف خود منتخب کریں- اسی طرح رئیس دیر کا انتخاب راہبان دیر کی طرف سے عمل میں آتا تھا اور بیشتر راہب خانوں میں یہی طریق انتخاب رائج تھا - تمام ادنیٰ درجے کے اوقاف و وظائف جو کسی

---

۱ طبع اول میں کلیسائے رومی ہے